

نفاذ کے لیے نیا مختار قلمی کتاب

آنچل



Famous Urdu Novels

'Free pdf' Library

aanchalpk.com aanchalnovel.com



سرورق: انفرخان آرائش: روز بیوٹی پارلر عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

- روحانی مسائل کا حل
بیاض دل
دشمن مقابلہ
بیوٹی گائیڈ
نیرنگ خیال
دوست کا بیچا آئے
- حافظ شبیر احمد 274 یادگار لمحہ
میمونہ رفوان 276 آئینہ
طلعت آغاز 278 ہم سے پوچھیے
روبین احمد 283 آپ کی صحت
ایمان وقار 286 گاکی باتیں
ہما احمد 292 کترینیں
000 قارئین
- جویریہ یاسک
شہلا عامر
شائلہ کاشف
ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا
حناء احمد
قارئین

ایک شان مبین

مکمل ناول

- چراغ خانہ
دل ہار دیتے ہیں
- 43 رفعت سراج
177 نادیدہ فاطمہ رضوی

ناولٹ

- عشق و نچلیا
عکس جاناں
- 95 نگہت عبداللہ
199 صدف آصف

افسانے

- تومیر اشجر سایہ دار
افسانہ لہر
نیاسال
سال نو کا عزم
موسم گلاب
عشق ہے صاحب
آدھی روٹی
- 123 طلعت نظامی
133 سدرۃ المنتہی جیلانی
239 تمثیل زاہد
243 شمیم ناز صدیقی
253 سمیرا غزل صدیقی
261 صباحت فریق چیمہ
272 حراقہ قریشی

ابتدائیہ

- سرگوشیاں
جہم
نعت
در جواب آل
- 14 مدیرہ
15 الطاف حسین حالی
15 سیدہ محسن زیدی
16 مدیرہ

دانش کدہ

- السلام علیکم
مشتاق احمد قریشی
- 21

ہمارا آنچل

- شازیہ چوہدری / نجمہ فردوس
آرزو چوہدری / سلمیٰ اقبال
- 25 ملیحہ احمد

بہنوں کی عدالت

- فاخرہ گل
ادارو
- 29

سروے

- بیتے لمحے
ادارو
- 35

سلسلہ وار ناول

- موا کی محبت
ٹوٹا ہوا نازا
شب بھر کی پہلی بارش
- 65 راحت وفا
137 سمیرا شریف طور
215 ناز کیول نازی

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ: پریس
ہاکی اسٹڈیو کراچی دفتر کاپی: 7 منسٹر یو جیمس رز عبداللہ ہارون روڈ کراچی - 74400

خط و دست: کاپی: "مچھل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نے آفاق پبلی کیشنز ای میل: info@aanachal.com.pk

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم میں سے جس نے وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔“ (الترمذی)

سکھیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنوری ۲۰۱۶ء کا آچل حاضر مطالعہ ہے۔

عیسوی سال نو مبارک ہو، سب دعا کریں کہ یہ سال نو وطن عزیز خصوصاً ہم عوام کے لیے رحمتوں پرکتوں کا امن و سلامتی کا سال ثابت ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ وطن عزیز اور تمام اہل وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین۔

کچھ دیر سے ہی کئی کراچی میں بھی من بستہ ہوا میں چل پڑی ہیں، گرم کپڑے اور سوٹر جزی جو صندوقوں میں بند اپنی باری کا انتظار ہی کرتے رہتے ہیں اب ان کے استعمال کی صورت نکل رہی ہے کراچی کے موسم کا دار و مدار کوئٹہ کی ہوا پر ہے اور کوئٹہ کا موسم ساہیوال کے موسم سے منسلک ہے۔ بہر حال کراچی میں کسی قدر ہی سہی سردی نے رخ تو کیا۔ حسب وعدہ اس ٹھنڈے شہر موسم کا لطف دو بالا کرنے کے لیے آپ کے آچل میں بہن رفعت سراج کا ناول ”چراغ خانہ“ حاضر ہے۔ ہماری کوشش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ آچل کو اور اب نئے پرچے حجاب کو بھی آپ کی پسند اور دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے سنوارا سجا یا جائے۔ اللہ کا شکر ہے حجاب بھی آپ کی دلچسپیوں کا محور بن رہا ہے آپ کے مشوروں اور تعاون کا نتیجہ ہی ہے کہ آچل کے ساتھ ساتھ حجاب بھی آپ کی پسند کے معیار پر پورا اتر رہا ہے۔

ایک بار پھر تمام نگار اور قاری، بہنوں کا شکریہ اور سال نو کی مبارکباد قبول کیجیے۔

﴿اس ماہ کے ستارے﴾

- ☆ چراغ خانہ ایک طویل عرصے بعد اپنے ناول کے ذریعے رفعت سراج چراغ خانہ کے ساتھ حاضر ہیں۔
- ☆ تو میرا شجر سایہ دار محبت کا حسین اقرار، طلعت نظامی کا حسین شاہکار تو میرا شجر سایہ دار۔
- ☆ دل ہار دیتے ہیں محبت میں ہار جیت کی کہانی، سینے نادیدہ فاطمہ کی زبانی۔
- ☆ افسانہ لہر زندگی کے نشیب و فراز کو بیان کرنی سدرۃ المنتہی ایک نئے انداز میں۔
- ☆ عکس جاناں عکس جاناں کی خوب صورت تصویر کشی کرتی صدف آصف کی منفرد تحریر۔
- ☆ نیا سال سال نو کے حوالے سے تشبیہ زاد کی خصوصی تحریر۔
- ☆ موسم گلاب موسم بہار میں فصل گل کا منظر پیش کرتی سمیرا غزل کی بہترین تحریر۔
- ☆ سال نو کا عزم سال نو کے نئے عزم لیے شمیم ناز صدیقی حاضر ہیں۔
- ☆ عشق ہے صاحب عشق و محبت کی انوکھی داستان، صبا حث رفیق کے انداز بیان میں آپ بھی ملاحظہ کیجیے۔
- ☆ آدھی روٹی غربت و افلاس کے موضوع کو قلمبند کرتی حراقیش پہلی بار شریک محفل ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

کھانا

نعتیں

قبضہ ہو دلوں پر کیا اس کے سوا تیرا

اک بندہ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا

بندے سے مگر ہوگا حق کیونکر ادا تیرا

چچا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی

کملی میں گن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں

ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

تو ہی ہے نظر آتا ہے ہر شے پر محیط ان کو

جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا

نہ میں وہ احساس کے سرشار ہیں اور بے خود

جو شکر نہیں کرتے نعت پہ ادا تیرا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے

کچھ رنگ میاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

جن جن کے لفظ بارش ثنائے رسول ﷺ سے

نعتیں سجا میں نے عطائے رسول ﷺ سے

ہم شاعروں کا جذبہ ایمان ہے یہی

حمد خدا بھی ہوگی دلائے رسول سے

جب لکھ کے نعت پیش کروں گا حضور ﷺ کو

لے لوں گا گھراں میں رضائے رسول ﷺ سے

تفریق کیا بیاں ہو امیر و غریب کی

مقلس ہے بادشاہ گدائے رسول ﷺ سے

مانے نہ مانے کوئی یہ ایمان ہے مرا

باقی خدا کا دیں ہے دعائے رسول ﷺ سے

تاریکیوں سے دور رہے گا وہ عمر بھر

جو لو بعد خلوص لگائے رسول ﷺ سے

روکے گا کون نعت نبی سے تجھے حسن

یہ ہاتھ میں قلم ہے عطائے رسول ﷺ سے

سید نسیم الحسن زیدی

الطاف حسین حالی



رفاقت جاوید..... اسلام آباد
بیاری بہن رفاقت! سدا خوش رہو اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے زور قلم میں اور زیادہ نکھار دے تاکہ آپ کو اپنی اپنی تحریروں سے قارئین کے دلوں پر حکمرانی کر سکیں اور مزید حساس موضوعات کو قلم بند کریں آپ کی طرف سے تحفہ کے طور پر دو خوب صورت کتابیں موصول ہوئیں ”بہاروں کی پت جھڑ میں“ اور ”پروین شاکر، جیسا میں نے دیکھا“ آپ چل کی لائبریری میں چار چاند لگا گئی اور آپ کی کتاب ”پروین شاکر“ پر جو ہے اس کو ہم اپنے نئے ماہنامہ حجاب میں شروع کر رہے ہیں آپ کی اجازت سے جس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ امید ہے کہ آپ جلد ہی اپنے ناول و افسانہ سے نچل اچل و حجاب میں بھی جھللا لیں گی۔

اقراء صغیر احمد..... کراچی
بیاری اقراء! سدا مسکراؤ! رہو آپ کی خوش دامن کی رحلت کی خبر جان کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم ہستی کا سایہ سر سے اٹھ جانا ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ ان نیک نجات میں آپ اور دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے اور مرحومہ کے درجات بلند فرما کر ان کو اعلیٰ علین میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

سیدہ فائزہ رازق..... گھڑی سیدان
ڈیر شازبہ! جتنی رہو آپ کی قلم کی اشاعت پر شکر کی ہرگز ضرورت نہیں آپ کی قلم اس معیار کی تھی تو ضرور شامل کر لی گئی آئندہ بھی آپ دیگر سلسلوں میں شرکت کر سکتی ہیں یہ آپ، بہنوں کا اپنا ہر چہ ہے جو آپ کی نگارشات سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

شازیہ خان..... مظفر آباد
ڈیر شازیہ! سدا مسکراؤ! آپ کی تحریر ”بہر مٹوئے نہ“ اس بار بھی آپ کا بہر قائم رکھنے میں کامیاب ٹھہری۔ سمانی و معاشرتی حالات کی بھرپور عکاسی کرنی یہ تحریر حقیقت کے از حد

قریب ہے اسی لیے ہماری منظور نظر ٹھہری لیکن اب ہمیں بھی آپ سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں سو بہتر سے بہترین کے لیے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہوئے وسیع مطالعہ کو اپنا شعار بنائیے اور اسی طرح کے موضوعات پر قلم آزمائی جاری رکھیے۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پر ڈیڑھوں مبارک باد۔

کے اہم نور الممثال..... کھڈیاں خاص، قصور
ڈیر نور! سدا مسکراہن رہو شادی کے حوالے سے آپ کا نکتہ نظر بالکل درست ہے اور اس سلسلے میں آپ کا لکھا شعر بھی پسند آیا۔ بے شک مصروفیات بڑھ جاتی ہیں بہر حال آپ چل پھر بھی آپ کے زیر مطالعہ رہا جان کر اچھا لگا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس نئی زندگی میں اپنے ہم سفر کے سنگ ابدی وداعی خوشیاں نصیب فرمائے پیغام شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

رخشی..... کلفتن، کراچی
عزیزی رخشی! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”ایک تھی ستارہ“ کامیابی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ آپ نے کافی عرصہ بعد اپنے قلمی سفر کا پھر سے آغاز کیا ہے جان کر خوشی ہوئی۔ امید ہے آئندہ بھی اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آپ آپ چل کے سلسلوں میں شرکت کرنی رہیں گی البتہ آپ کی دوسری تحریر ”ہل ہے مرنا یہاں“ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے تحریر میں انفرادیت مفقود ہے اس بناء پر اس تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

نسیم سحر..... کراچی
ڈیر نسیم! شادو کا باد رہو آپ کے خط میں آپ کی والدہ کی رحلت کی خبر سن کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم نعمت کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں کی ممتا اور شفقت کا آپ چل سر سے اٹھ جاتا ہے بے شک آپ سب کے لیے بڑا کریم سا سانحہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔ آپ کی ایک تحریر تو ڈیمبر میں حجاب کے صفحات کی زینت بن چکی ہے باقی بھی جلد شامل اشاعت کر لیں گے۔

نظیر فاطمہ..... لاہور
ڈیر نظیر! جگ جگ جیو ”گمناسیہ“ کے عنوان سے آپ

کی تحریر موصول ہوئی۔ خوب صورت الفاظ مضبوط پلاٹ عمدہ کردار نگاری اور مکالمہ نگاری کی بدولت آپ کی تحریر جاذب نظر ٹھہری۔ آپ کی تحریروں کے اچھوتے موضوعات آپ کے نام کی طرح بے نظیر ہیں۔ امید ہے آپ آئندہ بھی اپنے قلم کا حق ادا کرتے قارئین کی اصلاح و رہبری کا فریضہ انجام دیتی رہیں گی اور اپنے قلم کی جوت سے بہت سی شمعیں روشن کرنے میں کامیاب ٹھہریں گی۔

مہر گل..... کراچی
بیاری مہر! اسم با صغی بن کر ہر طرف روشنیاں بکھیرتی رہو طویل عرصے کے بعد آپ کی جانب سے دو حوالہ موصول ہوئیں ”قیامت ہی تو ہے“ حساس موضوع پر آپ نے جس طرح قلم اٹھایا اور افسردہ دلوں کا نکھار پڑھ کر اچھا لگا۔ البتہ آپ کی دوسری تحریر ”آزمائش“ شاید آپ نے آپ چل کے لیے نہیں لکھی تھی اور غلطی سے آپ چل میں بیچ دی۔ آپ کی پہلی تحریر جلد لگانے کی کوشش کریں گے امید ہے آپ بھی ان طویل مسافروں کو عبور کرتے نصف ملاقات کے لیے ذریعے بڑھ چل میں جلوہ گر ہوتی رہیں گی۔

تمثیلہ زاہد..... کراچی
بیاری تمثیلہ! سدا مسکراؤ! سب سے پہلے تو آپ کو پیارے سے بیٹے کی ممانے پر بہت بہت مبارک باد اللہ سبحان و تعالیٰ آپ دونوں کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور نصیب بلند کرے آمین۔ گھر اور بچوں کی مصروفیات میں سے آپ کے ہمارے لیے وقت نکالا ہے حد خوش ہوئی امید ہے آپ کا قلمی تعاون آئندہ بھی برقرار رہے گا۔ حجاب کے دروازے بھی آپ پر کھلے ہیں آپ کا افسانہ اس بار شامل اشاعت ہے۔

کائنات بشیر..... جرمی
ڈیر کائنات! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”آج کی رات بیا“ کے عنوان سے موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کا اندازہ تحریر اور موضوع دونوں ہی بہتر ہیں۔ اس لیے آپ کی تحریر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ امید ہے کہ آپ کا قلمی تعاون آئندہ بھی آپ چل کے سنگ رہے گا اور اسی طرح کے موضوعات کو آپ اپنے خوب صورت انداز بیان کے ذریعے قارئین کی اصلاح کے لیے استعمال کرتی رہیں گی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید کامیابی عطا فرمائے

آمین۔

لاریب انشال..... اوکاڑہ
عزیزی لاریب! جتنی رہو آپ چل کی جانب سے آپ کے لیے خوش خبری لیے حاضر ہیں آپ کی تحریر ”قربانی“ آپ کی پہچان بنانے میں کامیاب ٹھہری بہت جلد آپ کی تحریر آپ چل کے صفحات پر اپنی جگہ بنائے گی لیکن اس کامیابی کے ساتھ ساتھ ابھی آپ کو مزید محنت کی بھی ضرورت ہے۔ اپنا مطالعہ وسیع کرتے ہوئے دیگر رائٹرز کی تحریروں کا بغور مشاہدہ کریں اس سے آپ کے لکھنے کے انداز میں مزید پیشگی آئے گی اور موضوعات کے چناؤ میں انفرادیت کا پہلو بھی نمایاں ہوگا امید ہے یہ کامیابی آپ کے لیے بہت سی کامیابیوں کے دروازے کھول دے گی۔

نیلم شہزادی..... سرگودھا
بیاری شہزادی نیلم! ہر دم آپ چل کی ریاست میں خوش آمدید آپ کی تحریر ”چناؤ“ کا بے اختیار ہم بھی چناؤ کر بیٹھے خوب صورت انداز بیان منفرد اسلوب نگار و تشبیہات اور الفاظ کا پرجل استعمال آپ نے بخوبی کیا ہے۔ سبکی وجہ سے کہ آپ کی تحریر کا حسن بڑھ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہرتی ہے۔ آپ اسی طرح قلمی تعاون برقرار رکھتے ہوئے اپنے قلم کا جادو چگانی رہیں اور اپنے پرکشش الفاظ کا فنون قارئین پر طاری کر کے انہیں سحر زدہ کرنے میں کامیاب رہیں۔

مونا شاہ قریشی..... کبیروالہ
ڈیر مونا! شادو کا باد رہو آپ نے جس حساس موضوع پر قلم اٹھایا اور عورت کے جذبات و احساسات اور اس کے سمجھوتہ کرنے کی عادت کو جس طرح اپنی تحریر ”سمجھوتہ“ میں قلم بند کیا ہے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ موضوع اگرچہ پرانا ہے لیکن آپ کے انداز بیان کی چٹکتی نے اس میں انفرادیت پیدا کر دی ہے اسی بناء پر آپ کی تحریر قابل قبول ٹھہری۔ امید ہے آپ آئندہ بھی اسی طرح کے موضوعات سے بھرپور انصاف کرتی جہاد با قلم کرستے قارئین کے ادبی ذوق کی تسکین کرتی رہیں گی پورہ دگا آپ کو بہت سی کامیابیوں سے نوازے آمین۔

زیبا حسن مخدوم..... سرگودھا
بیاری زیبا! سدا مسکراؤ! آپ نے جس موضوع کو اپنے

لیے مختص کیا بہت خوب صورت اور عمدہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا موضوع کا چناؤ تو درست ہے لیکن انداز تحریر میں مزید محنت کی ضرورت ہے، ہر حال آپ کی یہ تحریر تراش خراش کے بعد آچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے کی لیکن آپ اس کامیابی سے اپنی محنت و لگن کا سلسلہ مزید تیز کر دیجئے۔ بہت جلد آپ اپنے لکھنے میں نمایاں فرق محسوس کریں گی امید ہے ان باتوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی تحریروں میں مزید پیش قدمی لائیں گی۔

سیما بنت عاصم..... کراچی
ڈیر سیما! جگہ جگہ جو آپ کی تحریر ”من کا سب“ موصول ہوئی ہے جذبات و احساسات سے گندمی یا آپ کی تحریر جلد اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہرے گی۔ امید ہے آپ دیگر موضوعات پر بھی قلم کی روشنی سے بزم آچل میں حصّے فرمادیں گے رہیں گی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے سرفراز کرے آمین۔

مدیحہ شفیع..... بورہ والا
پیاری مدیحہ! جتنی رہو آپ کی تحریر اس بناء پر ریجنٹک نہیں کی جاتی کہ آپ کا تعلق کسی گاؤں یا چھوٹے شہر سے ہے بلکہ آپ کی تحریر ”ہم خوش ہوئے“ اس لیے نام ٹھہری کیونکہ آپ کا انداز تحریر بہت کمزور ہے، املا کی غلطی اور کردار نگاری بھی کمزور ہے لہذا ابھی آپ اپنے مطالعہ پر توجہ دیں ان شاء اللہ جلد بہتری آئے گی۔

ثناء ناز..... وجانہ
پیاری ثناء! جتنی رہو آپ کی تحریر ”مسافرتیں مہربان ہوئیں“ ہمیں موصول ہوئی ہے جلد ہی پڑھ کر آپ کو اس کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے اس لیے تمناؤں سے انتظار کیجئے۔

عالیہ توصیف..... نامعلوم
ڈیر عالیہ! اسدا خوش رہو آپ کی تحریر ”بہت دیر تک ٹھہر رہے“ فرمودہ رسوم و رواج کے خلاف آپ نے جس طرح اپنے قلم کے ذریعے علم و بغاوت بلند کیا بہت اچھا لگا۔ اسی بنا پر آپ کی تحریر قابل قبول ٹھہری اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے قلم میں مزید پیش قدمی عطا فرمائے آمین۔

مدیحہ اکرم..... ہری پور
ڈیر مدیحہ! اسدا خوش رہو آپ کی نگارشات میں نام کی

جو غلطی ہوئی اور آئندہ اس بات کا خاص خیال رکھیں گے کہ آپ کا نام مدیحہ اکرم ہی اشاعت ہو۔ امید ہے کہ نارسنگی کے بادل چھٹ گئے ہوں گے اور دہری بات شکر کی تو اس کی قطعی ضرورت نہیں سی آپ بہنوں کا اپنا ماہنامہ ہے اور معیاری چیز اپنی جگہ خود بنائی گئی ہے۔ آپ مزید بھی اپنی نگارشات ارسال کر سکتی ہیں۔

ثناء عرب سننی..... صوابی
پیاری ثناء! خوشیوں کی بھاری اپنے دامن میں میٹھا اور پھولوں کی طرح مہکتی رہو۔ آپ کا شکایت سے بھرا خط موصول ہوا ہے شک لگے انہوں سے ہوتے ہیں لیکن اتنے بھی نہیں آپ کی نگارشات ہمیں اس وقت موصول ہوئی ہیں جب آچل تکمیل پا کر آپ کے ہاتھوں میں آنے کے لیے بالکل تیار ہوتا ہے اس لیے آپ کی نگارشات اشاعت سے محروم ہو جاتی ہیں اس کے لیے آپ ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک اپنی نگارشات بعد از ارسال کر دیا کریں تاکہ وہ شامل اشاعت ہو سکیں امید ہے کہ اب پیاری ثناء سننی ختم ہوگی۔

نورین لطیف..... توبہ ثبات سنگھ
پیاری نورین! پھولوں کی طرح مہکتی و سنسکرتی رہو حجاب بھی آپ کا اپنا ماہنامہ ہے دہری ہا کر کی غلطی یا تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ ماہنامہ حجاب بھی ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو مارکیٹ میں جلوہ گر ہو جاتا ہے آپ اپنے ہا کر کے قلم میں یہ بات لے کر آئیں اور بزم سخن میں شامل ہونے کے لیے آپ کو کوہن ضرور ساتھ بھیجنا ہوگا تاکہ قرعہ اندازی میں آپ کا نام بھی شامل ہو سکے یا اس انعامی سلسلے کے حوالے سے آپ بخوبی جانتی ہی ہوں گی۔ ناز یہ کچھ مصروفیات کی وجہ سے حجاب کے لیے نہیں لکھ پا رہیں لیکن جیسے ہی انہیں فراغت کے لمحات میسر آئے وہ آچل کی طرح حجاب میں بھی اپنی تحریر کے ساتھ جھللا لیں گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بھی خوش رکھے آمین۔

سیدہ سحر گیلانی..... ایبٹ آباد
ڈیر سحر! خوش رہو آپ کی تحریر ”رونی“ پڑھ ڈالی کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری غربت اور افلاس کے موضوع پر لکھی آپ کی یہ تحریر آپ کے کمزور انداز بیان کی وجہ سے رد کی گئی۔ آچل سے آپ کی محبت بجا ہے ہمیں آپ کے

پر خلوص جذبات کا بخوبی احساس ہے لیکن ابھی آپ مزید محنت و وسیع مطالعہ کی طرف غور کیجئے آپ آچل میں شرکت دیگر سلسلوں کے ذریعے کر سکتی ہیں۔ امید ہے اس ناکامی سے واپس ہونے کے بجائے کوشش اور محنت جاری رکھیں گی۔

صبا الیاس..... گوجر خان
ڈیر صبا! ماہنامہ صبا جتنی رہو آپ کی دونوں تحریروں آچل کے معیار پر پوری نہ اتر سکیں۔ ”میرے نخت جگر“ میں آپ کے جذبات و احساسات کا بھر پور اظہار اور سانچہ دبیر کے بچوں اور نواسٹین کے لیے گرانقدر جذبات قابل تحسین ہیں لیکن اس طرح مختصر قسط پر پیش کرنے میں ناکامی کی وجہ آپ کے انداز تحریر کی کمزوری ہے آپ فی الحال کاغذ قلم سے عارضی رابطہ تو کر کتاب سے ناطہ جوڑ لیں اپنا مطالعہ وسیع کریں اپنی تحریروں کا دیگر بڑے راسخ و کثرت سے موازنہ کریں اس سے آپ کو بہتر لکھنے میں مدد ملے گی اور اپنی کمزوریوں کا ادراک بھی ہوگا آچل میں شرکت کے لیے آپ دیگر مستقل سلسلوں میں شمولیت اختیار کر سکتی ہیں۔

نفسیہ صدف..... گجرات
ڈیر نفسیہ! جتنی رہو آپ کی جانب سے ام اعظم کی صورت میں افسانہ موصول ہوا پڑھ کر اعزاز ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے لیکن جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ باعث تازہ ہے آپ موضوع کے چناؤ میں احتیاط سے کام لیں اور تحریر کی ٹوٹو اسٹیٹ اپنے پاس رکھیں، ہمیں اصل مسودہ ارسال کریں بصورت دیگر تحریر قابل قبول نہیں ہوگی۔

ایس جلیلی..... نور پور ٹمن
پیاری جلیلی! اسدا خوش رہو دعاؤں اور چاہتوں کی خوش بو میں بسا آپ کا نام موصول ہوا۔ آپ آچل میں شرکت کے لیے اجازت کی ضرورت پر گز نہیں ہے دیگر سلسلوں میں آپ شرکت کر سکتی ہیں۔ البتہ تحریر کے لیے اس بات کا خیال رکھیں کہ پہلے افسانے کی صنف پر قلم آزمائی کیجئے۔

نورین مسکان سرور..... ڈسکہ، سیالکوٹ
ڈیر نورین! جگہ جگہ جو آپ کی نارسا طبیعت کے متعلق جان کر بے حد رنجیدگی ہوئی بہر حال آپ نے پھر بھی ہمت کر کے کاغذ و قلم کا سہارا لے کر اپنے جذبات و

احساسات ہوا کے دوش ہم تک پہنچائے بے حد خوشی ہوئی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو جلد صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ سروے میں آپ کو ضرور شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تبصرے تو سب ہی شامل کر لیے جاتے ہیں البتہ جو بڑے کی تکمیل کے بعد ملتے ہیں وہ ضرور ردی کی کوکری کی نذر ہوتے ہیں آپ کی دیگر نگارشات بھی جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ کو اب تک ماہنامہ حجاب موصول نہ ہو سکا آپ کے اس دکھ میں ہم آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ ہمت مداں مدد خدا کو کوشش کرتی رہیے جلد ہا کر سے مل جائے گا۔ آچل سے متعلق آپ کے والہانہ جذبات و احساسات آپ کے دیگر خطوط میں جان کر اچھا لگا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو نمایاں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ویسے ڈسکہ میں چار چنگوں پر چار ہائے میں بازار کچھری روڈ کی پیش بازار اور چکی بازار میں آپ ان جگہوں میں دیکھ لیں۔

مشی خان..... پھیر کینڈ، مانسہرہ
ڈیر مشی! اسدا دادا بارہ ہو، غلطی دنا رہی سے بھر پور آپ کا نامہ بر موصول ہوا۔ آپ کا شکوہ بجا ہے کہ آپ اتنی دور دراز سے وقت نکال کر آچل کی محفل میں شریک ہوتی ہیں اور اپنا نام نہ دیکھ کر افسردہ ہو جاتی ہیں۔ آپ کی شکایت متعلقہ شعبوں تک پہنچادی ہے ان شاء اللہ جلد ہی آپ کی بعد از آپ کی دوست کران شہزادی کی نگارشات شامل کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے جلد ہی دور ہو جائے گی۔

سدرہ احسان..... سمیٹ پال، سیالکوٹ
ڈیر سدرہ! جتنی رہو آچل میں آپ کی نگارشات کی اشاعت پر شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ ہی کی کاوشوں سے پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ آپ کے تعارف کے متعلق متعلقہ شعبہ میں ارسال کر دیں گے آپ از سر نو اپنا تعارف ہمیں ارسال کر دیں جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سلمیٰ غزل..... کراچی
عزیز سلمیٰ! اسدا دادا رہو آپ کی مصروفیات کی بدولت قلمی سلسلوں کا فقدان ہے۔ کیا کیجئے جناب آج کل ہر کوئی فرصت نہ ملنے پر شکوہ کتاں ہے اور کچھ مصروفیات ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں بہر حال آپ سے توقع ہے کہ آپ اپنی مصروف زندگی سے چند لمبے نکال کر ضرور کسی اچھی تحریر کے

ساتھ جلد حاضر ہوں گی آپ کی غزل جلد شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

جویریہ عباسی..... مری

پیاری جویریہ! سدا سدا کے دل سے نصف ملاقات اور آنچل سے آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر بہت اچھا لگا۔ آپ نے افسانہ اور ناول پڑھ کر ہی یہ اندازہ ہو سکے گا کہ آپ کی تحریر آنچل کے معیار کے مطابق ہے یا نہیں بہر حال آپ نے فنی سفر کا آغاز تو محبت کر کے کر ہی لیا ہے اب اگر کوئی تحریر یا کام بھی ہو تو ابھی کے بجائے وسیع مطالعہ اور محنت کے ساتھ کوشش جاری رکھیں۔

صبا شہزادی..... مانا نوالہ

ڈیر شہزادی! جتنی رو بہ دو سال کے طویل عرصہ بعد آپ نے آنچل کی محفل کو رونق بخشی جان کر اچھا لگا۔ اقراء ضمیر کا ناول جلد ہی آپ آنچل کے صفحات پر پڑھ سکیں گی انتظار کی یہ گھڑیاں جلد ہی گزر جائیں گی۔ آنچل کی پسندیدگی آپ کی دعاؤں کے لیے بے حد مشکور ہیں بڑا اک اللہ۔

حمیرا دیاب چندا..... سرگودھا

عزیزی حمیرا! جب تک جیو پانچ سال کے عرصہ کی طویل غیر حاضری کے بعد آنچل کی محبت اور شش نے ایک بار پھر آپ کو اپنے حصار میں مقید کر لیا جان کر اچھا لگا۔ آنچل کے لیے آپ کے پر خلوص جذبات ہمارے لیے قابل تحسین و باعث فخر ہیں۔ بے شک آپ قارئین کی یہ تعریفی طور و چند کلمات ہمیں آنچل کو بہتر سے بہترین بنانے کے سفر پر گامزن رکھتے ہیں اور ہماری ساری تحن کا فور کرنے کا سبب بنتے ہیں طویل عرصے کے بعد آپ نے اپنی تحریر کے رنگ پھر سے آنچل سے رابطہ استوار کیا بہت خوشی ہوئی۔ تحریر پڑھنے کے بعد جلد آپ کو اس کے متعلق بتادیں گے۔

ریشما کنول..... فورٹ عباس

ڈیر ریشما! سدا سدا کے دل سے طویل عرصہ بعد نصف ملاقات بہت اچھی لگی آپ کا کہنا بجا ہے شادی کے بعد کی زندگی مصروفیات سے بھر پور ہوتی ہے اس لیے اپنے مشاغل کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے بہر حال آپ نے تعلیمی سلسلے کا از سر نو آغاز کیا ہے بہت خوشی ہوئی آپ کہانی ارسال کر دیں پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے سے آگاہ کر پائیں گے۔

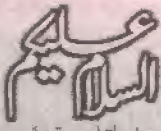
نا قابل اشاعت:-

چہرے میرا جنوں! میرا قلم فیصلہ اندھی محبت! ایسا کیوں اعتماد کیلے گال! پہل سے مرنا یہاں! ظرف اپنا اپنا! پھو ہڑیہ کیسا ہے انتظار! صبر کا پھل لا کی تجھ سے لگن! نئے سال کی نئی محبت! اذان! سنگ! سنگ! سنگ! چلتا! رونی! تم! بن! ادھو! ہم! مجرم! کون! محبت! بھی! روگ! ہے! کیا! زندگی! کے! سہانے! سفر! جنہیں! زندگی! سے! بڑھ!.....! آزمائش! فیصلے! مقدر! کے! محبت! ان! چاہی! محبت! اور! اداس! شامیں! الم! ناک! گھر! وہ! حساس! جھکی! یاد! تنہائی! تصور! زوہ! مان! جو! ٹوٹ! گیا! ہم! خوش! ہوئے! باجی! کو! جو! بن! بھائے! کہانی! سوہنی! مایہ! وال! کی! فاطمہ! مکی! عمر! کے! خواب! زیب! رنگ! حیات! تم! سے! میرے! تخت! جگر! حسن! آریہ! انکری! کا! روز! روشن! صبح! چھین! اسم! اعظم! اک! اور! برس! بیت! گیا! تم! میری! ثروت! ہو! سہارا! مل! ہی! جاتا! ہے! وطن! کی! یاد! تیرے! عشق! میں! جانے! جانا! محبت! کی! زنجیر! یہ! چاہت! کے! موسم! شہید! برحق! چھتارے! کے! نسو! اس! سائل! پر! لکھا! تیرا! نام! ان! دا! لا! ڈلا! بگڑ! گیا! اک! لمحہ! گئی! کا! ویلٹائن! ڈنے! ساریا! اور! ساتباں!۔

مستظفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگا سکیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کر کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قطعہ وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیکی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا و خانہ خط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فریدیہ جیمز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ



مشتاق احمد قریشی

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ بے حد و حساب مہربان ہے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرماتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں برکت دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بلند کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو فروغ بخشنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر پہنچائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو بلند مرتبہ و درجہ عطا فرمایا وہ کسی اور نبی یا پیغمبر کو حاصل نہیں ہوا جو شفقت و محبت رحم و کرم کا معاملہ اور انداز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا وہ کسی اور نبی سے نہیں فرمایا، ایسا اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب مقرر کرنے کے لئے بنایا جیسا کہ البقرہ کی آیت ۳۰ میں کہا گیا ہے اور البقرہ کی آیت ۳۱ میں انسان کے علم کی بابت بتایا گیا ہے ظاہر ہے جب اللہ تبارک و تعالیٰ کو زمین پر کسی کو اپنا نائب مقرر فرماتا تھا تو اس کی تکمیل و تیاری اسی انداز سے کی گئی ہوگی کہ انسان کو تمام علوم سے آراستہ کیا ہوگا اور اسے تمام معاملات کو سمجھا دیا ہوگا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو حضرت آدم سے لے کر روز قیامت تک آنے والی نعمی کو اپنے سامنے پیدا فرما کر اپنے رب ہونے کی گواہی لی تھی جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نسل انسانی کو بیک وقت وجود و شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا اور ان تمام سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی کہ کہیں روز قیامت یہ نہ کہہ دے کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے، لیکن تاریخ انسانی گواہ ہے اور خود قرآن کریم اس بات کی اطلاع دے رہا ہے کہ انسان نے وقت کے ساتھ ساتھ تا صراف اپنے مرتبے اپنے شرف انسانیت کو بھلا دیا اور شیطان کے بہکاوے میں پھنستا چلا گیا اور اللہ کی عبادت سے منحرف ہو گیا اور شرک و کفر کو اپنا تاج چلا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور اپنے خلیفہ کی اصلاح کے لئے نبی رسول پیغمبر کتب اور صحیفے بھیجنا شروع کئے تاکہ اس کا نائب انسان جو صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے سیدھی راہ پر آجائے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اور بستی ایسی نہیں جس میں اس نے اپنا نبی اور رسول نہ بھیجا ہو۔ (سورۃ فاطر ۲۳) ہر نبی اور ہر رسول ایک ہی تعلیم لے کر آتا رہا حدیث شریف میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے اس نے سلسلہ نبوت کے اختتام سے پہلے اپنے بندوں کو جنہیں اس نے اپنے نائب و خلیفہ کے طور پر زمین پہ بھیجا تھا، لیکن اس نے اپنے خالق و مالک سے کئے ہوئے عہد کو اپنے طے والے اختیار سے نہ صرف توڑا بلکہ اس سے سراسر انحراف بھی کیا جب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جن کی عمریں بھی خوب طویل ہوا کرتی تھیں خود حضرت آدم علیہ السلام کی عمر آٹھ سو پینتیس ۸۳۵ سال تھی حضرت نوح جو آدم ثانی کہلائے ان کی عمر نو سو پچاس سال سے زائد تھی اتنی طویل مدت طے کے باوجود ان کی امت ان کی قائل نہ ہوئی، لیکن جب اللہ نے سلسلہ نبوت کے اختتام کا فیصلہ کر لیا تو پھر ایک ایسے بندے کو مبعوث

فرمایا جسے اللہ کی نیابت و خلافت کا عملی پیکر و نمونہ بنا کر پیش کیا جائے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین بنایا اور انہیں تمام عالموں کے لئے رسالت عطا فرمائی اور ان کی امت میں تمام انبیاء کی امتوں کو شامل کر دیا کیونکہ ان کے بعد پھر کسی اور کو ہدایت لے کر نہیں آتا تھا اس لئے سب انبیاء کے حصے کی رحمت سب کے حصے کی امامت و رسالت آپ کے ذمہ آئی اور ہدایت کی ایسی مکمل اور جامع کتاب آپ پر نازل کی گئی جس کے بارے میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو جھٹکا خوف الہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ (الحشر۔ ۲۱) قرآن کریم میں اس سے پہلے کی تمام کتب کی تصدیق کر دی گئی ہے اور ان کی اصل اس میں شامل ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ نبی نہ اپنی طرف سے کچھ کہتا ہے نہ اپنی طرف سے کچھ کرتا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اعمال افعال اور اقوال سب کے سب احکام الہی کے تابع اور اس کے مطابق تھے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسالت و نبوت کی تکمیل فرمائی ہے اس لئے تمام انبیاء کرام کے حصے کی رحمت تمام انبیاء کرام کے حصے کی امتیں تمام انبیاء کرام کے کامل بنایا تاکہ انسان جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی آپ کو تمام عالموں کے لئے نبی اور رحمت بنایا اور آپ کو انسان و پیروی کر کے وہ اپنے اعمال و افعال کی اصلاح کر سکے اور اللہ کی نیابت کی ذمہ داری کو محسوس کر سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعام و اکرام بلا سبب اور بے وجہ نہیں۔ الاحزاب کی زیر تشریح آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو عظیم دیا جا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجئے تو یہ بلا وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ ایک ”صلو علیہ“ اور دوسرا ”وسلمو استلیم“

صلو کا لفظ ظنی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں ایک کسی پر مائل ہونا اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر بھٹکانا دوسرے کسی کی تعریف کرنا تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا۔ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو صرف دو پہلے معنوں میں ہی استعمال ہوگا اور جب یہ بندوں کے لئے بولا جائے تو تینوں معنی میں استعمال ہوگا اس میں محبت کا مدح و ثنا کا اور دعائے رحمت کا مفہوم ہوگا اس لئے اہل ایمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صلو علیہ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے گرد ویدہ ہو جائے۔ ان کی مدح و ثنا کرو اور ان کے لئے دعا کرو۔

سلام کا لفظ بھی اپنے اندر دو معنی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات و نقائص سے محفوظ رہنا۔ اس کے لئے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ استعمال کرتے ہیں دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ”وسلمو استلیم“ کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ تم پوری طرح دل و جان سے ان کا ساتھ دو ان کی ہر قسم کی مخالفت سے پرہیز کرو اور سچے دل سے ان کے فرماں بردار بن کر رہو۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ وہ لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت راہ راست پر آئے دین حق قبول کیا اور اپنی عاقبت سنواری تو یہ ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہوگا اس لئے ان کی دل و جان سے قدر و منزلت کرنا ان کا حق ہوگا۔ کیونکہ قبول اسلام سے پہلے وہ سب کے سب جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے اور وحشت بربریت اور حیوانیت میں مبتلا تھے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی وہ ذات مبارک ہے جس نے انہیں جہنم

کی آگ سے بچایا کفر کی راہ سے اٹھا کر خالق و مالک کی سیدھی سچی راہ پر چلنے کے قابل بنایا اور بہترین نظام حیات اور بہترین انسانی تہذیب سے آراستہ کیا جبکہ تمام طاقتیں اپنی پوری قوت استبداد سے مخالفت پر مکر بستہ تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی برائی نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خیر مجسم تھے احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پانے والے اور سیدھی راہ لگنے والے ان کا جتنا احسان مانیں ان سے جتنی محبت کا اظہار کریں اور ان کی جتنی تعظیم کریں کم ہے۔ اللہ رب کائنات جو ہر چیز ہر شے کا خالق و مالک ہے وہ خود اور تمام فرشتے اس ذات اعلیٰ صفات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج رہے ہیں تو ہماری کیا حیثیت و اوقات ہم بال برابر بھی دل میں اس حکم کے خلاف کرنا تو دور کی بات ایسا سوچ بھی نہیں سکیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل ایمان مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہی دعا خیر کریں جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے شب و روز کر رہے ہیں۔ وہی ہمیں بھی کرنی چاہئے کہ اے رب دو جہاں! جس طرح تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم پر بے پایاں احسانات فرمائے ہیں تو بھی ان پر بے حد و حساب رحمت فرما اور ان کا مرتبہ دنیا میں بھی سب سے زیادہ بلند کر اور آخرت میں بھی انہیں تمام مقربین سے بڑھ کر اپنا قرب عطا فرما۔ آمین!

الاحزاب کی اس آیت کے بعد متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سلام کا طریقہ تو آپ نے ہمیں بتا دیا یعنی نماز میں ہم التحیات پڑھتے ہیں۔

التحیات للہ و الصلوٰت و الطیبات السلاام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ! اوب و تعظیم کے سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہیں اور سب عبادتیں اور صدقے اللہ کے واسطے ہیں سلام ہو تم پر اے نبی اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد عبدہ و رسولہ!

سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

حضرت کعب بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ التحیات میں ہم السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکات کہتے ہیں اور آپ سے ملاقات کے وقت السلام علیک یا رسول اللہ کہتے ہیں مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرام کو مختلف مواقع پر درود سکھائے اور نماز میں پڑھا جانے والا درود کعب بن عمر رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمایا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

درود شریف:

اللہم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلی علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید!

اے اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کی آل پر خاص رحمت فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت کی تو بڑی تعریفوں والا ہے بزرگی والا ہے۔

اللہم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک

اے اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ان کی آل پر برکتیں نازل فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر برکتیں نازل کیں تو بڑی تعریفوں والا ہے بڑی والا ہے۔
یہ زور و شریف دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے ہے یہ زور و شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی نسبت ہے اس لیے ان کے لیے ان کی آل کے لیے جس میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں کے لیے یہ زور و شریف تعلیم فرمایا گیا ہے آل کے لغوی معنی خاندان والے احباب کے ہیں۔ آل کا لفظ جب کسی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوگا تو اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اس سے فرسبی رشتہ یا دوستی اور محبت رکھتے ہیں۔ "آل ابراہیم" میں بھی یہی مراد ہے۔ یہاں آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان اور وہ تمام افراد جن کو علم کامل اور عمل صراح کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن نبوت میں پناہ حاصل ہوئی۔ اس طرح آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اطلاق امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام برگزیدہ افراد پر ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آل محمد صرف وہ مسلمان ہیں جو شریعت محمدیہ کی شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ (امام راغب صفحہ ۱۱) مفردات قرآن) چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا حضرت اسحاق علیہ السلام کے سلسلہ نسب بنی اسرائیل سے تعلق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل قرار پاتا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمعیل علیہ السلام کے نسبی تعلق سے آل ابراہیم کے فرد ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ حضرت ابراہیم کی آل پر زور و بھیج کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور اپنے تعلق خاص کا اظہار فرمایا ہے۔ رحمت و برکت کی دعا ہے اہل ایمان مسلمانوں کو دینی نعت اور نماز کی دولت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلے اور واسطے سے ملی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان عظیم کے شکر کے طور پر ہمارے ذمہ مقرر فرمایا کہ جب نماز پڑھیں تو اس کے آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین کے لئے رحمت و برکت کی دعا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف زور و صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کو تعلیم فرمائے وہ تھوڑے تھوڑے سے فرق کے ساتھ مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں لیکن یہ سب کے سب کچھ لفظی اختلاف کے باوجود اپنے معنی میں متفق ہیں۔ ان کے اندر چند اہم نکات ہیں جنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

(جاری ہے)



شاعری چوہدری

ملیجہ احمد

پیارے آنچل اسٹاف رائٹرز اور ریڈرز کو پیار
جہاں سلام قبول ہو کیسے ہیں آپ لوگ؟ بہت
مزے میں نا آج سوچا کیوں نہ ہمارا آنچل میں
اپنا تعارف کروایا جائے تو جناب مابعد دولت کو شازیہ
چوہدری کہتے ہیں ضلع خوشاب کے ایک چھوٹے
سے قصبہ گنچال سے تعلق رکھتی ہوں۔ تعلیمی قابلیت
میزرگ ہے (آگے کسی نے پڑھنے نہیں دیا)۔ ہم نو
بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر آخری ہے۔ اسٹار
عقرب ہے جس کی تمام خوبیاں اور خامیاں بدرجہ
اتم موجود ہیں۔ ستاروں بھرے آنچل سے تعلق
آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے (جب میں
آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی) جڑا تھا۔ جو وقت
گزرنے کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔
آنچل کے تمام سلسلے ہی لا جواب اور دلچسپ ہیں
آنچل کی زینت بننے والی تمام کہانیاں بلاشبہ
بہترین ہوتی ہیں مگر جو کہانیاں دل میں گھر کر گئیں
وہ ہیں "محبت دل پر دستک زندگی دھوپ تم گھنا
سایہ یہ چاہتیں یہ شدتیں" اور "چھوٹا نہیں" بہت
پسند ہیں۔ پسندیدہ لباس لمبی قمیص کے ساتھ
چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سادہ پٹہ بہت پسند ہے۔

کلرز میں پنک ریڈ اور بلیک بہت پسند ہے۔
کپڑے بنانے کا شوق ہے پیارے پیارے
پرنٹ اور ڈیزائننگ والے پسند ہیں۔ میری
ڈریسنگ تقریباً سب کو پسند آتی ہے عموماً سادگی
پسند ہوں، میک اپ میں لپ اسٹک پسند ہے۔ گھر
کے کاموں میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر (ارے
ڈریس تو نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں)۔ گھر بھر کی
لاڈلی ہوں کم گو ہوں اور تنہائی پسند بھی۔ بہت کم
لوگوں میں گھلتی ملتی ہوں شاید یہی وجہ ہے میرے
دوستوں کی فہرست بہت کم ہے۔ پھولوں میں
پنک اور ریڈ گلاب پسند ہیں خوشبو ڈیلیشیا اور بلیو
لیڈی پسند ہے۔ چوہدری میں ڈھیر ساری کالج کی
چوڑیاں اور رنگز پسند ہے۔ شاعری کی دلدادہ ہوں
اچھی شاعری اور ادبی ذوق کی حامل ہوں۔ پروین
شاکر اور وحی شاہ کی شاعری بہت متاثر کرتی ہے۔
فیورٹ ملک سعودی عرب (دعا کریں اللہ پاک
جلد از جلد حج کی سعادت نصیب فرمائے آمین۔
نمکین چیزیں کچھ خاص پسند نہیں البتہ میٹھے میں
سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ موسم سارے ہی اچھے
ہوتے ہیں مگر سردی کا موسم بہت متاثر کرتا ہے۔
حال ہی میں ایک عدد منگیتری ملکہ بن گئی ہوں اور
عنقریب شادی ہونے والی ہے۔ اپنی پسند کی
چیزیں تو بتانا بھول گئی کھانے میں بریانی اور سوچی
کا حلوہ بہت پسند ہے۔ بھی بہت برداشت کر لیا
مجھ ناچیز کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا اس کے ساتھ

اجازت چاہوں گی! اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے پاکستان کی حفاظت فرمائے! آمین۔ سب کو ڈھیروں دعائیں اور سلام تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا! اللہ حافظ۔

نغمہ فردوس

السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو میری طرف سے محبت بھرا سلام قبول ہو جی تو جناب اتنی خاموشی کیوں ہو آپ کے چہروں کو کیا ہوا ایسے پھولے ہوئے ہیں جیسے..... خیر رہنے دو تم لوگ بھی کیا یاد کرو گی کہ کس سے پالا پڑا ہے۔ جی تو آف چھپ نہیں گئی جو تلاش کرنے لگ گئی ہو میں تو ادھر ہوں آنچل میں انٹری دینے آئی ہوں۔ میں نغمہ فردوس رانا ہوں ضلع شیخوپورہ میں واقع گاؤں مانگٹ کی رہنے والی اور میں ایک سردرات کے پچھلے پہر یکم دسمبر کو رونق بخشنے کے لیے اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی۔ رانا ہماری کاسٹ ہے ہم سات بہن بھائی ہیں میں سب سے بڑی ہوں باقی مجھ سے چھوٹی چار بہنیں اور دو بھائی متیق الرحمان اور ران محمد ہادی ہے جو کہ مجھے اپنی جان سے پیارا ہے۔ جی تو اب آتے ہیں اپنی پسند اور نہ پسند کی طرف تو کھانے میں جو بھی ہو کھا لیتی ہوں لیکن بس نمکین چیزوں تک بیٹھے میں آکس کریم اور فروٹ کریم بے حد پسند ہے۔ لباس میں لانگ

شرٹ اور ٹراؤزر بے حد پسند ہے جو کہ اکثر میں استعمال کرتی ہوں اس کے علاوہ چوڑی دار پاجامہ اور لانگ قمیص بھی بہت پسند ہے مگر پہنتی بہت کم ہوں آخر کار ایک گاؤں میں جو رہتی ہوں (بقول امی جان کے کہ لوگوں کے منہ بند رکھنا ضروری ہے)۔ چولری میں چھالے اور نفیس سا بریسیلیٹ پسند ہے اس کے علاوہ کرکٹ بہت پسند ہے کھیلاتی بھی ہوں بھائی کے ساتھ۔ ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں تو سب ایک ساتھ ہونے کی وجہ سے اخراجی مچائے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کرکٹ شاید آفریدی خان بہت بہت زیادہ پسند ہے ابھی اسی وجہ سے تو میچ کے شیدائی ہیں۔ ایکٹرز میں نور حسن احسن خان اور صبا قمر کے علاوہ موسٹ فیورٹ اداکار بابر خان پسند ہیں۔ رائٹرز میں نازی آپی سمیرا شریف طور، عشنا کوثر اور عیرہ آپی بہت پسند ہیں۔ آرٹی کا جنون کی حد تک شوق ہے اور آرٹی والے بھی بہت پسند ہیں۔ آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہلکی پھلکی شاعری بھی کرتی ہوں اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتی ہوں یہ نہ ہو کہ آپ لوگ دھکیلے لگ جاؤ بتائیے گا ضرور کہ مجھ سے مل کر کیسا لگا! اللہ حافظ۔

آنسو چوہدری

میرا نام آرزو چوہدری ہے شایینوں کے شہر

سرگودھا کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہم اپنے علاقے کے زمیندار ہیں اور ہماری کاسٹ چوہدری ہے۔ پسندیدہ وہ لوگ جو میرے ساتھ مخلص، اچھے اور میرے محافظ ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے۔ پسندیدہ ناول ”برف کے آنسو“ ہے۔ پسندیدہ ناول نگار اقراء صغیر، سمیرا حمید اور سمیرا شریف ہے، فیورٹ رساں آنچل اور شعاع ہیں۔ سچے رشتے وہ ہوتے ہیں جو دل سے عزت کریں ناکہ ہوا کے رخ کی طرح سمت بدلتے رہیں اصل میں وہی محافظ ہوتے ہیں۔ پسندیدہ ملک سعودیہ عرب ہے اور پسندیدہ شہر سرگودھا اور لاہور ہے۔ سردیوں کی سردراتوں سے بہت خوف آتا ہے۔ قدرتی مناظر بہت اٹریکٹ کرتے ہیں اور مجھے ہر وہ لمحہ یاد رہتا ہے جس میں حقیقی خوشی حاصل ہو یا ذہنی سکون۔ میری ذات ایسی ہے جس کا مجھے خود بھی دراک نہیں، کبھی کبھی بہت بڑی بات نظر انداز کر جانا اور کبھی چھوٹی بات پر رو کر ٹھکانا۔ بڑی خواہشوں کے رد ہونے پر دکھ نہیں ہوتا لیکن جب میری چھوٹی چھوٹی خواہشیں پوری نہیں ہوتیں تو مجھے بہت ڈسٹرنگ ہوتی ہے۔ سفر کرنا اچھا نہیں لگتا ایک عجیب سی تشنگی کا احساس ہوتا ہے خامی اپنے احساسات اور جذبات کسی سے شیر نہیں کر سکتی، دل میں رکھتی ہوں۔ خوبی دل کی اچھی ہوں کسی کے ساتھ برا نہیں کر سکتی اور نہ ہی کسی کو پریشان دیکھ سکتی ہوں۔ کوئی اچھا کرے تو

ہمیشہ یاد رکھتی ہوں۔ پسندیدہ مہک مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو ہے۔ بُرے اور حسد کرنے والے لوگوں سے بہت نفرت ہے، چولری میں رنگ لاکٹ اور چوڑیاں بہت پسند ہیں۔ لباس میں چوڑی دار پاجامہ، فراک اور شلوار قمیص پسند ہے۔ اپنے خیالات دو بندوں کے ساتھ شیئر کرتی ہوں اور وہی ہیں جو میرے احساسات سمجھتے ہیں۔ میری تمنا ہے مجھے سمجھا جائے، میں چاہتی ہوں کہ میرے بیان کرنے سے پہلے سامنے والا سمجھ جائے۔ پسندیدہ رنگ سرخ اور فیروزہ ہے۔ تعلیم ایف اے ہے بی اے کر رہی ہوں۔ کھانے میں چکن برگر بہت پسند ہے۔ گلاب کا پھول بہت پسند ہے۔ عبادات میں نماز اور تلاوت کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے وہ شاعری جو سیدھی دل میں اتر جائے۔ پسندیدہ الفاظ انسان اپنی توہین معاف تو کر سکتا ہے لیکن بھول نہیں سکتا اور خاص کرتب جب وہ ہستی قریبی ہوتی ہے اس لیے جب بھی بولیں سوچ سمجھ کر بولیں کیا پتا کسی نے آپ سے توقعات وابستہ کر لی ہو۔ آخر میں تمام جاننے والوں اور آنچل پڑھنے والوں کو سلام اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

سلیا قبل

السلام علیکم! تمام ریڈرز اور رائٹرز کو خلوص دل

سے سلام ہو۔ سوچنے کا نام مت لیں سلامتی سینڈ
 کر دیں اس سے پہلے کہ لائٹ چلی جائے۔ جی تو
 مابدولت کو سلیٹی اقبال کہتے ہیں عبدالحقان
 (بھانجا) نما اور عائشہ صدیقہ (بھینچی) سماں کہتے
 ہیں۔ میں اس دنیا کے حسن کو دو بالا کرنے کے لیے
 22 مارچ (موسم بہار) کو اس دنیا میں بلکہ کشمیر میں
 تشریف لائی۔ میری لائف بہار کا موسم ہی لگتی ہے
 بس مزے ہی مزے ہیں۔ آزاد کشمیر کے ایک
 گاؤں پنڈی جھونجہ میں پیدا ہوئی۔ ہمارا گاؤں
 سرسبز و شاداب اور خوب صورتی میں اپنی مثال
 آپ ہے۔ عمر 17 سال ہے سینڈ ایئر کی طالبہ
 ہوں۔ پسندیدہ شخصیات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ
 وسلم علامہ اقبال اور میرے پیارے بھائی افضل
 احمد شامل ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ دل کی بہت اچھی
 ہوں دوسروں سے بغض رکھنا مجھے پسند نہیں حساس
 بہت ہوں۔ خامی یہ ہے کہ غصے کی بہت تیز ہوں
 بقول امی اس کا غصہ ہر وقت ناک پر رکھا ہوتا ہے
 جبکہ میری شہزادی صحنی آصف (بھانچی) کا کہنا ہے
 کہ میری خالہ دنیا کی بیسٹ خالہ ہیں تھینک یو صحنی
 جان! پسندیدہ کلر پرپل، لائٹ پینک اور وائٹ
 ہے۔ پسندیدہ ڈش بریانی ہے۔ فیورٹ ٹیچرز میں
 ٹیچر مصباح بانو، ٹیچر ولجہ اور ٹیچر افزانہ شامل ہیں۔
 لباس میں لانگ شرٹ ٹراؤزر اور فرائک پسند
 ہے۔ پسندیدہ مشغلہ شرارتیں کرنا اور فرینڈز
 بنانا ہے۔ رافتہ رفیق سلیٹی اکرم ثانیہ خان صحنی

بہنوں کی عدالت فائز گل

گلر کیا رہے سز تبسم پوچھتی ہیں کہ آپ کو سسلے وار
 ناول، افسانے اور ناول میں سے کیا لکھنا پسند ہے؟
 سز تبسم جی کہوں تو مجھے تو بس لکھنا پسند ہے کبھی افسانے کا
 دل چاہتا ہے تو کبھی ڈراما لکھنے کا موڈ ہوتا ہے۔ سسلے وار
 ناول اس لیے پسند ہے کہ اس میں تمام جزئیات کے ساتھ بات
 کی اور سمجھائی جاسکتی ہے لیکن کچھ انٹروڈیوٹے ہوتے ہیں جنہیں
 افسانے میں کوہر کرنا بہتر ہوتا ہے اگر افسانے کے قابل مواد کو
 کھینچ کر قسط وار ناول کی شکل دی جائے تو وہ قارئین میں
 آکٹھٹ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح کچھ ٹائپس پر افسانہ لکھنا
 بعض اوقات پڑھنے والوں کو شہدہ رکھتا ہے۔
 دوسرے سوال میں آپ پوچھتی ہیں کہ فائزہ آپ کے
 مزاحیہ ناول ”خالہ سالا اور پورا والا“ کو پڑھ کر بہت انجولے کیا یہ
 کہ بیک کتابی شکل میں آئے گا اور بی وی میں لکھنے کے بارے
 میں کیا خیال ہے؟
 ”خالہ سالا اور پورا والا“ آپ کی تفصیلی تعریف اور پوچا
 بے حد شکریا آپ کے جاندار تبسم سے میرے اندر مزاح لکھنے
 کی نئی توانائی پیدا کی ہے آپ کا یہ پورا پورا ان شاء اللہ کسی اور جگہ
 ایڈیشن کروں گی کتابی شکل میں کہ آئے گا اس کا جتنی جواب تو
 فی الحال نہیں دے سکتی لیکن ہاں ان شاء اللہ بہت جلد یہ کتاب کی
 صورت میں آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور بقول آپ کے، آپ
 اسے اپنی نند کو گفٹ کر سکیں گی جو بہت کم مسکرائی ہیں، بی وی پر
 لکھنا تو ہے لیکن کب لکھنا ہے کچھ بھی فائل نہیں کہہ سکتی، جب
 مصروفیت کم ہوئی تو اس طرف ضرور دھیان دوں گی، فی الحال تو
 خالہ سالا اور پورا والا پڑھنے کے بعد کالی لوگوں نے سٹ کامز
 کے لیے بھی رابطہ کیا ہے مگر وہی بات کہ فی الحال میں فائل نہیں
 کہہ سکتی۔

آپ کی اب تک کتنی کتابیں آچکی ہیں؟

اللہ اللہ میری شاعری کی ایک کتاب ”سیاہ راتوں کے چاند
 میرے“ کے عنوان سے پیشکش ہوئی دوسری کتاب ”میرے ہم
 سفر کو خبر کرو“ ایک مکمل ناول اور تیسری کتاب بھی ان شاء اللہ یہ
 سطور پڑھنے کے وقت مارکیٹ میں ”وہی ایک لکھڑیست کا“ کے

نام سے مارکیٹ میں ہوگی یہ ناول آنچل میں ہی چھپا تھا اور چند
 دوسری تحریروں کی طرح میرے دل کے بہت قریب ہے اس
 کے ساتھ ساتھ میرے تحریری سفر کے اوائل دور میں چھپنے والے
 چند ناول بھی اس کتاب کا حصہ ہوں گے۔ آپ کی بیش قیمت
 دعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔

شازیہ فاروق احمد خان بیلہ سے بڑی محبت سے
 پوچھتی ہیں کہ فائزہ کی کیا آپ میری دوستی قبول کریں گی؟
 کیوں نہیں شازیہ! اتنے اچھے لوگوں کی دوستی سے بھلا کس کو
 انکار ہو سکتا ہے لیکن ہاں یاد رکھیے گا دوستی کر رہی ہیں تو بھائی بھی
 ہے ٹھیک ہے؟ بس تو آج سے دوستی شروع۔
 ایسے الفاظ سے نواز رہی تھی ہمیشہ میرے ساتھ ہیں۔

جس سے بھی ملیں محبت سے ملیں اپنے تمام تر جذلوں پر
 محبت کو حاوی ہونے دیجئے اس سے آپ کی زندگی میں سکون پیدا
 ہوگا اور خدا سے رابطہ مضبوط ہونے لگے گا کہ وہ جو مکمل محبت
 ہے۔ دوسروں کی غلطیوں اور خامیوں کو معاف کر دیا کریں اور
 جس وقت اپنے رب سے ہم کلام ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ
 سب سے بڑھ کر باخبر ہے اسے خود بتائیں کہ اگلی فلاں بندے کا
 فلاں عمل میں نے صرف تیری رضا کے لیے تیری محبت پانے
 کے لیے معاف کر دیا ہے تو بس مجھ سے راضی رہنا خوش رہنا ان
 شاء اللہ میرا ایمان اور اس کی رحمت سے امید ہے کہ اس طرح
 کرنے سے وہ ہماری بھی کئی خطائیں معاف کر کے عطاؤں
 میں بدل دیتا ہے۔ اللہ آپ کو زندگی و آخرت کی تمام خوشیوں
 سے مالا مال کرے آمین۔

فائزہ جی میں آپ کی تحریروں کو بہت پسند کرتی ہوں آپ کو
 کون سی تحریر نے متاثر کیا، کردار چاہجی بھی آپ کو یاد ہو؟
 بہت شکریہ شازیہ، بہت سی لکھی تحریریں ہیں جن کے خوب
 صورت طرز تحریر نے بہت متاثر کیا لیکن عظیم حق صاحب کی
 لکھی ہوئی کتاب ”عشق کا عین“ ایسی کتاب ہے جو کئی برس پہلے
 پڑھی تھی مگر اتنی متاثر کن تحریر تھی کہ آج تک ساری جزئیات کے
 ساتھ یاد ہے۔

صندیل رانا ہر ڈھونڈ ہند کے سے اپنی محبت کا اظہار اور
 تحریروں کو پسندیدگی کی سند دیتے ہوئے پوچھتی ہیں کہ ”وہ ایک
 لکھڑیست کا“ میں ناچی کا کردار آپ کا خود ساختہ تخلیق ہے یا
 حقیقت میں آپ کو ناچی جیسا کردار ترانے کے لیے ان جگہوں کا
 رخ کرنا پڑا جہاں سے اس کردار کی شرعاعت ہوئی؟

پیاری حسد آپ کے نام سے ہے یا سیدہ حسد کی خوش بو
یا دوا کی آپ کی ذرہ نوازی کا شکر ہے، ناجی کا کردار یقیناً وہی
مخلیق ہے جسے مختلف جگہوں کا رخ کیے بغیر اپنی راستگی ٹھیل پر
ہی لکھا لیکن ہاں اس کی زندگی میں درخشاں حالات و واقعات میں
سے ایک دو چیزیں ایسی ضروری ہیں جو میں نے کسی میں دیکھی
نہیں یا یوں کہیے کہ کسی نے اپنے بارے میں بیان کی نہیں۔
آپ کے بانی سوالوں کے جوابات تو یقینی طور پر آپ کو
دوسرے سابقہ صفحات میں مل گئے ہوں گے دعاؤں میں ضرور یاد
رکھیے گا۔

سیدہ گل مہک، پیر محل سے شامل ہیں ان کا پہلا سوال
ہے کہ فیس بک جو سنا ہے کہ فیک بک ہوئی ہے تو اس کی عوام کا
آپ سے رویہ؟ بھی دشوار حالات کا سامنا ہوا؟

پیاری سیدہ پہلی بات تو یہ ہے کہ فیس بک ہوتی ہوئی لیکن
میرا ماننا ہے کہ دعا میں تو یہاں کی بھی خالص اور سچی ہی ہوتی
ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے تو فیس بک پر بہت محبت ملی ہے۔
سب کا رویہ بھی بہترین اور دوستانہ ہوتا ہے شواہد و گواہی اور وہ بھی
فیس بک پر نہیں میرا تو انہیں خیال آج تک بھی کچھ ایسا
قابل ذکر مسئلہ ہوا ہو۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ شاعری میں آپ کا استدلال
ہے یا آج تک کسی سے اصلاح لی؟ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ
شاعری میں کسی سے اصلاح لی ہو، اللہ کے فضل و کرم سے یہ ایک
خداداد تحفہ ہے جو جس طرح ذہن میں اترتا ہے اسی طرح کاغذ پر
نقل کرتی ہیں ہوں ایک مرتبہ امجد اسلام امجد کو اپنی چند نظمیں
سنانے کا اتفاق ہوا اور انہوں نے جن حوصلہ افزا الفاظ کے ساتھ
سر لادہ میں بھول نہیں سکتی، اسی طرح محترم فقہار عارف نے میری
ایک نظم سن کر جب یہ کہا کہ اس نظم سے یہ یوں شاعر کا اسلوب اور
انداز بیان یاد آ گیا تو بہت خوش ہوئی تھی اس سب کا یہ مطلب ہر
گزشتہ ہے کہ میں کوئی بہت ہی اعلیٰ پایے کا شاعر ہوں بلکہ
اس سب سے یہ مراد لی جائے کہ بڑے لوگ جب تعریف کرتے
ہیں حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو بڑے ہی کھلے انداز میں دل کھول کر
کہتے ہیں ماشاء اللہ صاحبان ادب کو سلامت دیکھ۔
تیسرے سوال میں آپ جاننا چاہتی ہیں کہ کہیں لکھتے
ہوئے کیا کیفیت ہوتی ہے؟

سیدہ ذبیحہ نعت لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور ضروری
نہیں کہ جو بندہ روانوی شاعری کر سکا ہو وہ نعت بھی لکھ لے

کیونکہ نعت لکھنا محض لفظ جوڑنے کے ہنر کا نام نہیں ہے نعت
میں قافیے اور ردیف کا کامیاب کھیل پیش کرنا نہیں کہلا سکا۔
بلکہ نعت کو لکھنے ہی اس موقع پر چاہی ہے جب سب کا نعت کی نگاہ
خاص قلم تھا سہاے ہاتھوں پر پڑ جائے اور جب نبی پاک ﷺ کی
شان میں خوب صورت ترین پہلوؤں جیسے لفظ و ہی کی صورت ذہن
میں اترنے لگیں اور پھر اس بات کا حیران رکھنا جس انتہائی لازم کہ
ایسا نہ ہو کہ تو ﷺ کی محبت میں اس قدر مبالغہ ہو جائے کہ خلق اور
خالق کا تعلق ممل واضح نہ رہ پائے یا خدا خواستہ کوئی ایسا لفظ یا
استعارہ لکھ دیا جائے جو نبی رحمت ﷺ کے شان میں شان نہ ہو۔

میں تو جانتی ہوں کہ اس معاملے میں مجھ پر اللہ کا خاص کرم
ہے کہ میں نعت لکھنے کے ساتھ ساتھ مختلف محافل میں اپنی ہی
لکھی ہوئی نعتیں پڑھتی بھی ہوں اور ایک دوسرے کو ایسا بھی ہوا کہ
ملا دھاریف میں نبی اور نبی لکھی ہوئی نعت پڑھتے پڑھتے لگا کہ
لگا شعر ذہن سے نکل گیا اور میں بھول گئی کہ آگے کیا پڑھنا ہے
مگر اللہ نے اپنی رحمت سے میرے نعت پڑھنے کے دوران ہی
ایک سینکڑا لفظ کیے بغیر نئے اشعار اتار دیے جنہیں اس وقت
فی البدیہ پڑھے اور سب نے بے حد سراہا بھی کہ آپ نعت کے
نئے شعر سننے کو ملے۔

آپ کے بانی سوالات کے جواب تو یقیناً آپ کو دیگر
صفحات پر مل گئے ہوں گے محبت اور دعاؤں کے لیے بہت
شکر یہ اپنی انی کو بھی بقول ان کے ”باہر دانی“ کا سلام پہنچا کر
میرے لیے دعا کا کہیے گا۔

فریحہ جو دردی پوچھتی ہیں کہ کوئی ایسا کردار بتائیے جو
آپ نے حقیقت میں خود سے قریب پایا ہو؟

پیاری فریحہ ابھی تک تو ایسا کوئی کردار نہیں جو اس حد تک
قریب ہو لیکن ہاں ذریعہ پر ایک ناول میں ایسی لڑکی کا کردار ضرور
ہے جو مجھ سے بہت قریب ہے۔

آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ لکھنا تو ہر کوئی ہے مگر اپنے لکھے
ہوئے سے مطمئن کوئی کوئی ہوتا ہے بھی اچھا لکھنے کے باوجود بھی
تفکری رہ جاتی ہے تو کیا آپ اپنے لکھے ہوئے سے مطمئن ہیں؟
ذبیحہ فریحہ آپ کی بات سو فیصد درست ہے کہ اپنے لکھے
سے مطمئن کوئی کوئی ہی ہوتا ہے اپنے تحریر کی سفر کے شروع میں
ایک دو تحریریں ایسی ضرور ہیں جنہیں اب پڑھتی ہوں تو لفظوں
میں غلامیوں ہوتا ہے سوچتی ہوں کہ اس میں بہت عجیب شاعری
میں اسے مزید بہتر کر کے لکھ سکتی تھی لیکن پھر وہی بات کہ ثبت

سوچ میرے اس خیال پر حاوی ہو جاتی ہے اور میں سوچتی ہوں
کہ کہانی کا موضوع، اندازِ تحریر اور لکھنے کا انداز یقیناً جاندار ہو گا بھی
تو ایڈیٹر نے منتخب کر کے لگائی حالانکہ مجھے نئے دواؤں کے سر پر
خاص طور پر ایک ریکارڈیشن کی تلواری بھی لنگ رہی ہوئی ہے مگر ایسا
نہیں ہوا، بلکہ اللہ کا شکر ہے کہ قارئین نے بھی سراہا تو یقیناً یہ کچھ
بہتر ہوگی لیکن پھر یہ بھی ہے کہ اللہ کے فضل سے کچھ چند ایک
تحریریں ایسی بھی ہیں جو ابھی نظر سے گزریں تو مجھے خوشی ہوتی
ہے کہ اللہ نے اس طرح کے لفظ جوڑنے کا موقع دیا۔ ابھی کھار
اپنی اسٹوری پڑھنے میں بھی حرقا تھا ہے۔

آپ کا اگلا سوال ہے کہ کوئی ایسا ناول جسے پڑھ کر شدت
سے خواہش کی ہو کہ کاش یہ میں نے لکھا ہوتا؟

نہیں فریحہ، اس معاملے میں، میں بہت قناعت پسند اور
شاکر ہوں اللہ نے جتنا انداز دیا ہے اس پر بہت خوش اور شکر گزار
ہوں، اچھی تحریر پڑھ کر سراسر اتنی ضرور ہوں دل میں بھی دوسروں
کے سامنے بھی اور ذاتی طور پر جس کی تحریر ہوا اکثر تو اسے بھی
خصوصاً صبح کر کے اس کا اظہار کرتی ہوں کیونکہ میں نفرت کے
علاوہ ہر جذبے میں اظہار کی قائل ہوں کوئی اچھا لکے گی کی کوئی
بات یا عادت پسند ہوتا ہے برلا اظہار کر دیتی ہوں۔ لیکن یہ بھی
نہیں سوچا کہ اس کی یہ چیز میری ہو جائے۔

ایڈیٹر کا چند خوب صورت الفاظ؟

اچھی فریحہ ماشاء اللہ آپ بہت سوخت اور ان پیاری دوستوں
میں شامل ہیں جن کی باتوں اور پیغامات میں بہت اہمیت
محسوس ہوتی ہے، اللہ آپ کا نصیب بلند کرے آپ سے راضی
رہے اور آپ کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، مسکرائی
رہے اور دوسروں کی مسکراہٹ کا سبب بنے۔

حلیہ زمان سعودی عرب سے بے شمار دعا میں دینے
اور انی محبتوں کا بحر پر اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ جانتی ہیں کہ
آپ کو کسی کی ڈیجیٹل دعا میں لگی ہیں جو آپ اپنے کم عمر سے
میں اتنی فیس ہوتی ہیں؟

پیاری حلیہ، سب سے پہلے تو اتنی بہت ساری محبتوں کے
لیے میں آپ کی مشکور ہوں، فیس ہونے نہ ہونے کا تو معلوم
نہیں ہے لیکن ہاں اتنا ضرور یقین ہے کہ امی ایو یا گھر والوں کے
بعد آپ جیسی پیاری دوستیں ہیں جن کی دعا میں ہمیشہ ہر وقت
میرے ساتھ رہتی ہیں اور بعض اوقات تو اتنی دعا میں، محبتیں اور
غلوں محسوس کرتی ہوں تو آ نکھیں جھپک جاتی ہیں اور میں اللہ کا

شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے اتنے اچھے لوگ مجھے عطا کیے ہیں جو
بن دیکھے بن جانے اس قدر محبت کرتے ہیں، صبح و شام کی دعاؤں
میں یاد رکھتے ہیں۔ حرم کعبہ اور مسجد نبوی جا کر بھی میرے لیے دعا
کرتے ہیں اور یقیناً جانے کہ اس وقت مجھے اللہ کے فضل سے
اپنے نصیب پر شکر آتا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ
اے پروردگار ان مجھ کو سدا سلامت رکھنا کیونکہ مجھ کو زور دل
آجائے تو زندگی صرف دن گزارنے کے لائق رہ جاتی ہے زندہ
رہنے اور زندگی جینے کا لطف اور مزہ ختم ہو جاتا ہے۔

لکھا میں موجاں بن لائی رہیں سوہنیا
چٹکی ہاں کہ مندی ہاں بھائی جاسیں سوہنیا
آقا سے غلاماں دی میں ادنی غلاماں
لو کی کیندے خاص میں تے عالم وچوں وی عام ہاں
عزت ہائی آہائی رہیں سوہنیا

آپ کا دوسرا سوال ہے کہ کیا آپ مزاج کی سخت ہیں؟
مزاج کی سخت ہوں نہیں تھی، چھوٹی عمر میں پورے خاندان
میں غصے کی تیز مشہور تھی، غلط بات پر خاموش رہنا نہیں آتا تھا یہ
معلوم نہیں تھا کہ بعض اوقات ایک ہی بات کو غصے میں کہنے اور نرم
مزاج سے کہنے میں کتنا فرق پڑتا ہے۔ لیکن خیر یہ اسکول لائف کی
باتیں ہیں پھر جسے جیسے بڑے ہوئے تو یہی سمجھ میں آیا کہ غصہ تو ہر
ایک کو آتا ہے لیکن اظہار کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں سو میں
نے خاموشی کو چنا، نظر انداز کر دینے کو چنا شروع شروع میں
میرے لیے یہ مشکل تھا لیکن جب مجھے اپنی خاموشی اور نظر انداز
کرنے کے یہ بد کرداروں کی تلمیذات اور جھوٹا محسوس ہوا تو
بڑا مزہ باز زندگی کے بعض معاملات میں ظاہر ہے کہ کبھی غصا آ جاتا
ہے لیکن میں کوشش کرتی ہوں کہ نظر انداز کرنے کے ہی پالیسی
اپنائوں میں اپنے الفاظ اور وقت ان لوگوں پر ضائع کیوں کروں جو
اس کے سختی کی نہیں، البتہ ایک دو ایسے فرعی لوگ بھی ہیں جن
سے غصے کے وقت لڑنے کا بھی اپنا مزہ ہوتا ہے کیونکہ غصے کا خاتمہ
ہمیشہ مسکراہٹ اور تہمتوں پر ہوتا ہے۔

پیاری حلیہ آپ نے اپنے غلوں اور محبتوں کو بیان کرتے
وقت اپنی چھوٹی سسر شاعر بنی پسندیدگی اور محبت کا بھی بتایا
ہے پڑھ کر خوشی ہوئی۔

پیاری ثنا آپ بھی خوش رہیے آج کل سے وابستہ رہے اور
میری تحریریں پڑھ کر ہمیشہ اپنی قیمتی رائے سے ضرور آگاہ کرتی
رہیے گا۔

سوئٹ جلیبہ عمرے کے دوران میرے لیے استسک دعا کرنے پر میں آپ کی بھی شکر گزار ہوں اللہ آپ کو شادو آباد رکھے

نو حکم سے زنیہ ہماری لکھتی ہیں کہ بھاری قافہ تحریروں کے حوالے سے جتنے سوالات میں نے ترتیب دیے تھے وہ اکثر پوچھے جا چکے ہیں تو سوچا میں آپ سے چند سوالات دشمن سے ہٹ کر پوچھوں، پہلے تو یہ بتائیں کہ اسکول کالج، یونیورسٹی لائف کیسی گزری؟ جو بننا چاہتی تھیں وہ بن پائیں آپ کی شادی کیسے کر کے اور کن حالات میں ہوئی؟

اللہ زنیہ میرا ایک نیک نام بہت ہی شاندار گزارا ہے اگر اب خود سے سب کچھ بتانے لگوں تو شاید مناسب نہ لگے ہو سکتا ہے پڑنے والوں کو محسوس نہ ہو لیکن مجھے وہ اپنے منہ میں مضو بننے والی بات ہی لگے گی لیکن مختصر آریہ بتائی چلوں کہ زمری سے یونیورسٹی تک اپنے پچھڑی آکھوں کا تاریاری رہی، غیر نصابی سرگرمیوں میں سے کوئی ایسی ایکٹیوٹی نہیں تھی جس میں میرا نام سرپرست نہ تھا، پڑھائی میں بھی ہمیشہ اگے ہی اور اب وہ نام یاد آتا ہے تو بہت خوش ہوئی ہے بعد میں ایک مرتبہ اپنے اسکول (حیدرآباد میں) جانے کا اتفاق ہوا اور جس طرح پرنسپل نے ہائی کلاس میں جا کر میرا تعارف کرایا وہ آج بھی یاد ہے تب میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹ بھی اور اپنی ایک دوسری زندگی کے ساتھ ان سے ملنے لگی تھی۔

آج بھی نماز کے بعد اپنے اساتذہ کو ہمیشہ دعائیں یاد کرتی ہوں، جنہوں نے ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا، مثال سب پر سلاتی اور رحمتیں نازل فرمائے۔

آپ کے سوال کا دوسرا حصہ ہے کہ جو بننا چاہتی تھی بنی بننا تو جو چاہتی تھی اس کا وقت ہی نہیں مل پایا کہ دوران تعلیم ہی شادی ہوگئی اور جب شادی ہوئی تب اتنا تنہا نہیں تھا کہ اپنی شادی ہو تو ایک شری لڑکی کو سر جھکا کر بلکہ شرابا کر بتاتے بیٹھے ہوتا چاہیے سوچیں یہی ذہنی دہی کی میرا جوش و خروش دیکھنے والا تھا سب سے اونچی آواز میں ڈف، بھانجا کر گانا گاتے دیکھ کر ”جبری“ امی کو کوئی گئی اور انہوں نے موقع پر پہنچ کر مجھے روکا اور بھجایا کہ یہ شادی آپ کی اپنی ہے اس لیے گانے بجانے کے شوق سے پرہیز رہنا بہتر ہے۔ (بانی آپ اندازہ خود کر لیں)۔

شادی فرسٹ کزن سے ہوئی وہ میری حالہ کے بیٹے ہیں

شادی کے فوراً بعد پھر سے پڑھنے میں مصروف ہوگئی مگر تقریباً سوا سال تک ہی پاکستان رہی اور پھر یہاں آگئی۔

آپ کا اگلا سوال کہ کبھی اپنے رویے پر غماز ہوئی ہو؟

جی ہاں، ایک مرتبہ یونیورسٹی میں ایک لڑکے کو ڈانٹا تھا اور پوری کلاس کے سامنے ڈاس کر کھڑے ہو کر ڈانٹا تھا جس پر اب بھی خیال آتا ہے تو سوچتی ہوں کہ خود کو ایسی ڈانٹا اتنا زیادہ روڈ ہونے کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے بات بھی کوئی خاص نہیں تھی ایک معمولی سا مذاق تھا اس اور اس کے بعد یوازہ دیکھتے ہی سائیڈ پر ہو کر رستہ دیتے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ کو انجوائمنٹ میں پڑتے ہوئے لڑکیوں کو اپنا رویہ اسی طرح کارکھنا چاہیے کہ کوئی بھی لڑکا فضول بات چیت کرنے کا سوچے بھی مت ہاں البتہ اسٹڈیز کے معاملات میں گروپ ڈسکشنز وغیرہ سے بھی انکار نہیں اور وہ ہماری کلاس کے شروع کے دن تھے مگر سب کے ذہن میں ایسا ایجینڈا کہ لڑکیوں کے علاوہ باقی لوگوں میں مجھے روڈی اور پراؤڈ قرار دیا جاتا تھا جو کہ مجھے بالکل برا نہیں لگتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں ان کے لیے ایسی ہی ہوں اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

کوئی قابل فخر تھی؟

بات کیونکہ یونیورسٹی کی چل رہی ہے تو چند اسٹوڈنٹس نے جب اپنے پیچھے سیر کا انتخاب میرے نام لکھا تو فخر تو نہیں لیکن ہاں خوشی ضرور ہوئی گی۔

کوئی دوست جس کو بھلا نہ پائیں ہوں؟

سینٹ یونائٹڈ جیوڈا باد میں صوبہ سلطانہ اور قاطعہ بھی ان دونوں کو بہت مس کرتی ہوں شاید اس لیے بھی کہ ان سے رابطہ ایک دم اور چاک ہی ختم ہو گیا میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طریقے سے ان کا کوئی اتنا چاک کوئی فون نمبر، فیس بک آئی ڈی کچھ مل جائے لیکن کامیابی نہیں ہوئی دعا ہے کہ دونوں جہاں ہوں خوش ہوں۔

زندگی گزارنے کے کوئی تین اصول؟

محبت، عاجزی، شکر گزاری۔

ڈیئر زنیہ، آپ کی بہت ساری محبت اور خوب صورت دعاؤں کا بہت شکریہ۔

رشنا بھول، کراچی سے بہت ساری دعاؤں اور خلوص کے ساتھ جو کچھ پوچھتی ہیں وہ سب تقریباً پہلے پوچھا جا چکا ہے البتہ ڈیئر رشنا آپ کے سوالات کی ایسی لسٹ میں بیج جانے

والے سوالوں کے جواب حاضر خدمت ہیں۔

آپ کو لکھنے سے روک دیا جائے تو؟

پہلے ای ایسے پھر پور حوصلہ افزائی کی پھر سپینڈ نہ کسی روکا نہ ہی لکھنے پر کوئی پابندی لگائی تو اور کون مانی کا حل ہے جو روک سکتا ہے (ہالہاں) اگر لکھنے سے روک دیا جائے تو یقیناً وہ وقت میرے لیے زندگی کا مشکل ترین وقت ہوگا کیونکہ اپنی مرضی سے اگر میں چار چار مہینے بھی نہ لکھوں تو شاید ٹینشن نہ ہو لیکن جب پتا ہو کہ کسی نے لکھنے سے منع کیا ہے پھر تو شاید ایک دن بھی گزارنا مشکل ہو۔

کس لیے لکھتی ہیں؟

اپنی ذہنی طمانیت کے لیے لکھتی ہوں کوشش کرتی ہوں کہ قلم کے ذریعے کسی کی زندگی میں نہ کسی سوچ میں ہی مثبت تبدیلی لانے کا باعث بنو اور جب کہیں کسی خط یا سٹیج کے ذریعے اس بات کا ثبوت ملتا ہے تو خوشی ہوتی ہے۔

جذبول میں استعمال پند کی قائل ہیں یا شدت کی؟

اتفاق کی بات ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ میں استعمال پند رہوں لیکن شدت پند کی ہی حاوی رہتی ہے، میں ہر طرح کے جذبے میں شدت کی قائل ہوں محبت ہوتی ہے جد ہو، بے پناہ ہو، یوں سمجھ لیں کہ کسی سے محبت ہو تو بس آکھوں پر پٹی باندھ کر اس محبت کے پیچھے چلنے والوں میں سے ہوں لیکن اسی طرح خدو کی بات یہ ہے کہ اگر کسی کے رویے یا عمل کے باعث دل میں بال آجائے تو پھر کوئی لاکھ کوشش کرے پہلے جیسی بات میں اپنے لی بیویز میں نہیں لا پائی محاف کرنے میں تھی ہوں محاف کر دیتی ہوں لیکن پھر ساتھ ہی رستہ بھی الگ کر سکتی ہوں کہ دل میں کسی کے لیے محبت باقی نہ رہے تو اداکاری کے طہر پر محبت کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح کسی کے ساتھ دو دن بھی گزارنے ہوں تو خلوص اور محبت سے گزارنے چاہیں جب میں دیکھتی ہوں کہ کوئی آپ کے خلوص کو س یوز کر رہا ہے تو بڑی خاموشی سے وہ رستہ چھوڑ دیتی ہوں جس میں ساتھ چلنے والوں کی وجہ سے ہر وقت ذہنی اذیت کا سامنا رہے۔

زندگی آپ کے لیے؟

اللہ کی طرف سے عطا کردہ حسین ترین تحفہ۔

رشنا آپ کی بے لوث محبت کے لیے بہت بہت شکریہ اللہ آپ کو سلامت و شاد رکھے آمین

عظمیٰ ظہیر، انڈیا سے لکھتی ہیں کہ قافہ آپ اپنی کہنیوں میں ہیرو کے کردار اور اس کی شخصیت کو تفصیل سے بیان نہیں کر سکتیں کیا یہ آپ کی شہوری کوشش ہے، میرا مطلب ہے کہ جس طرح وہ ری سائز ہر کے اٹھے بیٹھے سے لے کر سانس لینے تک کیمان کرتی ہیں۔

ڈیئر عظمیٰ تحریروں کی پسندیدگی کے لیے بہت شکریہ

دراصل میں ہیرو کو شہوری طور پر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر اس لیے پیش نہیں کرتی کہ کم عمر لڑکیاں شخصیت کے انہی پہلوؤں کو ایک آئیڈل کے طور پر اس طرح سجالیتی ہیں کہ پھر حقیقی زندگی میں ملنے والے رشتوں کو لاشہوری طور پر اس سے موازنہ کر کے جانچنے لگتی ہیں۔ خواہش کرنے لگتی ہیں کہ کاش ان کی زندگی میں آئے والا ہیرو وہی ایسا ہو، انہی خوبیوں کا مالک ہو اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ کاش ان کے خوابوں کے ساتھ تھی ہو کر رہ جاتا ہے حسرت چمک جاتی ہے یا پھر کسی بندے میں ان خوابوں کا عکس نظر آنے لگے تو اسے ہی اپنا سب کچھ مان لینے کو بھی تیار رہتی ہیں۔

پتا نہیں کیوں لیکن کچھ بھی لکھتے ہوئے میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ استعمال پند کی رہے البتہ شخصیت کے جن پہلوؤں کو اجاگر کرنا ضروری ہوتا ہے وہاں جدہ کرتی ہوں۔

کہانی لکھتے وقت ذہن میں کیا سوچ ہوتی ہے؟

جتنی باتوں کو کہانی لکھتے وقت اکثر میرے ذہن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ اگر ایویری تحریر پڑھیں گے تو کیا سوچیں گے یا انہیں کیسا محسوس ہوگا، حالانکہ انہوں نے آج تک ”میں گھیاں دا روڈا کوڑا“ کے علاوہ میری کوئی کہانی نہیں پڑھی (کیونکہ وہ ناظر کے علاوہ باقی ہر طرح کی کتابیں پڑھتے ہیں) سو جب بھی میں کچھ ایسا سن لکھ رہی تھی ہوتی ہوں جہاں کردار کی ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ شاید اسے اور اس کے جذبات کو وضاحت سے پیش کیا جائے تو میرے ذہن میں ایو جی کا مسکراتا چہرہ آ جاتا ہے اور پھر کوشش ہوتی ہے کہ اس احتیاط سے لکھوں کہ اگر کسی ورتی گردانی کرتے ہوئے ایو جی کے سامنے میری کسی اسٹوری کا صفحہ کھل جائے تو مجھے شرمندہ نہ ہو اور اللہ کا شکر ہے کہ اب تک اس میں کامیاب ہوں۔

زندگی میں اب تک جو ملا اس سے مطمئن ہیں؟

☆ میرے خیال سے تو کسی لمحے کی ضرورت نہیں ہوتی اللہ تو ہماری شکرگاہ سے زیادہ قریب ہے ہمیں صرف محسوس کرنے کی ضرورت ہے اور عادل سے محسوس کر کے مانگیں وہ بھی ایک یقین کے ساتھ کہ میرا خدا مجھے ضرور نوازے گا (ان شاء اللہ)۔ بے شک وہ دلوں کے مجید و بخوبی جانتا ہے۔

☆ حوا قریشی ملتان

☆ تبدیلی.....؟

تھا ایک چشمہ خاموش سا

سراب دیتا تھا آب کا

ایک نھا دلکش خاموش پرندہ

پیاں کی تاب نہ لاتے

عالم بے خوی میں

لپکاں کی جانب

اسے لائے سرست تھی

آہ..... اسرار جب کھولا اس چشم کا

گر بڑا وہ معصوم ہندو ہرے میں

گھلا اٹھا کر

دلوں کر "پیاں" نے مار ڈالا اسے

کوئی ایسی خام تبدیلی تو نہیں جس نے سرتاپا اس ناچیز کو بدلا ہو یا ایسا ضرور ہے کہ اپنے نئی انتمیات کی چادر کو گھس دو راتار پھینکا ہے اور ان مثبت پیش قدمیوں نے سرگزشت زیست کے باب کو بلاشبہ دلکش اور دلچسپ بنادیا ہے اس نئے پرندے کی طرح اپنی خواہشات کی پیاس کو انتامت پر دھامیں کہہ کر جائیں تو سنبھالنے والا بھی نہ ملے جیسے جیسے ہم عمر اپنی خوشگوار موجوں میں تہیلے لاتی ہیں بالکل اسی طرح ہماری ذات کے نا تجربہ کارانہ اتار چڑھاؤ ایک تیناگ مستقبل کی کلید تھامے خبر کی بلند و بالا ٹہنیوں پر سایہ لگن ہیں (انتافلسفہ مت بھاروڑ کی ایپارن کی مٹی آکھیں بند ہونے لگی ہیں..... بوری سے)۔ شرعی پردے کے عمل میں استقامت کی جڑیں مزید مضبوط ہو گئی ہیں پھر حقیقی حسن تو وہی ہوتا ہے ناں جس کے فرش پر آپ کے ظاہر و باطن دونوں یکساں ہیں بس ایسے ہی قبیلے سے آج کل ہمارا کسرن بھی عین ہوا جاتا ہے۔

☆ خوشگوار کی ہے

ہر وہ ساعت

جس میں "تم" آئے ہو

ہر وہ لقمہ..... جس میں تاثیر تمہارے لفظوں کی ہو
ہر وہ گل ہر وہ ہندو کا حسن منظر
جس میں حسن تمہارا جھلکے ہو
(پارمن کے لیے..... بقول جناب کے)

☆ خوشگوار واقعات تو ہمیں ہاں خوشگوار محسوس کی فہرست پر نظر ڈالی جاسکتی ہے (یہ ایسے لحاظ ہیں جب خوشی و غمی کی ملی جلی کیفیت اکتھے وارد ہوئی ملاحظہ کیجیے)

☆ جب لالہ رو (میری بھانجی) نے اس کائنات میں اپنی تشریف آوری کو ممکن بنایا یوں لگا زین سے پھوٹے بیج کو پھر بننے کی نوید مل گئی۔ جب بیٹ بیٹ بچہ (بائے دی لوج) کا اوارڈ و سمنڈا (ٹوکی تم واقعی قابل ہو گئی ہو یا بس لوگ سمجھتے ہیں کہیں اندر سے کوئی چپکے سے بولا اور ہم نے پلوں کی رخ آب پر آتے گھر (آسو سرست سے جن لیے ابوبکر کے بعد عمر (بھانجا) کا آنا ایک اور ذہن بچے کا صفی ہستی پر اضافہ (کیوں سر جی اٹھک کہا ناں) جب دو یا تین سال بعد شعاع کے ساتھ ساتھ اور خاموشی کو پیاں ملے میں خود کو پایا (نا قابل بیان خوشی)۔ سندس کی رائے ہمیشہ معتبر رہے گی اپنے دل ناؤک کے نہاں خانوں میں ہزاراک اللہ حبیب من۔ مجھے کچھ زیادہ تو اب باتیں آ رہا لیکن اتنا ضرور علم ہے کہ رب سوچنے نے اپنے جذلوں کی سعادت میں صدق اور مقصد کی تکمیل میں لگن اور دائمی محنت کا عنصر رکھا ہے (پھر بعد اظہار شکر حمد میں کیونکر نہ جائیں)۔

☆ ہر اک شے ہر جمہا گئی ہے

ہوا ہے خوشی نہیں دیتی

کل بچو کھلتی نہیں

بچے بچو تھوڑی نہیں ہوتا

گفتگو بچو روایا کا عنصر نہیں

بہار بچو خزاں کے رنگ میں ہے

رخ بچو بدوقت

روشنی ہوئی ہی نہیں

دیکھو جو نور سے

جہاں بھی تیری یاد کے منظر نہیں ہیں

وہاں جا بجا

تیرے کی سائے جاگزیں ہیں.....!

امی جان! (ہر سرست غم کامیابی کے لحاظ میں شدت سے یاتی ہیں)۔

☆ رائز نے نہ صرف مطمئن کیا بلکہ اپنے لفظوں کی ملاحات و حلاوت اور کرداروں کے تغیرات سے پارمن کے حسن میں مزید اضافہ کیا۔ جیسے کوئی لطیف بادل چاند کے ہر گوشہ کو اپنے اندر سولیتا ہے (جزاک اللہ)۔

☆ پارمن حرا جیسی شخصیت بھی تحریروں میں پائی جاسکتی ہے؟ جسٹ ہوگئے سارا جا کلیٹ..... بس رہنمائی کیجیے۔

☆ قدرت اللہ شہاب کی "ماں جی" اشفاق احمد کی "زلیخہ" مستنصر صاحب کی "خار حرا میں ایک رات" یہ وہ کتابیں ہیں جنہوں نے اس ناچیز کم عقل کی ذات پر انکشاف کا ایک ذخیرہ دیا کیا کہ "ابھی تو لکھنے کے معاملے میں اچھے خاصے کہے ہیں آپ کی حرا قریشی"۔ بہر حال یہ رائز ہیں جو آپ کو سکوت کی دنیا سے شہر کی طرف لے جاتے ہیں اور شو بھی ایسا ہوا نگیز اسراروں سے نہ درد و الم کے حقائق واضح کرتا آپ کو کسی جگہ پر لے جاتا ہے جہاں تاہین حیات آپ گزر رہے ہوں گے کہ مستعد ہو جاتے ہیں۔ جزاک اللہ اس لم بزل کا جس نے مجھان کی معلومات سے چند نادر نایاب سیکے تخت کرنے کا موقع فراہم کیا۔ جزاک اللہ اس رب سوچنے کا جس نے فن کی تحریروں کو مری ذات میں مدغم کر کے بجز و انکسار کی جانب راغب کیا۔ جزاک اللہ اس پاک پروردگار کا جس نے ان اعلیٰ پائے کے رائز سے مجھے ملو کر مجھ میں سرے خدا دخل کے اسرار میں ایک نادر یہ قوت بھری جو دنیا سے نکال کر جنت کی طلب را کسلی ہے اور رب سوچنے کی مزید قربت عطا کرتی ہے۔ جزاک اللہ پارمن کا جس کی بدولت مجھے ان مشاہدات کو منظر عام پر لانے کا موقع مل رہا ہے۔

☆ تنقید..... اسے لکھی ویسی ایک کی چار دو کی چھ چھٹی چاہے انکھی کر لیں (جتنا شروع کیا ناں تو آپ اکتا جائیں گے اور ہمیں آپ کے شوق کا بخوبی پتا ہے ہلہلہ)۔ تعریفی کلمات ان لفظوں پر ملتے رہتے ہیں جو اشاعت کے مراحل میں آچکے ہیں۔
☆ کوئی نادر یہ سا نقطہ ہے جو دل و دماغ کی کچی پر عیاں ہونے کا پتا دینے لگا ہے کہ ظہور پذیر ہوگا؟ رب سوچنے سے بہتر کوئی نہیں جانتا اس مری ذات اسی نقطے کے منکشف ہونے کی منتظر ہے۔ جہاں تک احتساب کا تعلق ہے تو اس کے لیے سال کے اختتام کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر اس دن ہر اس لمحے ہوتا ہے جب مجھے اپنی غلطی کا ادراک ہو جاتا ہے سو ان غلطیوں کے تذکرہ کے لیے کوشاں ہیں۔ (رب سوچنا حرا کو نیک ہدایت دے آمین۔ والدہ اکبر ہستی ہیں)۔

☆ مجھے معلوم ہے ابھی میں ان خوش بخت لوگوں سے دور ہوں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے ہیں۔ سہی میں تسکین ہے بقول واصف کے "اللہ کی قربت ہوتا ہے بندے کے قریب ہو جاؤ جو اللہ کے نزدیک ہے" آپ دعاؤں کا دامن حرا کے لیے کشادہ رکھیں۔ ہم ان نجات کی پردہ نشانی کے لیے منتظر فرما ہیں جب کہیں اندر نہایت اندر رب سوچنے کی ذات کا نزول ہوگا۔

☆ سو سو سو.....

تمہیں نئے سال کی نوید ہو

اس کی گھڑیاں سے

تم وہ جو ہر حیات کشید کرو

جو سامان زندگی کا خزانہ تھے

جو تیر کی میں روشنی کا دامن تھے

جو تھکے پھولوں کو شبانی رنگ عطا کرے

جو تھکے ہاروں کو ملی دولا سے کی امید دے

بھولوں کو رزق

بوزخوں کو جولی

لوں ہاں کو بائیں عطا کرے

تم گریہ سب چاہتے ہو

تو صرت پر میرے صرت اپنا رکھو

باہم لکھی تقدیر مل جلا میں گے

روشنی جس کی فلک کو چھوئے گی

اور ہم.....

آسمان کے پار داس لوگوں کو مسکراہٹ دیں گے

کچھ یوں.....

نئے سال کی آہٹ دیں گے

☆ سب جانتے ہیں کہ سورج تمام عالم میں روشنی و حرارت کا منبع ہے لیکن وہ یہ کام نہیں کر سکتا جو شب کی تیرگی میں ایک چھوٹا سا لیپ سر انجام دیتا ہے لہذا امید کا دامن بھی نہ چھوڑیں۔ عروج و زوال کے رنگ سب کے لیے ہیں یا اس سے منسلک لوگوں کے لیے ڈھیر دن دعائیں آپ کی اونی سی توجہ اور دعا کی طلب گار آپ کی اونی سی خاکسار۔

☆ اقصیٰ مریم..... فتح جنگ

☆ 2015ء میں لوکی کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن 2013 میں جب میری بہن جیسی دوست کی وفات ہوئی تھی تو اس واقعہ نے مجھے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔

بار میری کزن نے اس بار مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے رات بارہ بجے برتھ ڈےش کرے گی میری برتھ ڈے 131 کتوبر کو تھی اسے کسی نے 30 کتوبر کو بتایا کہ کتوبر 30 کا ہوتا ہے اور کل یکم نومبر چالو ہونے فوراً سے مجھے ایس ایم ایس کر دیا برتھ ڈے کا اور سوری کے ایس ایم ایس سینڈ کرنا شروع کر دیے کدش ہمیں رات بارہ بجے ڈش نہ کر سکی مجھے معاف کر دو اور چائیں کیا کیا اس کے ایس ایم ایس پڑھ کر آتی تھی پھر میں نے بتایا کہ میری برتھ ڈے تو کل سے وہ بے چاری بہت پچھتائی۔ میں نے اس کے ایس ایم ایس بھی موبائل میں رکھے ہوئے ہیں جب بھی پڑھتی ہوں بہت ہنسی آتی ہے بے چاری مجھے سر پرانز دینے کی چکر میں خود اویں گئی۔

☆ اپنی دوست کی کمی میں ہر لمحہ محسوس کرتی ہوں ہر پرل وہ میری یادوں میں ہوتی ہے۔

☆ اس بار میری مصروفیت کچھ زیادہ تھی اس لیے اتنا نام آچل کو نہیں دے سکی لیکن ایک اسٹوری سے مجھے بہت سبق ملا میرے خیال میں عائشہ نور محمد کی کہانی بھی نام ذہن سے نکل گیا ہے اس میں پیپہ کے کردار سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہے یہ کہانی بہت سبق آموز ہے۔

☆ سیرا شریف طور کے ناول "ٹونا ہوا تانا" میں اتنا کے کردار میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے میں بھی اس کی طرح قصوری بے وقوفی ہوں سب کہتے ہیں پر مجھے نہیں لگتا اہلہا۔

☆ اس سال میں نے عمیرہ احمد کا ناول "سیر کا دل" پڑھا ہے جتنا اس کے بارے میں سنا تھا اس سے بڑھ کر پلایا ہے بہت ہی زبردست ناول ہے ہمیں اسلام کی طرف مائل کرنے والا ناول میرا تو مشورہ ہے کہ جس کسی نے اسے بھی نہیں پڑھا وہ ضرور پڑھے۔

☆ حجاب میں چھوٹی سی بات پر بھی رو پڑتی ہوں تو مجھے گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہیں اور میرے عز وراج کی وجہ سے تعریف کرتے ہیں سب لوگ۔ میں خوش مزاج قسم کی لڑکی ہوں ہر کسی کے ساتھ اچھے موڈ میں بات کرنا کسی سے چھٹکارا نہ کرنا اور ہر ایک کو خوش دیکھنا میری عادت ہے جس کی وجہ سے سب لوگ میری تعریف کرتے ہیں۔

☆ میرے چاچو کو اس سال حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی وہ رہتے بھی بہت زیادہ بیمار تھے جب وہ مکہ مکرمہ گئے تو وہاں پیش آنے والے کریں حادثے نے مجھے اپنے رب کے نور نزدیک کر دیا۔

عائشہ حسین..... گوجرانوالہ
☆ چیخ مگر پازو ہو تو زندگی سنوٹی چلی جانی ہے لیکن اگر نیکلو ہو تو..... پھر اللہ ہی مالک ہے میں ابھی خاصی بے پرواہ لڑکی اور سیانی ہوتی تھی مگر اب میں آس اور پاس کے درمیان لنگ رہی ہوں۔ اپنے مستقبل کا خوف پریشان رکھتا ہے حالانکہ میں پریشان نہیں ہوتا چاہتی (با خدا مجھے کوئی بڑی عورت نہ سمجھا جائے کہ میرے گھر والے میری شادی کر دے ہیں ناں تو سرسرا ہائی بلا جان بھیج رہی ہے) شادی شدہ خواتین اپنے مشوروں سے نواز سکتی ہیں۔ آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہے جس سے کبھی فکر مجھے پہلے والی عائشہ سے مختلف کرنی جاری ہے ویسے آپس کی بات ہے تبدیلی زندگی کا دوسرا نام ہے۔

☆ خوشگوار وقت گزارنے کی زندگی اچھی مصلیٰ میری زندگی تھی رنج کے خوش گوار سارا سو ادبی کونج گیا اب تو (جی) اچھا ایک بتائی ہوں جو کی کوئٹہ پتھر یا میرا معتبر انان (شیر و رمضان میں ایشیوس روزے کو سمجھ کر ہلکی ہلکی باتیں میں نہیں کہنے پڑھوری تھی وہ شیر و چھت بر روی لایا ہوا تھا کھانے کے لیے ایسے انو جناب روزہ تھا اس نے مجھے کہا کہ (آئی توئی کھواتا) آئی توئی کھواتا میں کھاتی تھی پانی نہ چلا کب خود بھی کھانے لگی کھاتی تھی کھاتی گئی روئی ختم ہوئی تو خود بھی پانی پیتی پھر کے لوشہ روئی پلایا بعد میں یاد آیا کہ اس روزہ تھا (جس میں چھوٹی لڑکی) اور میں نے خلی پیٹ روزہ کھا کھا ہوا تھا صبح سات بجے جا کی تھی ناں سحری بدقت جاگ نہیں سکی تھی (اللہ نے روزہ کو پکڑ لیا) بہت ہنسی آتی ہے یاد کر کے اور میں نے کسی کو بتایا بھی نہیں سچا کر (اظہاری کے نام میں چوری چوری ہنسی ہی)۔

☆ 2015ء میں بھی اتنا دھڑا تمام زندگی میں بھی اپنی ایسوں (دوا ہیں ناں) کو ہی مس کروں گی میری دلوں ماما کی وفات ہوئی۔ جہاں ان کے علاوہ ہم اور بیچ کو کس کیا۔

☆ مطمئن تو نہیں ہوں کیونکہ پرانی رازش زیادہ اچھا لکھتی تھیں تو رازش بھی اچھا لکھتی ہیں مگر اب پہلے جیسے بات نہیں خیر ہمت مردان مدد خدا۔ لگے ہوئے ناں آپ لوگ مزید بہتر ہوتا جائے گا (ان شاء اللہ) اب سبق سیکھنے والی ہستیاں تو کوئی اور ہوں گی ہم تو سکھانے والوں میں سے ہیں (جست کدنگ)۔ اب میں بات کی گہرائی میں نہیں جاتی جیسے کوئی بات کہتا ہے اس بات کو ویسے ہی اڈاپٹ کرتی ہوں۔ یاد گہرائی میں جانے سے بھی اپنا نقصان دہ ہے بات کہنے والا اپنی مرضی کی بات کرتا ہے اور یہ یاد

جا فائدہ دو گئی سوچیں سوچنے کا سطحی لوگ سطحی باتیں اور سطحی طلبہ بزرگ جو کہتے تھے کہ ہر بات کی تہہ میں ایک بات ہوتی ہے اور وہ ہی اصل بات ہوتی ہے یہ بات اس دور پر تو اپلائی ہوتی نظر نہیں آتی مجھے۔

☆ میں نے بھی خود کو برون سمجھا اپنی نہیں برون صرف ناولز فلز یا ڈراما میں ہوتی ہیں حقیقت میں تو بس عورت ہوتی ہیں جسے مختلف کردار ملے کرنے کو مل جاتے ہیں (بلا معاضد) بھی ماں کا، بھی بیٹی کا، بھی بیوی اور بھی بہن کا میں باتانی کسی تحریر میں جھلکنے سے بچنے سے۔

☆ بہت سی کتابیں زیر مطالعہ بلکہ زیر محاورہ ہیں ایک تو یارم شہر دل بیکل راجپوتان کی مکملہ لاحاصل میری ذات ذرہ بے نشان بشر مومن آخری معرکہ مقدس اور بھی دھیر ساری کتابیں پڑھی ہیں۔ کس کا کیا تاؤں اور کس کو کچھ پڑوں۔

☆ سماء ابھی سے کھانا بنا سکتا ہوا لگے گھر جا کے اپنا سر رکھاؤ گی۔ کبھی کہتی ہے روئے گا تھما دا شوہر جب روزہ صبح دوپہر شام ریشمیج بدل بدل کے مختلف نام لپٹے پاس سے ہی رکھ کے تم اسے آئیٹ بنا کے کھاؤ گی یا پھر کبھی ہی کر لیا کرؤ تمہاری ٹیڈ کر لائی چاہے اور رات کو سوتے ہوئے بہتی صاب چائنا (بال) کیوں سمجھ رہے ہیں ایسے لیے نہیں ہوں گے ان کو سول ڈال کے باندھا کر روزہ بھی کیا کرنا ہوگی بہت کچھ کیا کیا تاؤں (اپنی بھی عزت ہے)۔ ہاں آخری کتابات ہمیشہ بلکہ اکثر میرے لیے باہر کے لوگ ہی کہا کرتے ہیں پانا تو گھر کے لوگ تو یاد دہ خاسیاں بھی بتاتے ہیں۔ مجھے اسٹریڈ چیلن (جو ہے ہی نہیں مجھ میں) پر اچھی ڈریسنگ چو آس پرنجنگ کے میٹھڈ پرنسٹن سٹنٹو لوتی ہے اور ہاں یاد آنا خوب سوری پڑھی۔

☆ آج کتابوں روشن لائف گزارتے رہا نہیں چلتا کب محرم چلا جاتا ہے ناں رات سونے کے وقت دعا میں پڑھتے ہوئے سامنے دن کے گناہ گار کے معافی مانگتی ہوں اللہ تعالیٰ سے اور جناب اپنی ذات و تہن میں نہ تیرہ میں۔ بہت فکر میں گزارتے ہیں روز و شب بھی تو کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی اپنی ذات۔

☆ اپنی خالہ جان اور ان کی مصلیٰ و کچھ کرے انشاء اللہ کے قرب کی چاہ کی اللہ کا دیسب کچھ ہے مگر کسی بدخواہ کی نظر کھائی جاری ہے خدا سے پناہ مانگی ہوں کہ وہ میرے وقت سے بچتا رہی سنا پ کو مجھے اور ہم سب کو دور رکھے آمین۔

قوة العين کمبوه..... راجہ رام
☆ 2015ء کا سال بلاشبہ بہت بھاری رہا ہے بہت سی یادوں کے انٹ نقوش چھوڑے یہ سال رخصت ہوا ہے بہت سے لوگوں کے اس دنیا سے چلے جانے سے زندگی بہت بدل گئی ہے اور زندگی نے ایک دم بہت بڑا کر دیا ہے مبر کرنا آ گیا ہے ہر چیز پر اور رب کی رضا میں ماضی ہونا سیکھا ہے۔

☆ اس سال کے حوالے سے کوئی خوشگوار واقعہ وہ میں نہیں ہاں مگر فیس یک کے حوالے سے بہت ہی خوشگوار یادیں ہیں ہوا کچھ یوں کہ میں نے اپنی پائی لائن پرفرمانہ ناز ملک کے حوالے سے بہت سی پوسٹ دکھائی ہوئی تھی پھر پروفائل پچھڑ بھی عبداللہ ذلیل اور حفصہ کی لکائی رہی پہلے سال تو سب لوگ مجھ کی رشتہ دار سمجھنے لگے اتنی ریلوئس اسٹے ان باکس سو مجھے ہمیشہ ہنسی آ جاتی تھی اور میں سوچتی ہوں کہ انہیں کیا جواب دوں ایک اور واقعہ یہ ہے کہ میری دوست نے مجھے کھانے پر فوائٹ کیا اور جب میں پچھنی تو سب کھانا مجھے ہی تیار کرنا پڑا کیونکہ اس کے سر پرل والے تھے مجھے اور وہ انہیں ٹائم دینے لگ گئی رات جب بھی یاد آتی ہے تو ضرور ہنسی ہوں۔

☆ اس سال کی دونوں عیدوں پیر سے بھائی ہمارے ساتھ نہیں تھے ایک جاب کی وجہ سے نہیں آ سکے اور دوسرے پیر دن ملک ہونے کی وجہ سے سفید بہت ملاوری رہی۔

☆ سب ہی ناؤز بہت اچھے تھے مگر اقبال بانو کا اسے چشم غم تو نہ چھلک "نے بہت زیادہ متاثر کیا ایک یادگار فسانہ اور امر میج کی کی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

☆ ٹونا ہوا تارا کی اناس میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے۔

☆ کتابیں تو ہر وقت ہی زیر مطالعہ رہتی ہیں اس سال ابو جی خان کی کتاب "پیارنگ لاگا مقدس" بچپن کا دوسرا زندگی راجپوتان کی ملکہ بڑ پوائنٹ اور بھی بے شمار پڑھی ہیں۔

☆ میرے گھر والوں کو ہمیشہ مجھ سے شکایت رہی ہے کہ میں اپنی ہم عمر دوستیں نہیں بناتی میری ساری دوستیں مجھ سے بڑی ہیں اور وہ وہ بچوں کی ماں ہیں اور مالدولت ابھی تیس سال کی بھی نہیں ہوئیں۔ گھر کو بہت اچھے سے سنبھالا ہوا تھا اس پر تعریف سننے کو ملتی ہے۔

☆ 2015ء کے حوالے سے کچھ بھی یاد گا نہیں صرف اتنی تبدیلی آئی ہے کہ میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا اور نئے سال میں خود کو مصروف دیکھی ہوں کہ پڑھائی اور ڈائجسٹ کے علاوہ شادی ہی کوئی سرگرمی ہو۔

☆ فرحانہ ناز ملک کا اس دنیا سے چلے جانا اور اپنے پیچھے بہت سے لوگوں کو رہتا ہوا چھوڑ جانا میں آپس میں بھی بھلا سکتی اور میں اس حادثے کو جب بھی سوچوں تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور میں ایک لفظ بھی نہیں بولی پاتی۔ وہ میری دعاؤں میں ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اللہ ان کے درجات بلند کرے آمین۔

اس طرح دل کے زردا نگوں میں
تیری یادوں کے داغ جلتے ہیں
جیسے ندی میں ٹوٹی قبروں پر
سب سے سب چراغ جلتے ہیں

اجازت..... وقت آپ سب کو سلامت رکھے آمین

ضمیمہ فار..... فتح جنگ

☆ گیا سال 2015 مجھے ایسا زخم دے گیا ہے جس نے مجھ سے میری پیاری امی جان کو چھین لیا 18 نومبر سردرات ہم پر ایک قیامت ٹوٹی جس کی یاد میں زندگی بھر خون کے آنسو رلائی رہے گی۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا ہے کہ امی مر گئی ہے۔ میں کبھی ہسپتال میں ہے اور کبھی کبھی ہوں کہ امی جان ابھی مجھے آنسو دے گی "شہید بننا شہادت ہو گئی ہے تمہارا پر حق قرآن مجید کی تلاوت کرو" کون کہتا ہے موت آئے گی تو مرداؤں کا میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا میری امی کی اخلاقت مہمان نوازی سچائی انصاف داری اور اخلاق کی لوگ تحریف کرتے ہیں نہ ان کی پابندی نہ ان کے پابند ہر مینے دس روز سے کہتی ہیں قرآن پاک کی سورۃ شام تلاوت کرنی پڑتی تھی۔ ہم بہن بھائیوں سے بہت محبت کرتی تھیں جس طرح میری امی نے بڑی بہادری کے ساتھ پہلی کا مقابلہ کیا وہ بھی کیا قابل ذکر ہے

☆ ایسا کوئی خوشگوار واقعہ اس سال نہیں ہوا اس سال نے ہمیں غم دیے ہیں۔

☆ 2015 میری پیاری امی جان اور تانی امال کی کمی کو شہادت سے محسوس کیا تانی امال کی وفات 20 اکتوبر اور امی جان کی وفات 18 نومبر کو ہوئی۔

مرنے والے مر تو جاتے ہیں مگر فنا ہوتے نہیں یہ حقیقت ہے وہ ہم سے جدا ہوتے نہیں

☆ آج کل کی رائے نے ہمیں بہت مطمئن کیا "توٹا ہوا تارا" موسیقی محبت شجر کی پہلی بارش "بہت زبردست سلسلہ وار ناول چل رہے ہیں۔ ان کی تحریروں سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے

بلا وجہ کی پر شک نہ کرے محبت کہ تو اللہ تعالیٰ سے کرے

☆ میرا شریف طور "توٹا ہوا تارا" اور سب اس گل "محبت دل کا سجدہ ہے" کی تحریروں میں اپنی جھلک نظر آتی۔

☆ گزشتہ سال اسلامی کتابیں زیر مطالعہ رہیں ان کتابوں میں سیرت النبی ﷺ "پسند آتی۔

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد علیہ السلام رقم نہ ہوتا یہ ماہ ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح قلم نہ ہوتا

☆ گھر والے خصوصاً امی اور ابو جی رات کو رسالہ (آج کل) پر عموماً تنقید کا سامنا کرتا رہتا ہے۔ گم شدہ چیزوں کو ڈھونڈ لیتی ہوں اور ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آتی ہوں تو تب تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں۔

☆ سال کے آغاز میں بہت شوق چنچل ہوا کرتی تھی لیکن 18

اکتوبر کو امی جان کی موت نے ہماری مسکراہٹ کو غم میں بدل دیا۔ 18 اکتوبر کی رات میری پیاری امی جان کو ہم سے چھین کر چلی گئی۔ گزر گئے وہ رات دن چھڑ گئیں وہ ساتھی۔

مگر یہ کیا کہ دل پر یہ یہ جہاں ثبت ہو گئے

☆ امی جان کی موت نے ہمیں دہلا کر رکھ دیا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے ہماری امی جان دل کے قریب رہتے تھے ہمیں چھوڑ کر جاسکتی ہے امی جان پانچ سال کے عرصہ میں جس بہادری کے ساتھ پہلی کا مقابلہ کرتے کرتے آخر کار پہلی اور موت جیت گئی۔

مجھے اس بات پر بڑی خوشی ہوئی کہ میری امی جان کا آخری دم کل طبع اور کل شہادت پڑھنا نصیب ہوا۔ کل شہادت پڑھ کر اپنی خالق حقیقی سے جا ملی۔ امی جان کی لبوں پر مسکراہٹ تیار ہو گئی ہے کہ ان کا رب ان سے راضی ہے اور انہیں جنت کی خوش خبری سنائی ہے قرآن مجید کی تلاوت اور سورۃ البقرہ کی تلاوت سے اپنے رب کے نزدیک کرو یا اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہنے کا اجر ثواب آخرت کی امید میں صبر کر رہی ہوں۔ دنیا فانی ہے ہم سب کو لوٹ کر امی جگہ پر جانا ہے۔

رخصت ہوا تو باب مری جان لے کر گیا
جو اس کے پاس تھا وہ مجھے دان کر گیا
چھوڑا کچھ اس لہا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا
(بیٹے لے کر کاغذ یہ حصہ ماہنامہ حجاب کے شمارے جنوری میں پڑھیں)



چرخِ خلاء
رفعت سراج

آنکھیں جن کو دیکھ نہ پائیں سپنوں میں بکھرا دینا
جتنے بھی ہیں روپ تمہارے جتنے بھی دکھلا دینا
دل سا گر ہے دل دریا ہے اس دریا کی، اس ساگر کی
ایک ہی لہر کا آنچل تھاے عمر یہ ساری بتا دینا

”اے لو..... پھر چلی گئی کم جنت..... خبر نہیں سرکارا
احسان بھی کیوں کرے ہے اپنی حق اپنے کئے کو بلکہ سر
پر رکھ کرناچ.....“ ہشتن بوا کی نیند بھی بھن کرتے پھروں
سے ٹوٹی تھی۔ اک اک حرف بھڑکتے تنور سے نکلتا تھا۔
”توبہ ہے بوا..... اب تو عادی ہو جانا چاہیے ہر گھنٹے
بعد ایک سی تقریر کرتے آپ گھنٹی نہیں؟“ پیاری نے چار
اور پھلتے گھپ اندھیرے میں اندازے سے سج دان کی
طرف بڑھتے ہوئے گوشت کے عالم میں کہا۔
”اے نہیں تھکتے..... صبح دوپہر شام بولیں گے تو
جنرل ٹھیک ہوگا..... ورنہ کس کو پروا ہے بچہ زود ہے تو
ماں دودھ پلاوے ہے..... مشہود میاں بڑے نیم پیواری
بے پھرتے ہیں اپنے کسی لوٹے لپاڑے کو گھر بھیج کر یہ
موا جزیرا اٹھوائیں کارگیر کیوں گھر آنے لگے ہندی لگی
ہے ٹکڑوں میں..... وہ چین جاپان کی بتیاں بھی جل بجھ
تک مریں.....“ ہشتن بوانے نیکی کے نیچے پایا ہوا ہاتھ
کا پٹکا نکالا اور یوں ہوا کرنے لگیں گویا شعلوں کو ہوا دے
رہی ہوں۔ پیاری اتنی دیر میں سج دان میں لگی بڑی سی شمع
روشن کر چکی تھی۔
مشہود کی کسا آئینٹ جانے والی تھی اسے دن رات کا
ہوش نہیں تھا۔ تین ایمر جسکی لاشیں خراب پڑی تھیں ایک
واش روم کے لیے ریز روڑھی جاتی تھی۔
جب سے ہشتن بوانے واش روم میں موم بتی سے
فلپس ٹیک جلا لیا تھا..... اس دن سے اتنا ڈر گئی تھیں کہ
موم بتی لے جانے سے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانا بہتر

”ارے بیٹا کون ہے؟“ ہشتن بوا کو کسی کل چین نہ
پڑتا تھا۔
”وہ..... دانیال ہیں بوا.....“
”ارے تو بیٹا کواڑ کیوں نہیں کھولتیں..... یہ تو ہمارا اپنا
بچہ ہے۔“ پیاری تو جیسے اشارے کی منتظر تھی۔ جھٹ گیٹ
کا ذیلی گیٹ وا کر دیا۔
”دانیال..... آؤ بیٹا آؤ..... اندھیر مگر چوہ راج
ہے اس دخت تو..... سسل (سنبل) کے پاؤں دھرتا میرا
بچہ.....“ ہشتن بوا کی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔
دور سے آتے ہوئے کسی ہیوی ویٹکل کی ہیڈ لائٹس
لجھ بھڑکی پیاری پر پڑی تھی۔ دانیال نے اس لمحے کو قید کر لیا
ضائع نہیں کیا۔
زرد گلابی احتراج کے جدید تراش کے ملبوس میں
پیاری اسم بائسکی دکھائی دی۔ گھبرائی گھبرائی پلکیں
چمکتی ہوئی۔ دانیال نے قدم اندر رکھا اور پیاری نے
پٹ بند کر دیا۔
”السلام علیکم بوا!“ دانیال نے بوا کی آواز سے سمت کا
تعیین کر لیا تھا۔ کیوں کہ سج اندر لاؤنج میں جل رہی تھی۔
بانی سارا گھر تاریکی کے جم و کرم پر تھا۔
”جیتے رو..... سنا ہے آپ انجینئر ہو..... انجینئر تو
مشینیں ٹھیک کرتے ہیں۔ بیٹا ہمارا جزیرہ تو چالو کر دے اللہ
آپ کا بھلا کرے۔“ پیاری نے گویا اپنا سر پیٹ لیا۔
”بوا یہ وہ انجینئر نہیں ہیں آپ سے بھی کس حد ہے۔“
پیاری انگلی میں غصے کا بھر پور اظہار نہ کر پائی۔
”اچھا اچھا تو پھر یہ وہ انجینئر ہیں جو زمین سے تیل
نکالتے ہیں۔“ بوانے از خود ہی سب کچھ سمجھ لیا اب وہ
اٹھ کر بیٹھ چکی تھیں اور تخت کے نیچے پڑا پاندان بھی اٹھا
لیا تھا۔
”یہ ان تلوں سے تیل نکالتے ہیں جن میں تیل نہیں
ہوتا۔“ پیاری کی حس لطیف انگریزی لے کر جاگ چکی تھی۔
اس نے دانیال کو یوں چھیڑا گویا سچیرہ ہی ہو۔ دانیال
خفیف سے انداز میں مسکرایا مگر اس نے پیاری کی طرف

ابھی تک ایک ارادی نظر بھی نہیں دوڑائی تھی۔
”میں سول انجینئر ہوں بوا جو ریلوے ٹریکس پل اور
بڑی بڑی بلڈنگز بناتے ہیں۔“ دانیال نے ذرا وضاحت
سے جواب دیا۔
”اوئی اتنی بڑی بڑی چیزیں بناتے ہیں آپ.....
یہ مونا چھوٹا سا جزیرہ بنانا بھی سیکھ لیا ہوتا۔ ہمیں کتنی
سہولت ہو جاتی آپ سے۔“ بوا کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔
مشہود میاں تو آج کل ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے
ہیں۔ مار جس کی لگام ہی نہ ہووے..... گھر میں نکلیں تو
گھر کے کام دیکھیں۔“
”آپ کے لیے چائے بناؤں یا ٹھنڈا چلے گا؟“
پیاری نے اب جلدی سے مداخلت کی تاکہ اگلے
پیرا گراف سے بچت ہو جائے اور آنے والے کو احساس
ہو کہ گھر میں بوا کے علاوہ بھی کوئی ہے۔
”تو ٹھیکس..... میں مشہود سے اس کا سیل فون لینے آیا
تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک سیل گھر میں فالتو پڑا ہے۔“
”اوہ تو آپ بھائی کا سیل لینے آئے ہیں.....“
”کل تک کے لیے۔“ دانیال نے فوراً بات کاٹ کر
پیاری کی طرف نظر کے بغیر جواب دیا۔
”اچھو ٹیلی شام کو گن پوائنٹ پر میرا سیل اور والٹ
چھین گیا..... اور مجھے کچھ لوگوں سے سج تک کو بیٹک میں
رہنا ہے۔“
”ارے خدا کی مار لوٹ لیا بچہ کو..... بیٹا پیسے کتنے
تھے؟“ بوانے دہل کر دانیال کے چہرے کے تاثرات
اندھیرے میں دیکھنے کی سعی کی۔
”آج کل پیسے کون جیب میں رکھ کر پھرتا ہے پیسے
زیادہ نہیں تھے ہزار دو ہزار ہوں گے بس۔“
”اللہ کی شان ہے آج کل ہزار دو ہزار بس ہوتے
ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو ہزار دو ہزار کی بڑی سی موٹر
آ جاتی تھی۔“
”تو بوا آپ کا زمانہ بھی تو ہزار دو ہزار سال پہلے کا
ہے۔“ پیاری شرارت سے کہتی ہوئی وہاں سے لاؤنج کی



ملاحظہ فرمائیں اور موثر ترین ہے۔

آنچل * جنوری * ۲۰۱۶ء 46

تک پہنچا۔

مردہ صنعت کو زندہ کرنے کا آرٹ ہاتھ آ گیا تو اس نے ایک ایسی فیکٹری خریدی جس کے کئی تالے زنگ کی وجہ سے تبدیل کیے جا چکے تھے۔ پاکستان اور ہندوستان میں جب جائیدادیں قلم ہوئیں یہ اس وقت کی یادگار تھی بالکان یورپ میں بے ہوئے تھے تو کڑوں کے تھے لگ گئی جن کو اس کی قدر و قیمت کا ادراک ہی نہیں تھا۔ کوڑیوں کے دام بیچنے لکے تو مشہود کے ہاتھ لگی جو اپنی استطاعت کے مطابق کچھ ایسی تلاش کر رہا تھا۔

۶۰۰ گز کے رقبے کے مرکز میں کھڑی یہ یادگار ایک نظر میں یوں دکھائی پڑتی تھی گویا سر جان مارشل نے مومن جو دارو کے ساتھ ساتھ یہاں بھی کھدائی کرا کر بازیافت کی تھی۔

دوسال کی جان تو دشقت کے بعد اب محنت کا پھل ملنا شروع ہو گیا تھا۔ پہلے تو اس نے اس ویرانے میں سبزہ اگانے کا اہتمام کیا تب بعد میں مرض الموت میں مبتلا اس فیکٹری کو آسجین دینا شروع کی تھی۔ ناکامی سے اذہد نفرت اس کی قوت بن گئی تھی نفرت بھی قیامت کی قوت ہوتی ہے اس کے شکستے میں کسا ہوا وجود یوں ہوتا ہے جیسے کسی دیو کی مٹی میں چڑیا یا دوستوں نے جی بھر کر مذاق اڑایا..... خطی باگل کے القاب سے تو ازا مگر اس کے نفل عزم نے معجزہ کر دکھایا تین سال کی مختصر مدت میں اس فیکٹری سے دوسو مزدوروں کا روزگار وابستہ ہو گیا۔

اسی بھاگ دوڑ کے دوران اس کی ملاقات دانیال سے ہوئی تھی وہ ایک رئیس زادہ تھا باپ بانی پاس کرانے U.S گیا تو چند ماہ کے لیے اسے باپ کی سیٹ سنبھالنا پڑی مشہود کی کپنی کو انوسٹر کی تلاش تھی اور اس تلاش نے اسے دانیال کے باپ کمال فاروقی تک پہنچایا تھا کمال فاروقی کے پیر و ن ملک روانہ ہونے کے بعد مشہود کی ملاقاتیں دانیال سے ہونے لگیں۔ دانیال کو مشہود کی شخصیت نے بہت متاثر کیا تھا۔ دوسرے ہم عمری کا عنصر انہیں مختصر عرصے میں ایک دوسرے کے قریب لے آیا۔ دانیال کی

آمد گھر میں ہوئی تو بیسٹن بوانے اپنی وضع داری سے اسے جیت لیا۔ دل جیتنے کے لیے یہاں کوئی اور بھی تھا مگر دوست کی عزت کا پاس ایک اصول کی طرح اس کے ساتھ رہا۔ کبھی جرات دے باقی سے اس ماہ رو کے چہرے کو نظر جھا کر نہیں دیکھا۔ وہ خود بھی کبھی جم کر اس کے سامنے نہیں بیٹھی مشہود کے ہوتے ہوئے بھی گھر جانے کا اتفاق ہوتا تو بس وہ جھلکیاں دکھا دکھا کر ادھر ادھر ہو جاتی تھی۔ البتہ اس کے رنگین آنچلوں کی مہک اسے یوں اپنے حصار میں لے لیتی تھی کہ کئی بار چالان کوٹیا کئی بار باپ کی تریاں لگا کر جان چھڑائی ایک مرتبہ ایک بائیک بھی ہٹ کی سواری کر رہم پٹی بھی کرائی تھانے پولیس سے بچنے کے لیے کچھ اس کے ہاتھ پر بھی رکھا۔ مگر جمال ہے جو مشہود کے گھر میں گھنٹوں بیٹھنے کے باوجود کسی لحاظی بے مردی کا مظاہرہ کیا ہو وہ سامنے نہ آتی ہو تو اسے نظروں ہی نظروں میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہو۔

ہاں کبھی کبھی اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اس نے دیک اینڈ کے کئی گھنٹے مشہود کے گھر گزارنے کا روز کھیلے شطرنج کی بساط بچائی بیسٹن بوانے کی کہانی کر دہ کر سننے کا حوصلہ کیا۔

مگر جمال ہے جو دل کا بید چہرے کے پردے سے جھلکنے دیا ہو جس جگہ بیٹھتا وہیں سے اٹھ کر چلا آتا۔ احتیاط کا یہ عالم کہ کبھی کن انھیوں سے ادھر ادھر نہ دیکھا..... کہ کن انھیوں سے دیکھنا تو دل میں کوئی چور ہونے کا چشم کشا ثبوت ہوتا ہے۔

رات گئے اسے گٹھری بیڈروم میں سی ڈی پلیئر پر نصرت فتح علی کی گائی ہوئی بہت پرانی قوالی کئی بار سننا اس کے معمول کا حصہ بن گیا تھا اکثر وہ اس قوالی کے ایک ایک شعر پر یوں غور کرتا جیسے کسی خلائی گاڑی کی ایجاد کے لیے انوکھن پینٹن کر رہا ہو یا کسی فارمولے میں نئی جمع کی بار بار غلطی ہو رہی ہو۔

سانسوں کی مالا میں آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۶ء 48

سردوں میں پی کا نام اپنے من کی میں جانوں اور پی کے من کی رام

یہ مدھر الفاظ سماعت سے ٹکراتے تو آتش شوق بھڑک اٹھی۔ ایک سوال ابھرتا اتنی خوب صورت باوقار لڑکی اس کے دل میں کیسے جھانک جائے؟ آخر اس کا بھی تو ایک دل ہے جو ان لڑکی کا دل خشک کنواں کبھی نہیں ہوتا مصونی تو دل کے دریا کو سمندر سے بھی گہرا بناتا ہے اور اس عمر میں تو خواب کسی افتاد کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں وہ کیسے خواب دیکھتی ہے؟ وہ کیا سوچتی ہے؟

ان سوالات کے جوابات جاننے کا شوق اسے گاہے لگا ہے اس دروازے پر لے آتا تھا یہ الگ بات یہاں پہنچ کر اس کی حالت یوں ہو جاتی جیسے کوئی اتر پورٹ پہنچ کر اپنا سر پہنے کہ پاسپورٹ تو گھر میں بھول آیا۔ سارے سوالات مشہود کے گھر کے مین گیٹ کے پرے رہ جاتے تھے۔ جمال پر بلال کے سامنے وہ خود کو خالی ہاتھ محسوس کرتا تھا۔

ایک باعفت احیاء و شیرہ کے جلال کے سامنے تو ظیل الہی بھی اپنا جلال بھول جاتے ہیں باعفت عورت کی نگاہ میں قدرت نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ وہ نظر اٹھا کر دیکھ لے تو مرد کا پتہ پائی کر دے۔ اب تک کی ساری زندگی رنگ برنگی ہم عمر لڑکیوں کے درمیان گزری تھی گویا بیکویشن کا سلسلہ یونیورسٹی تک جاری رہا۔ اور وقت نے اسے بہت خوب صورتی سے سمجھا دیا تھا کہ جو عورت کے پھل کی طرح جھولی میں گرنے کو بے تاب ہو فطرت اسے نسوانیت کے منصب سے معذور کر دیتی ہے۔ پھر وہ چاہے بڑھاپے تک بارہ گز کا خیمہ بھی پہن کر دکھائے منصب بجال نہیں ہوتا۔

بس یہی ایک ایسی خوبی تھی جس نے دانیال کو بے بسی کی حد تک دل کا غلام بنادیا تھا۔ اس کو پانے کی تڑپ نے اتنا محتاط کر دیا تھا کہ کھونے کا تصور زندگی کھونے کے مترادف تھا۔

یہ جاننے کے بعد کہ مشہود ایک گھنٹہ لیٹ پہنچے گا دانیال کو اس کی غیر موجودگی میں بیٹھنا مناسب نہ لگا۔ بیسٹن بوانے لاؤڈ لار کبھی لمبی جمایوں میں بدل گئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب میں چلوں گا..... آپ پریشان نہ ہوں کل میں اپنے ڈرائیور کے ساتھ ملکیک کو بیچ دوں گا جزیئر ٹھیک ہو جائے گا۔ مشہود واقعی آج کل بہت بڑی ہے وقت نکالنا اس کے لیے مشکل ہوگا۔“

”جیتے رہو بیٹا اللہ آپ کی مہیا کا کچھ ٹھنڈا رکھے۔ مار گری بھی تو بھی بلا سلمان نازل ہوئی گھر میں چار چارے سی لگے ہیں پھر بھی آگ میں جل رہے ہیں۔ ارے پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔“ بیسٹن بوانے ہاتھ کا پکھا اتنی تیزی سے دانیال بائیں گھمایا جیسے اپنے ہنر کو دکھائی ہوا کر رہی ہوں۔

”اچھا..... اللہ حافظ۔“ دانیال نے بڑے اہتمام سے اللہ حافظ کہا یوں جیسے در پردہ کسی سے سامنے آنے کی درخواست کر رہا ہو درخواست قبول ہوئی پیاری شمع دان کے قریب کھڑی ہوئی۔

”بھائی آ جاتے تو میں کھانا لگا دیتی آپ ایسے ہی جارہے ہیں اچھا نہیں لگتا۔“ پیاری نے آداب میزبانی نبانے کی کوشش کی۔

اور دانیال اچھا برا سوچنے لگا شاید اسے بھی کچھ اچھا لگتا ہے تب ہی تو کچھ اچھا بھی نہیں لگتا۔

”کوئی بات نہیں پھر سہی۔“ یہ کہتے ہوئے وہ گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شمع دان کے قریب کھڑی پیاری کے چہرے پر شوق کی کانپتی لو کے سنہرے سائے بہت چاہ سے دیکھنے کی تڑپ دل میں چھپائے

اٹھ کر تو آگئے ہیں تیری محفل سے مگر یہ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں پیاری چند لمحے خاموش کھڑی رہی دانیال کے قدموں کی چاپ محدود ہوئی گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز

آنجل ❀ جنوری ❀ ۲۰۱۶ء 49

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

انچل نوائے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ و پُر فرائیڈ کہانیاں

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ، امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

6000 روپے (الگ الگ منگوانے پر)

میدل ایسٹ ایشیائی، یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

5500 روپے (الگ الگ منگوانے پر)

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام

ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسبرک پیج: عید عید اللہ بادل، روڈ کراچی۔

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

لے کر گئیں تو مجھے ساتھ لے کر کیوں نہیں گئیں؟“ کمال فاروقی نے اخبار نکال کر پھاڑا۔

”وہ واردات کرنے گئیں تھیں چوروں کی طرح بتا کر کیسے جاتیں؟ مگر میں بھی ہار نہیں مانوں گی، دانیال کی شادی رشتہ اسی سے ہوگی چاہے مجھے کچھ کرنا پڑے اپنی خوشی کی کتنی بڑی قیمت دینا پڑے آپ کے سامنے بیٹھ کر ایسی لالچو کر رہی ہیں جو ہم سے نہیں ہوتی“ اپنے بڑے پن کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔ آپ کی ہوگی بہن، میری تو آستین کا سانپ ہیں۔“ اتنا کہہ کر سعدیہ پیر پختی اندر چلی گئی تھیں۔

”اللہ بچائے عورتوں کی سیاست سے۔“ کمال فاروقی نے گویا زچ ہو کر اپنے کان چھو لیے۔ آخر اس بے چارے عالی جاہ کی شادی بھی تو نہیں نہ کہیں کرنا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
بہشتیوں بوا کو شوگر فیکٹری بے پچاس تیس سال ہو گئے تھے۔ اب تو معمولی بد پریمی فیکٹری کی پیداوار میں آنا فانا اضافہ کر رہی تھی۔ ذرا کی ذرا ہاتھوں میں آ جاتی تھیں۔ مشہور چوٹیں کھینے کے لیے کسی کونشن میں شرکت کے لیے دوڑی گیا تھا اور بہشتیوں بوانے بڑوں سے آئی ٹیکنی کی مٹھائی کھا کر اپنے گھر میں کڑوے کھانے کا تقریباً پورا بندوبست کر لیا تھا۔ ڈاکٹر کب سے کہہ رہا تھا کہ انسولین لینا شروع کر دیں ورنہ خطرہ ہے کہ ایک نہ ہو جائے، مگر وہ تو انسولین کا نام سن کر کالوں کو ہاتھ لگاتی تھیں۔

”اپنے ہاتھوں اپنے ہی تن کو سوئی سے چھید لیں؟ اے بھٹا..... جتنی چاہی بھری ہے پتلی اتنی دیر ہی تاپے گی۔“

مشہور نے بہت سمجھایا کہ بوا اچھی طرح تاج لیں بغیر انسولین تو لنگڑے کا فرض ہوگا مگر بوانہ مائیں۔ اور آج وہی ہوا جس کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ بیماری اپنے کمرے سے نکل کر پکن کی طرف جاری تھی اسے بآدے سے عجیب سی غراہٹ سنائی دی پہلے تو یہی خیال آیا کہ شاید کسی کو نے میں کسی بلی کی وجہ سے غرا

ہے پھر وہ اپنے چہیتے عالی جاہ کا رشتہ کیوں لے کر چلی گئیں؟ دراصل مٹائی کی تہیجے کا حق مارتے ہوئے۔“ سعدیہ نے اب پھپھو لے پھوڑنے شروع کر دیے۔
”ارے ہم نے کون سا بچی رسید کرائی تھی۔ جو کلیم کریں عالی جاہ بھی اپنا بچہ ہے۔“ کمال فاروقی نے یوں کہا جیسے اسن مذاکرات کی کمیٹی کا چیئرمین پریس کو بریفنگ دے رہا ہو۔

”آپ نے تو نکاح نامے میں لکھوایا تھا کہ ہر بات میں مجھ سے الٹ چلیں گے۔ بہن سات کل بھی کر دے گی تو معصوم رہے گی میری سیدھی سی بات میں بھی جرائم تلاش کیے جائیں گے۔ آپ ابھی مانو آپا کو فون کریں ورنہ میں تو یہ شادی نہیں ہونے دوں گی۔ پوری ہسٹری بتا دوں گی عالی جاہ کی۔ کیڈٹ کالج سے Spel ہوا تھا۔ پیرس انر پورٹ سے ڈی پورٹ کیا گیا تھا۔ تین سال سائیکالٹریسٹ کے پاس جاتا رہا اس کی ایک گرل فرینڈ اپنی شادی والے دن سوٹ کیس اٹھا کر مانو آپا کے گھر آ گئی تھی اور.....“

”بس.....“ کمال فاروقی نے ایک دم ہاتھ فضاء میں بند کر کے سعدیہ کو اسٹاپ کیا۔

”عالی جاہ میرا سا بھانجا ہے میرے سامنے اسے ذلیل کر رہی ہو ارے دنیا میں کیا ایک ہی لڑکی رہ گئی ہے اگر دانیال کی شادی رشتہ سے نہیں ہوگی تو کیا قیامت آجائے گی؟ تم کوئی اور لڑکی دیکھ لو دے بھی عالی جاہ دانیال سے عمر میں بڑا ہے پہلے اس کا حق بنتا ہے۔“ کمال فاروقی بھانجے کی اتنی بانگ دہل بے عزتی برداشت نہ کر سکے بری طرح برس پڑے۔

”مانو آپا ضد میں رشتہ مانتے گئی ہیں انہیں پتہ تھا کہ میں رشتہ کو دانیال کے لیے پسند کرتی ہوں۔“

”تو کیوں ضد دلانی ہو ان کو وہ بڑی ہیں تو انہیں بڑا مانو ہر شخص اپنی جگہ پر رہے تو مسئلہ نہیں ہوتا تمہیں تو پہلے دن سے وہ ہتھی تھی۔ میری بڑی بہن ہیں میں ان سے نہیں الجھ سکتا۔ بلکہ میں تو ان سے پوچھوں گا کہ رشتہ

سماعت پذیر ہوئی۔ بیماری نے کھل کر سانس لیا اور بہشتیوں بوا سے مخاطب ہوئی۔
”بوا..... اندر جا کر سو جائیں لائٹ بس آنے ہی والی ہے۔“

”اے بیٹیوں کہا کرو کہ بس آ کر جانے والی ہے۔ ایسے تیرک کی طرح تکی بانٹ رہے ہیں مانو ہماری سات پشیموں پر احسان کر رہے ہیں۔“ بہشتیوں بوا نیند سے بے حال ہو کر شعور کی دنیا میں الوداعی کلمات ادا کر رہی تھیں۔ بیماری مزید گویا ہوئی پھر اس طرف دیکھنے لگی جہاں کسی کے نقش قدم یوں چمک رہے تھے جیسے صحرا کی رات میں آسمان پر ستارے۔

○ ○ ○ ○ ○
”دیکھا آپ نے مانو آپا نے کیا حرکت کی؟“ سعدیہ نے صبح کا تنازعہ اخبار پڑھتے ہوئے اپنے شوہر کمال فاروقی پر غضب ناک نظر ڈال کر کہا۔
”تم کیوں ان کی حرکتوں پر نظر رکھتی ہو اپنے کام سے کام رکھا کرو۔“ کمال فاروقی نے نیگم پر ایک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی اور اخبار کا صفحہ پلٹنے لگے۔

”میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں اخبار ایک طرف رکھ کر بات کریں۔“ سعدیہ پھٹ پڑیں۔

”میں ایک انتہائی اہم خبر کا بقیہ دھونڈ رہا ہوں تم اپنی بات جاری رکھو میرے کان کھلے ہوئے ہیں۔“ یہ کہہ کر کمال فاروقی نے بقیہ کی فہرست پر نظر تیس دوڑانا شروع کر دیں۔

”میں بھی ایک خبر ہی سن رہی ہوں۔ اس اخبار میں قتل و عداوت گری کی خبروں کے علاوہ بھی کچھ ہے؟“ سعدیہ نے چڑ کر شوہر کی بے نیازی پر اپنا سر پیٹا۔

”سناؤ سناؤ یہ خبروں کا ہی وقت ہے۔“ کمال فاروقی نے بقیہ پڑھتے ہوئے کہا۔

”آپ سے ایک مرتبہ نہیں دس مرتبہ میں نے رشتہ کا ذکر کیا ہے ناں دانیال اور رشتہ کی جوڑی بہت تنجے گی۔ کب سے اس پر میری نظر ہے نا تو آپا کبھی اچھی طرح پتہ

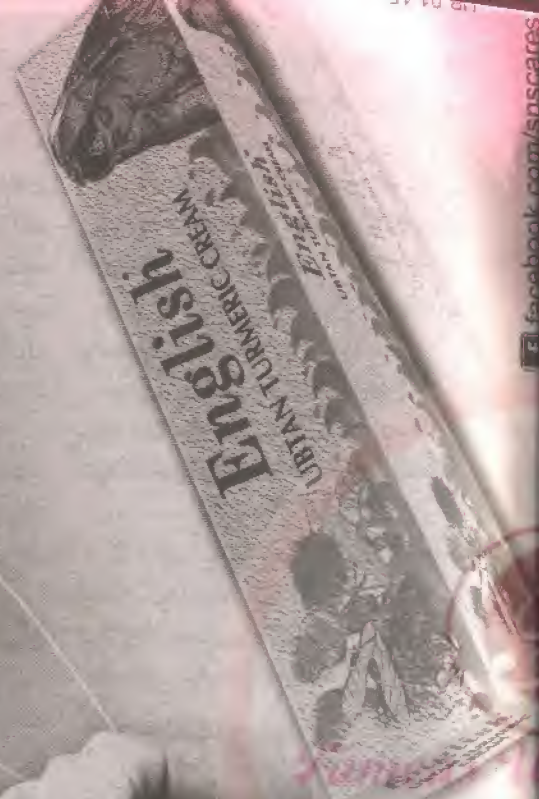
رہی ہے پھر بھی اس نے ایک نگاہ دیکھ لیا ضروری خیال کیا۔ اور پھر وہ منظر دیکھا کہ ہاتھوں کے چڑیا طوطے کبوتر، فاختا، مین، مینا سب اڑ گئیں۔
 بوا آدمی اپنے تخت طاؤس سے لگی ہوئی تھیں یعنی آدھا سر تخت پر اور آدھا فرش پر آکھیں پٹ کھلی ہوئی، حلق سے غراہٹ کی آواز پیاری کے منہ سے ایک بے ساختہ چیخ بلند ہوئی ایسی چیخ جس کی شنوائی کو گھر میں کوئی موجود نہ تھا بوا کی حالت دیکھ کر پریشانی سے زیادہ خوف کی کیفیت طاری تھی پہلے تو اس نے بلا سوچے سمجھے بوا کو ٹھیک سے تخت پر لٹانے کی کوشش کی مگر حال یہ تھا گویا بھو سے لہرے ٹرک کو جس کے چار ٹائرول کی ہوائ لگی ہوئی ہو موٹر پائیک سے کھینچنے کی سعی کی جائے وہ اتنی حواس باختہ ہو چکی تھی کہ آؤ دیکھانے مشہود کو فون کر دیا جو کنوینشن میں شرکت کے لیے ہوئے سے نکل رہا تھا۔

”اچھا پریشان مت ہو..... میں گھر پر کسی کو بھیجتا ہوں ایوبو لنس کے ساتھ۔“ اتنی دور بیٹھ کر یہی حل نکالا جاسکتا تھا۔
 پیاری کسی کے انتظار میں بیٹھ کر بڑی لاچاری وبے بسی سے بے ہوش بوا کو تنگنے لگی۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت ہو گزرا تو کانوں میں ایوبو لنس کی آواز آئی اور کسی نے کال بتل بھی رنگ کی۔

گیت چلتے ہی دانیال کے ساتھ دونوں جوانوں نے اندر قدم رکھا تھا۔ دانیال کو سامنے دیکھ کر پیاری ذہنی طور پر یوں مطمئن ہو گئی جیسے میلے میں بچھڑا بچہ اپنے سر پرستوں کے پاس بخیر و عافیت پہنچ گیا ہو۔
 جب مشہود نے کہا کہ وہ کسی کو بھیجتا ہے تو اس کے دل نے فوراً قیاس آرائی شروع کر دی تھی کہ مشہود کا حال تو یہ ہے کسی کا نام لوں لب پہ تہا رانا مان آئے کیونکہ وہ دانیال پر اندھا اعتبار کرتا تھا۔
 بوا کو ایوبو لنس میں لٹانے کے بعد وہ کھڑے کھڑے پیاری کے پاس آیا۔
 ”آپ ساتھ چلیں گی؟ ویسے آپ کو چلنا چاہیے ایسے

”بات یہ ہے مانو آپ میں آپ کو گھر بلا کر بات نہیں کر سکتا تھا سعدیہ کی موجودگی میں سوائے تو تو میں میں کے کچھ ہاتھ نہ آتا۔“
 ”آخر معاملہ کیا ہے مجھ سے کھل کر بات کرو۔“
 سعدیہ نے زمین آسمان ایک کرنے کا سلسلہ دراز کیا تو کمال فاروقی اپنی بڑی بہن میمونہ عرف مانو آما کے پاس چلے آئے۔ وہ اپنی سمجھدار اور بہت محتاط زندگی گزارنے والی بہن سے حقائق جاننا چاہتے تھے جن کے بارے میں ان کا دل کہتا تھا وہ ہمیشہ جذبات کو کنٹرول میں رکھ کر کام کرتی ہیں۔
 ”بات صرف اتنی ہے کمال عالی جاہ نے اپنے منہ

انچل جنوری ۲۰۱۶ء 52



بہن کی تصویر

سے رشتا کے لیے رشتہ لے جانے کے لیے کہا اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ رشتا بھی ایسا کچھ چاہتی ہے۔ اب خود ہی بتاؤ میں سب کچھ جان کر کیا خاموش بیٹھی رہتی۔ عالی جاہ کی پسند اس کی کزن بیوی بن جاتی تو سوچو دونوں بھائیوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے فاصلے پیدا نہیں ہو جاتے؟ دانیال کو تو رشتا میں کوئی وجہ نہیں اس نے تو شاید آج تک رشتا کو ٹھیک سے دیکھا تک نہیں بس سعدیہ نے اپنے گھر میں بیٹھ کر آپ ہی تیل کی آپ ہی مٹی کی کرنی اور پھر شور شرابا بھی شروع کر دیا۔ ”ماؤ آپا نے سبکے بھائی کے سامنے سارے حقائق من و عن رکھ دیے۔

”اوہ..... اگر عالی جاہ اور رشتا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو آپ کا فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔ دانیال کا تو کوئی حساب کتاب ہی نہیں بنتا۔“ کمال فاروقی نے سچائی کو فوراً ہضم کر لیا اور ہر تصدیق مثبت کر دی۔

”میں نے سعدیہ کی وجہ سے تم سے صلہ مشورہ نہیں کیا“ ورنہ میں تمہیں بتا دیتا۔ بغیر رشتہ لے کر چلی جاتی؟ لے دے کے ایک ہی بھائی تو سامنے ہے باقی دو تو پرانے دیس جا کر پرانے ہی ہو گئے۔“ ماؤ آپا نے اپنی کوتاہی کی وجوہات بھی بیان کر دیں بھائی کے دل میں میل آنے کا ہر دروازہ بند کرنا ضروری خیال تھا۔

”کوئی بات نہیں ماؤ آپا..... مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں آپ جو کام کرتی ہیں بہت سوچ سمجھ کر کرتی ہیں۔“ کمال فاروقی نے بہت احترام سے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں مطمئن کیا۔

”جیتے رہو..... اللہ تمہیں اپنے گھر میں ہر طرح کا سکھ چین دے بس سعدیہ کے سامنے ذکر نہ کرنا کہ رشتا بھی عالی جاہ کو پسند کرتی ہے پرائی پچی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا۔ ویسے تو وہ بہت نیک شریف بچی ہے۔ عالی جاہ سے کبھی اسکیے میں نہیں ملی نہ راتوں کو اسے ٹیلی فون پر لے کر میٹھی ہے۔ بس اس کے اٹھنے بیٹھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس رشتے سے خوش

ہے۔“ ماؤ آپا نے ہونے والی بہو کی عزت و توقیر کی نیت سے کچھ کلمات ادا کرنا ضروری سمجھا کہ جو کسی کو اپنی عزت بناتا ہے تو پہلے خود اس کو عزت دیتا ہے۔

”بے فکر رہیں آپ کو تو پتہ ہی ہے بولنے کے لیے اپنی باری کا انتظار ہی کرتا رہتا ہوں۔“ کمال فاروقی کے لفظوں میں لطیف سچا طنز پوشیدہ تھا۔

ماؤ آپا مسکرائیں پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی شفقت و پیار سے کمال فاروقی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”وہ اپنی عقل سمجھ کے مطابق زندگی گزار رہی ہے تم اپنے اوسان سنبھالو..... اس میں بھی سکون ہے۔“ بہن کا پیش انداز شدید جس میں ہلکی ٹھنڈی پھوار جیسا تھا۔

”ڈاکٹر کہہ رہے ہیں ایک دو دن تو اندر آ کر روئیں رکھنا ہوگا۔“ پیاری کے ہاسٹل پہنچتے ہی دانیال نے اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا۔

”دو دن..... پھر گھر پر کون رہے گا آج کل تو حالات بھی ایسے ہیں کہ.....“

”آپ فکر نہ کریں میں دو دن آپ کے گھر رک جاؤں گا۔“ دانیال نے ایک نظر پیاری پر ڈال کر تکیے دیئے میں بڑی جلدی کی تھی۔ ابھی ابھی مترددی کیفیت میں پلٹیں جبکہ کالی پیاری اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ جی چاہا بس دیکھتا ہی رہے۔ مگر بہت سی اخلاقی حدود و حدود اس کے احساسات کو ذخیرہ سے باندھ کر رکھتی تھیں۔

”دو دن کی بات نہیں ہے آج نہیں تو کل دن میں مشہود بھائی واپس آ جائیں گے آپ بھی یہاں ہوں گی اور بوا بھی مشہود کا خیال کون رکھے گا؟ سنا ہے اسے تو سینڈوچ بنانا بھی نہیں آتا۔“ دانیال نے ایک اڑتی پڑتی نظر پیاری پر ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”ان کا اپنا کام اتنا سخت ہے کہ میں نے انہیں گھر کا کام بھی کرنے ہی نہیں دیا۔“ پیاری نے بھائی کے تصور میں کھوکھو بہت محبت سے کہا۔

”بس اب آپ مشہود کی شادی جلدی سے کر دیں بوا

اب قابل نہیں رہیں آپ چلی گئیں تو مشہود کو بہت مسئلہ ہوگا۔ نوکروں پر گھر نہیں چھوڑے جاسکتے جس گھر میں صرف نوکروں وہاں ٹیپلٹی بلز بہت آتے ہیں۔ ٹی وی اور اسے ہی کے بغیر تو کوکر رہتے ہی نہیں ہیں۔“ دانیال کو اس تنہائی میں اس سے بات کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا اس کے اوپر ہلے ہی چاند سورج کو گرہن لگ جائیں گے۔ روشنی کے برقی لگتی ہے؟

”میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔“ پیاری نے بلا سوچے سمجھے بھائی کی محبت میں ڈوب کر کہا۔ دانیال نے پھر کن انہیں اس کی طرف دیکھا۔

”جب تک فائل کارروائی نہیں ہو جاتی سب بہنیں یہی کہتی ہیں۔ کچھ عرصے بعد پھر بھائیوں سے کہتی ہیں بچوں کی چھٹیاں ہوں گی تب آنے کی کوشش کروں گی۔ اگر ان کو وقت نہ ملا تو اگلے سال آنے کی کوشش کرتی ہوں۔“ دانیال کی رگ ظرافت چھڑکی اس نے پیچھے چھاڑ دیا یہ نہری موع گوننا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ پیاری کے چہرے پر پیاری پیاری گلایاں گھر گئیں۔

”میں ڈاکٹر سے پتہ کر کے آئی ہوں۔ بوا کب تک ہوش میں آ جائیں گی۔“ سانسوں کی روہم سے روح کو رنگ پہناتی وہ ہلکے بادل کی طرح پلک جھپکتے وہاں سے غائب ہوئی۔

اور وہ گہری سانس لے کر چپکے فرش کو یوں گھورنے لگا گویا بوندا باندی کے بعد گیلی زمین کو دیکھ کر سوچ رہا ہو کہ بس پھوار پڑی بارش اب بھی نہیں ہوئی۔

”دانیال لڑکا ہے لڑکی نہیں ہے جو تم اس کی شادی کے حتمی فیصلے کرتی پھر رہی ہو تم نے بھی اس ٹاپک پر اس سے بات بھی کی ہے۔ اس زمانے میں شادی کے فیصلے ماں باپ نہیں کرتے۔ بچے خود فیصلے لیتے ہیں اور انعام کرتے ہیں۔“ کمال فاروقی نے آج بڑے سخت لہجے میں سعدیہ سے بات کی تاکہ اس روز کی کل کل کا منطقی انجام ہو۔

”میرے بیٹے میں یہ گلس نہیں ہیں۔“ سعدیہ نے بلا کے اعتماد سے جواب دیا۔

”تمہارے بیٹے میں نہیں ہیں کسی لڑکی میں تو ہو سکتے ہیں۔ وہ اسے شادی کی آخر کر سکتی ہے۔ یہ آج کل ہر جا ہے۔ لڑکا ہر لحاظ سے اچھا ہو تو لڑکیاں خود اس کے پیچھے لگ جاتی ہیں۔“ کمال فاروقی نے ٹھوس دلیل کے ساتھ جواب دیا۔

”ایسی لڑکی کے ساتھ میں اپنے بیٹے کی شادی کروں گی؟ وہ تو پہلے ہی دن میرے بیٹے کو مجھ سے دور کر دے گی۔“ سعدیہ نے بر جھکی سے جواب دیا۔

”الہذا ماؤرن لک بٹا کر جب تم ایسی دقیقہ نوسی باتیں کرتی ہو تو جان جلتی ہے میری اس منافقت پر والدین بچوں کا گھر اس لیے بساتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی خوشیوں کے ساتھ گزاریں۔ شادی ہر انسان کا پرسنل میٹر ہوتا ہے خواہ اولاد ہو یا نہ ہو تمہارے بیٹے کو شاید تم سے دور نہ کرے مگر تمہاری یہ ڈیکلیریشن ایک دن تمہیں تنہا کر دے گی۔“ کمال فاروقی نے اٹھ کر اب اپنے لیپ ٹاپ کا پلگ لگایا۔ وہ دلائل مکمل کر چکے تھے۔ اب مزید کچھ کہنے کے موڑ میں نہیں تھے۔

”سیدھے سیدھے یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ نے ماؤ آپا کا ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔“ سعدیہ نے چیخ کر کہا اور ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل فون کی طرف گھورنے لگیں۔ ایک ٹیکسٹ میج ٹائپ کرنے بیٹھی تھیں مگر ابھی تک تین لفظ ہی ٹائپ کر پائی تھیں۔ اب تو سب کچھ ذہن سے ہی نکل گیا تھا کہ وہ کیا لکھنے کہنے کے لیے بیٹھی تھیں۔

”اصولی بات ہے وہ رشتہ دے چکی ہیں بات نیت سے پرکینیکل پراپٹی ہے اگر عالی جاہ کی شادی رشتا کے ساتھ ہوئی تو ماؤ آپا کے ساتھ میرا مینا ختم ہو جائے گا۔ وہ صرف ضد بازی میں یہ سب کچھ کر رہی ہیں۔“

”تمہیں اپنے بارے میں ہر طرح کے فیصلے کا اختیار ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم ماؤ آپا کو متنبی تارچہ دینے کے بجائے ان سے ہر طرح کا کو میکیٹ ہی

ختم کر دو ہر طرف سکون ہو جائے گا۔“ کمال فاروقی نے جتنی دلوں کو انداز میں یوں بات کی کہ اب سعد یہ بولنے کا یارا نہ نہیں تھا۔

☆☆☆.....

لوشیڈنگ کے ہاتھی کا پاؤں شہر کے سینے پر تھا۔ شہر کراہ رہا تھا کچھ گھروں میں یو پی ایس سے آئینجن کی سلائی جاری تھی اور کام بلا روکاٹ انجام پا رہے تھے۔ کچھ گھروں میں نصب جزیئر ماحول کی آلودگی میں اضافہ کرنے کا فریضہ انجام دینے کے لیے فوراً ہی تیار ہو چکے تھے۔ اعصاب شکن آوازیں کام سے پہلے انسانوں کو تھکا مار رہی تھیں۔

روشنیوں سے نہائے دہائی سے جب مشہود نے نام نہاد عروس البلاد میں قدم رکھا تو یوں لگا..... گویا روشن دن کو ساون کے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ دیا ہو اندھیرے راستوں سے گزر کر جب ہاسپٹل پہنچا تو قدرے طمانیت کا احساس ہوا۔ ہیوی ڈیوٹی جزیئر کی درندے کی طرح غیر اہل تھا۔ مگر ہاسپٹل میں بھر پور روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ سامنے ہی اسے دانیال مل گیا۔ جو یوں تپاک سے گلے ملا گویا سالوں بعد ملاقات ہوئی ہو۔

”کیسی طبیعت ہے بوا کی پیاری کہاں ہے؟“ دو سوال ایک ساتھ کرنے کے بعد اس نے چہار اطراف نظر پھری دوڑائی۔

”دو گھنٹے پہلے ہوش آ گیا تھا۔ پیاری انہی کے پاس ہے۔“ دانیال نے جواب دیا۔

”تمینک گاؤ..... تم چاہو تو اب گھر جا کر آرام کر سکتے ہو تمہارے لیے لفظ شکر یہ بہت چھوٹا ہے کچھ بڑا کرنے کا سوچتے ہیں۔“ مشہود نے دانیال کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تشکرانہ لہجے سے دانیال کی عزت افزائی کی۔

”وزیر اعظم بنانے کا تو ہرگز نہ سوچنا..... اس ملک میں تو اس کی کرسی بٹی رہتی ہے۔ صدر بھی بننا نہیں چاہتا“ ڈکٹیشن لے لے کر پور ہو جاؤں گا۔ میرے لیے کوئی ریاست فتح کرو اور مجھے وہاں کا بادشاہ بنا دو۔ دو چار ایٹم بم

ضرور رکھوادینا انہی طاقت کے بغیر تو بادشاہت میں بھی طاقت نہیں۔“ دانیال نے کہا اور ہنستے ہوئے مشہود کو گلے سے لگایا۔

”تم جیسے سینئر دوست کے لیے اس سے بھی زیادہ کچھ ہونا چاہیے۔“ مشہود نے بھی دانیال کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے کہا۔

دانیال کے تمام حسین خواب آنکھوں کے جھروکوں سے باہر سانس روک کر کھڑے ہو گئے..... وہ اپنے اخلاص کو ترازو میں تولنے لگا۔ سارے سودے سے پیاری کو الگ کرنا پڑا کاٹنا خود خود متوازن ہو گیا۔ جبکہ ایک کاٹنا دل میں ترازو ہو گیا۔

.....

”آخر تمہارے اس دوست میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں؟ گھر کا کوئی ہوش ہے نہیں؟“ دانیال نے گھر میں قدم رکھا اور سعدیہ نے دیکھتے ہی چڑھائی کر دی۔

”مئی کوئی شوق میں ہاسپٹل میں نہیں بیٹھتا۔“ پویشش ہی ایسی تھی میں گھر نہیں آ سکتا تھا۔ آپ کو فون تو کرتا رہا ہوں۔ پھر اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں پایا کا غصہ مجھ پر اتنا جا رہا ہو۔“ دانیال نے صوفے پر گرے ہوئے بہت غور سے ماں کا چہرہ دیکھا پھر تھکے تھکے انداز میں پاؤں سے شوز اتارنے لگا۔

”میں ماں ہوں..... بچہ گھر سے باہر ہوتا سودھڑ کے لگے رہتے ہیں۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ اولاد کیا شے ہوتی ہے کل کو باپ بنو گے تو پتہ چلے گا۔“

”میں اتنی ابیرجی میں باپ بننا نہیں چاہتا۔ میں نے ابھی شادی پلان نہیں کی آپ باپ بننے کی بات کر رہی ہیں۔“ دانیال نے ماں کا موڈ ٹھیک کرنے کی نیت سے چھیڑ چھاؤ شروع کر دی۔

”شادی پلاننگ سے نہیں ہوتی۔ یہ تو بس قسمت سے ہوتی ہے میرا بس چلے تو آج ہی تمہاری شادی کروں۔“ سعدیہ کے موڈ پر خاطر خواہ اثر دکھائی نہ دیا۔

”کیا ہو گیا ہے مئی..... آپ اتنی جلدی میں کیوں ہیں؟ آج شادی کل بچے پرسوں کیا کرنا ہے یہ بھی جلدی سے بتادیں۔“ دانیال نے شوشی سے مسکرا کر پوچھا۔

”ارے بس چھوڑو یہاں تو سارے ارمان ہی لوگوں نے ٹھنڈے کر دیے۔ پانچ سال سے رشنا پر میری نظر تھی مگر تمہاری پھوپھی نے سینے میں چھپا کر نہ پٹ آخر کار نکال ہی دیا۔“ دکھ کی شدت یا ناکامی کی ذلت نے سعدیہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک پیدا کر دی تھی۔

”یہ رشنا کون ہے؟ اور آپ اس پر نظر کیوں رکھتی تھیں۔ کیا اسے شاپ لفٹنگ کی عادت ہے؟ ایسے لوگوں سے بچنا چاہیے مئی سنا ہے یہ لوگ سانیکو ہوتے ہیں۔ لیکن اس کیس میں آپ مانو پھوپھو کیوں انوالو کر رہی ہیں۔“

”دشمن ہے وہ تمہاری پھوپھی نہیں ہے اپنے ٹکے بیٹے کا رشتہ لے کر بیچ لیں ایسے لڑکے کو تو دھوبی گھاٹ میں رشتہ نہ ملے تمہیں تو پتہ ہے ناں عالی جاہ کے بارے میں؟“

”نہیں میں نے آج تک اس کی سی وی نہیں دیکھی۔“ دانیال نے کمال سادگی سے جج بول دیا۔ سعدیہ نے غصہ بنا کر نگاہوں سے اسے گھورا۔

”اس کی سی وی میں کیا دھرا ہے ناں شیخیاں مارتی ہے کہ میرا بیٹا کاروں کا ڈیلر ہے ہر چار بیٹے بعد کار بدلتا ہے دکھ لیتا ایک دن کار چوری کا مقدمہ بنے گا اس پر وہ سائیکل چمچر کی دکان تو کھول سکتا ہے کاروں کا برنس نہیں سنبھال سکتا۔“ سعدیہ تو آنا نا کف اڑانے لگیں۔ دانیال حیران پریشان ماں کی شکل دیکھنے لگا۔

”مئی بے چارے عالی جاہ نے آپ کا کیا لگاڑا ہے کیوں بد دعائیں دے رہی ہیں؟“

”میں نے رشنا تمہارے لیے پسند کی تھی اور تمہاری پھوپھی کو یہ بات پتہ تھی اس کے باوجود وہ عالی جاہ کا رشتہ لے کر بیچ رہی ہیں۔“

”میرے لیے رشنا پسند کی تھی مگر کیوں؟ میں کسی کو منہ بولی بہن نہیں بنا سکتا۔ سگی بہن ہی ٹھیک رہتی ہے۔ اب اللہ نے نہیں دی تو کوئی بات نہیں۔ مگر ارا کر لیں

گے آپ ٹینس نہ ہوں۔“ دانیال اندر سے پہلے شاکڈ ہوا پھر اس نے لمبی بات بات زیادہ بہتر سمجھا۔ بات سیریس تو تب ہوئی جب اس کا رشتہ رشنا کے لیے لے جانے کی بات ہوئی وہ تو تہہ دل سے مانو پھوپھو کا شکر گزار ہوا جنہوں نے اسے عظیم ذہنی مشقت سے بچایا تھا۔ ماں بیٹے کے رشتے میں دراڑیں پڑتے پڑتے رہ گئیں۔ یہ سب مانو پھوپھو کے کریڈٹ پر تھا۔

”میں ذرا ریست کر لوں پھر عالی جاہ کو مبارک باد دینے جاؤں گا۔“ وہ جان کر انجان بن رہا تھا۔ اسی میں بچت تھی۔

”خبردار جو تم مانو پا کے گھر گئے۔“

”میں عالی جاہ کے شوروم چلا جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔“

”میں سیریس ہوں دانیال مجھ سے مذاق مت کرو۔ اب ہمارا ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔“ سعدیہ نے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا۔

”مئی اتنا ہی قوی قتل ہونے کی ضرورت نہیں میں تو پھوپھو کا شکر یہ ادا کرنے کی ضرورت جاؤں گا۔“

”دشمن بات کا شکر یہ؟“ سعدیہ تو جیسے ہونق سی ہو گئیں۔

”مئی کہ انہوں نے مجھے رشنا سے بچالیا۔ میرے لیے تو وہ کلینا کی بھٹی ہوئی بدروح جیسی ہے وہ عالی جاہ ہی کو مبارک ہو۔“ یہ کہہ کر دانیال اب رکا نہیں بلکہ سر پر پاؤں رکھ کر اپنے ہیڈ روم کی طرف بھاگا۔

سعدیہ تو اپنی جگہ یوں بیٹھی تھیں جیسے کوئی جبر لگا گیا ہو سنگٹل ہی اسٹاپ ہو گئے ہوں۔

.....

”بوا آپ نے تو خوب دوڑیں لگوا دیں اگر آپ قیامت تک سوئی رہ جاتیں تو ہم اپنی پیاری سی خالہ کو یہ پیاری پیاری شکلیں کیسے دکھاتے؟“ مشہود بوا سے مذاق کر رہا تھا۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں جنت میں حلوائی فرشتے

بھی ضرور ہوں گے۔ بھاشانی اور ڈھاکہ سوئیٹ کو بھول جائیں گی وہاں جا کر..... ذرا صبر سے کام لیں گرم گرم حلوہ پوری کا ناشتہ کرنا گرم گلاب جامن.....

”اسٹاپ.....“ اچانک پشت سے پیاری کی آواز سماعت سے غرائی۔

”جنت میں کوئی چیز گرم نہیں ملے گی ساری آگ تو دوزخ میں لگی ہوئی ہوگی۔“ پیاری بڑے اٹھائے سامنے آگئی وہ بوا کے لیے سوپ بنا کر لائی تھی۔

”اوئی مار کیا جنت دوزخ لگائی ہوئی ہے تو بہ کر بچوں تو بہ دوزخ کا تو نام بھی نہیں لیتا چاہیے ہر وقت دعا پڑھتی چاہیے۔ اھم اجر من النار۔“ بوا تو ایسی گھبرائیں کہ ٹھنڈے سے وجود میں زندگی کی حرارت یوں دوڑنے لگی گویا منگلا ڈیم سے کنکشن جوڑ دیا گیا ہو۔

کہاں کہاں تو گھنڈہ بھر سے اے ہائے کئے جاری تھیں کہاں خود ہی اٹھ کر بیٹھ گئیں اور بے اختیاری کیفیت میں سوپ کا پیالہ تھانے کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔ مشہود کا قبضہ بہت بے ساختہ تھا۔ بڑھا چاموت سے قریب تر ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے اور بڑھا پے ہی میں موت کا لفظ سن کر زیادہ گھبراہٹ ہوئی ہے۔ پیاری نے بہت احتیاط سے بڑے بوا کے سامنے رکھی اور شرارت سے بوا کی طرف دیکھ کر مشہود سے مخاطب ہوئی۔

”بھائی وہ آپ کے دوست ہیں ناں ایس بی حیدر خان ان کے ہاں سے آج چار پونڈ کا فریش کریم ایک آیا ہے ان کی کوئی مکمل ہوئی ہے اس خوشی میں منٹھانی کے بجائے ایک بانٹ رہے ہیں۔ آپ کے لیے لے آؤں؟“

”میں فریش ہو کر فریش کریم ایک کھاؤں گا۔ ایسا کرو بوا کو کھلا دو۔“ یہ سن کر بوا کے سینے میں عجیب سی آہل پھل ہوئی حرکات و سکنات سے بے قراری، ٹھٹکی پھر فوراً ہی خود کو سنہال کر جڑ بڑی ہو کر بولی۔

”ارے ہم نہیں کھاتے پولیس والوں کا مال۔“

”ارے بوا سب پولیس والے رشتہ خیز نہیں ہوتے“

کچھ ایمان دار بھی ہوتے ہیں۔ ”مشہود نے بوا کے لب دلچسپ سے حظ اٹھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

”ارے ایمان داری میں کوٹھیاں نہیں بنتیں یہ سب اوپر کی کمائی ہوئی ہے۔“ بوا نے سڑکی آواز سے سوپ حلق سے نیچے اتار کر اور بہت جل بھن کر کہا۔

”ایسی بات نہیں ہے بوا بڑے بڑے زمیندار اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتے ہیں ان کا کوئی بچہ ڈی سی بن جاتا ہے کوئی پولیس افسر دولت کی کمی نہیں ہوتی بس شوق میں سرکاری نوکریاں کرتے ہیں۔“

”ارے ہٹاؤ..... ہم نے بھی یہ جوڑا دھوپ میں سفید نہیں کیا اللہ بخشے ہمارے چھوٹا کووہ پولیس تھے۔“

”آپ کا مطلب ہے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔“ مشہود نے لقمہ دیا۔

”ارے ہاں وہی..... ہٹاؤ ارے سے پہلے کی بات بتا رہے ہیں آپ کو میاں گرم سالہ کتھڑوں میں دھرا ہوتا تھا اتنا بچہ گھر کے کپڑے مارتے مارتے پھوپھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔“

”اتنا بچہ گھر.....؟“ پیاری نے مشہود کی طرف دیکھا۔

”Means pantry“ مشہود نے وضاحت کی۔

”تو پھوپھی کیڑے کیوں مارتی تھیں۔ گھر کے باقی کام شاید نوکر کرتے ہوں گے۔“

”بیٹا..... دو دو سال کے لیے چاول دھرے ہوتے تھے۔ پرانے باستی کی بات ہی اور ہوتی ہے۔“

”بھئی کے بیٹے تھے پھوپھا..... تو کہاں سے آتا تھا یہ سب کچھ پھوپھی کہتی تھیں ہم تو نہیں لیتے لوگ خود ہی تھے دے جاتے ہیں جب جب لھلھل تیار ہوتی ہے ہمارے ابا نے تو بھی بہن کے گھر میں نوالہ نہیں توڑا۔ بہت متقی پرہیزگار تھے اللہ مغفرت کرے۔“ یہ کہہ کر بوا نے جلدی جلدی سوپ پینا شروع کر دیا۔

”سن لو پیاری اگر تم نے کسی پولیس افسر سے شادی کی تو میں تمہارے گھر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ کان کھول

کر سن لو۔“

”تو ہے بھائی۔“ پیاری کا چہرہ گلگلوں ہونے لگا۔

”اے خوب یاد دلایا ارے بیٹا..... بہنا کے ہاتھ پیلے کر ڈمارا ہم سے نہیں ہوتی چونکی داری جوان جہان لڑکی کا کب تک پہرہ دیں گے آج گھر میں نظر آ رہے ہو خیر ہے تو یہ بات کر رہے ہیں۔ صبح سے رات تک مار بھاگے پھرتے ہوئے لگا ڈوبی ہوئی ہے یا قیامت سر پر کھڑی ہے۔“

”آپ اچھا سارشتہ دیکھ لیں کرویتے ہیں شادی کوئی مسئلہ نہیں۔“ پیاری خود کو موضوع بننا دیکھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

”رشتہ دیکھنے کی خوب کہی ارے دانیال ہیرے جیسا بچہ ہے اس کی طرف کیوں نہیں دیکھتے۔ ایسا نیک بچہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔“

”اف.....“ پیاری کے دل کی دنیا تہہ دھالا ہونے لگی۔ یوں لگا گویا بوا کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

..... یہ کیا.....؟

”دانیال.....؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بوا.....“ مشہود کی آواز میں گہری تنجید کی کاس تھا۔

”یہ کیا بولے میاں؟ انجان اور غیر کو کہاں چھانٹے پھر اس کے آپ؟ دیکھا بھالا ہے خاندانی ہے نیک ہے شریف ہے۔“

”مگر وہ میرا دوست ہے میں دوست کو رشتہ داری میں بدلنے کا قائل نہیں ہوں البتہ اس سے یہ ضرور کہوں گا کہ وہ پیاری کے لیے کوئی اچھی جیملی کالا کاٹتا ہے۔“

”کیا ہو گیا ہے میاں.....؟ رشتے ناتے جان پہچان والوں ہی میں کیے جاتے ہیں؟“ بوا تو پھوپھی کی رہ گئیں۔ دانیال پر نظر پڑتے ہی کیسے کیسے حسین خیال آتے تھے مشہود نے تو یوں بلا تکلف اختلاف کیا گویا وہ تو ایسا کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا اور یہ کہ جیسے بوا نے کوئی بات محیر اعقل بات کی ہو پیاری کا ایک اپنے بیڑوم کے دروازے کے ہینڈل پر تھا ہینڈل کی دھائی ٹھنڈک ایک

دم جلتا تو این مچی۔

خواب جلتے ہیں تو دوزخ کی آگ بھڑکتی ہے جس کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں جو صرف ان آنکھوں کو نظر آتے ہیں جو خواب بننے کا طفلانہ جرم کرتی ہیں۔

.....

سعدیہ تو ابھی تک دم گھٹیں یا تو کسی نے غبارے میں چن چھو کر ساری ہوا ہی نکال دی تھی۔ قیامت کی نیریت تھی وہ تو کمال کے سامنے یہ سب دہرائی نہیں سکتی تھیں۔ دیواروں کے علاوہ کوئی نہ تھا جس سے اپنی چننا بیان کرتیں۔ جس بیٹے کی سعادت مندی کی تعریف میں وہ رطب اللسان راتی تھیں وہ تو گویا زبان ہی کاٹ کر چلا گیا۔ شوہر اور نند کے سامنے محرم رکھنا دو بھر نظر آ رہا تھا۔

”نہیں..... نہیں میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں کہ اولاد کے سامنے ہتھیار ڈال دوں اس کا تو باپ بھی کرے گا۔“ لاجول ولاقو وہ کیا اول نول سوچنے لگیں۔ انہوں نے خود پر نفرن بھیجی اسی لیے کہتے ہیں حد سے زیادہ جذبات بھی لے ڈوبتے ہیں مگر..... میں اب آرام سے نہیں بیٹھوں گی رشتانی میری، بہو بن گئی۔ انہوں نے عزم میم سے خود اپنے تئیں نسلی کا اہتمام کیا اور بس اس کے ساتھ ہی شریانوں میں برق سی دوڑنے لگی۔

برق بھی وہ جوا شیاؤں کو تاتی ہے۔

.....

مشہود میاں تو اپنی ہی کہہ گئے مار نہ بولنے سے پہلے تولانہ بعد کو سوچا..... دو راتیں آنکھوں میں کٹ گئیں۔ مجھ بڑھیا کا کیا بھر دس آج مری کل دوسرا دن..... جوان بہن کو چہرہ دیں گے یارونی روزی کو بھاگے پھریں گے۔ بیٹھیں بوا..... از حد نظرات میں گہری بظاہر خود کلامی میں بتلا تھیں مخاطب پیاری ہی تھی جوان تمام بقی خیالات کو دل جمعی سے سن تو سکتی تھی مگر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتی تھی اگرچہ رواں رواں اشک بار تھا اور اس اشک باری میں لوز شیدنگ کا بھر پور تعاون حاصل تھا۔

سمجھ دار ماؤں کا انتخاب

S Shield Baby Diapers
NEW

Feels like cloth, dryer for longer
Wetness Indicator

Available in: Small - Medium - Large
(Regular, Baby Patch & Super Baby Patch)

Call Free: 0800-BABYS(22297)

کے پیچھے بڑ جانا تھا۔ جو منہ میں آتا کہہ سکتی تھیں یوں بھی ماں کو اس لڑکی میں سارے جہان کے عیب نظر آتے ہیں جو اس کے خیال میں اس کے بیٹے کو اس سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے۔

”مئی..... ابھی فرصت ہی کہاں ہے کہ شادی وادی کے بارے میں سوچا جائے۔“ دانیال کو بلا آ خر مناسب جواب سوچھ گیا۔

”شادی فرصت سے نہیں ہوتی، قسمت سے ہوتی ہے اور قسمت کو شش کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔“ سعدیہ نے تو ہار نہ ماننے کی قسم کھائی تھی۔ ہر بات کا جواب یوں تیار تھا مگر وہ پہلے سے اسکرپٹ لکھا گیا ہو۔

”مئی میں بہت تھک گیا ہوں..... بس آپ سے پھر وہی بات کہوں گا جو آج دن میں کہی تھی..... رشنا..... عالی جاہ کو مبارک ہو..... میں تو اسے بھائی بنا کر بہت خوش محسوس کروں گا۔ خواہ ساری زندگی میری شادی نہ ہو۔ اگر آپ نے مجھے زیادہ پریشتر انداز کیا تو میں اسے ابھی سے بھائی ماں کہنا شروع کر دوں گا۔“ دانیال کے لہجے میں کمال بیزاری کے ساتھ دھمکی کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

”لگاؤں کی ایک پکڑ کر۔“

”لگاؤں.....“ دانیال اب نیچے براؤنڈھا کر گیا۔

”یہ تو تم جانتے ہو ناں میں اگر کچھ ٹھان لوں تو پیچھے نہیں ہٹتی اور جبردار جو آئندہ تم نے یہ بھائی ماں کا لفظ منہ سے نکالا۔“

”کیوں..... کیا وہ میری منکوحہ ہے۔ بھائی ماں کہنے سے نکاح ختم ہو جائے گا۔ پھر فتوے لے کر دوبارہ کرنا پڑے گا؟ مفت میں منٹائی کا خرچہ ہوگا۔“ دانیال نے ماحول کی تنجیدگی کو دھونس کی طرح اڑانے کی کوشش کی۔

”شادی تو تمہاری ہر حال میں رشتا ہے ہی ہوگی۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں خود کشی کی دھمکی نہیں دوں گی بلکہ بلال کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امریکہ چلی جاؤں گی۔ ساری زندگی میری صورت کو ترسو گے۔“ سعدیہ نے بہت ہی خوف ناک دھمکی دی۔

”آپ بلال بھائی سے رشنا کی شادی کراویں۔“ دانیال کو باب خند میں بول رہا تھا۔

”اس نے اگر امریکن سے شادی نہ کی ہوتی تو یہی کرتی۔ مگر وہ اس شادی سے وہاں اسٹبل ہو گیا ہے۔ سٹیزن شپ مل گئی ہے۔ اس نے فائدے کا سودا کیا ہے جب چاہے پیرنٹس کو بھی بلا سکتا ہے۔ میں اس شادی سے خوش ہوں۔“ سعدیہ نے اظہار اطمینان کہا۔

”دوسری شادی لوکل سے کراویں..... اللہ نے اتنا دیا ہے ان کی چار بیویاں بڑے سے گھر میں آرام سے چھین چھپائی کھیل سکتی ہیں۔“ دانیال ہنوز اونڈھا پڑا تھا۔ سیدھا ہوتا تو شاید سعدیہ ایک جڑی دیتیں۔

”میں تمہارے باپ کو بھی تمہارے پیچھے لگاتی ہوں۔ ورنہ پھر امریکا کا ویزہ لگواتی ہوں۔ ایسی اولاد کے ساتھ زندگی گزارنے کا کیا فائدہ جسے ماں کا خیال ہی نہ ہو۔“ سعدیہ نے نیند کی وادی میں قدم رکھنے والے دانیال کو گھورتے ہوئے دھمکی پر کارروائی کا اہتمام کیا۔

○.....○.....○

رات کے ستر گہرے ہو رہے تھے۔ ہر فرد نیند کی وادیوں کی طرف محو سفر تھا۔ بے شمار تھکی ماندی روچیں ان سروں کے تعاقب میں چل پڑی تھیں مگر دل پر پھرے بٹھانے والوں نے سماعتوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ رات کے ستر ان سے اتنے ہی دور تھے جتنا ان کا محبوب.....

○.....○.....○

پجاری بیہوش ہوا کے تخت پر دراز پورے چاند کی چاندنی میں آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ پورے چاند کے سامنے وہی آنکھیں بند کرتا ہے جسے بند آنکھوں سے اپنا محبوب چاند کی طرح روشن دکھائی دے رہا ہو۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا اس شعر کے مصداق وہ ہرگز تنہا نہیں تھی..... وہ دانیال کو ہاتھ بڑھا کر چھو سکتی تھی مگر حیا مان تھی۔

وہ شادی نہیں کرے گی، کچھ بھی بات بناوے گی مگر منافقت کی زندگی ہرگز نہیں گزارے گی۔

چند روز قبل دانیال مشہود کے پاس سنبھلے منانے آیا تھا۔ دونوں نے شینس بھی کھلی، شطرنج بھی امداد تاش کے 52 پتوں کی بھی درگت بنائی۔ وہ مختلف موضوعات پر باتیں بھی کر رہے تھے۔ دلچسپ جملے بازی بھی چل رہی تھی، پیاری سانسے نہیں مگر سارا وجود تو خود ہی ساعت بنا ہوا تھا۔ دانیال کی آواز گھر میں گونج رہی تھی۔ لگتا تھا گھر میں چراغاں ہو رہا ہے۔

کھانے کے برتن سمیٹتے ہوئے پیاری نے سنا وہ کسی کلاس فیلو کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

”یار زویا نے آخر کار اپنے پیرش کی پسند سے شادی کر لی۔ ہادی تو آج تک ڈپریشن میں ہے سنا ہے سائیکو ہو گیا ہے۔“ دانیال کہہ رہا تھا۔

”اسٹوڈنٹ زویا اس وقت اپنے شوہر کے دو بچوں کی ماں بن چکی ہے۔“ مشہود نے ملامت کے انداز میں کہا۔

”ویسے یار..... اسے سمجھانا چاہئے زویا کے بچوں کا روحانی باپ تو وہی ہے شاید یہ سن کر اس کی بیٹری پھر سے چارج ہو جائے۔ یہ بھی تو ایک آرزو ہے۔“ اس کے ساتھ ہی دونوں کے زبردست قہقہے بلند ہوئے تھے۔

”ویسے پارکسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کامیاب عاشق ابو جان نام کام عاشق ماموں جان اب تم جا کر ہادی کو بتاؤ کہ وہ ماموں بن گیا ہے۔“ دانیال نے کہا، دونوں پھر ہنسنے لگے تھے۔

”یہ لڑکیاں بھی بڑی منافق اور ڈرامے باز ہوتی ہیں۔“ ماموں بناتے دیر نہیں لگا تھیں۔ مشہود نے ہنسنے اپنی ہنسی روک کر کہا۔

”ماموں بنانا کوئی ان سے سیکھے۔“ دانیال نے برجستہ کہا۔

”ویسے پاپا پس کی بات ہے اگر تم خدا خواستہ ناکام عاشق بنے تو کیا کرو گے؟“ مشہود نے بڑے پیار بھرے شریر لہجے میں سوال کیا۔

”ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ ماموں نہیں بنوں گا۔“ دانیال کے انداز میں شوخی، شرارت، برجستگی سب ہی کچھ تھا۔

”اے بیٹا..... ماموں تو نصیب والے بنتے ہیں۔ پر آپ کی کوئی بہن ہی نہیں جو اللہ کی مرضی.....“ وہ دانیال سے مخاطب تھیں جس نے ماموں بننے سے انکار کیا تھا۔ بیشتن بوا کی نیند ٹوٹی لفظ ماموں سن کر ہی انہوں نے نشست سنبھال لی تھی۔ اس کے جواب میں دانیال اور مشہود کے زبردست قہقہے بلند ہوئے تھے۔

پیاری نے آنکھیں کھول کر پورے چاند کو دکھا۔ منافق لڑکیاں..... دانیال نے اسے سوچ دی تھی خوف دیا تھا۔ محتاط کیا تھا۔ چاند میں دانیال کا چہرہ تھا، چاندنی گویا اس کی نظر کا نور تھا، جس کے ہالے میں اس کی روح منور ہو رہی تھی۔

○.....○ معمول کے مطابق وہ فجر کی پہلی اذان پر ہی اٹھ گئی تھی لیکن آج طبیعت میں وہ تازگی نہیں لگتی تھی جیسا کہ کھلتے روح پر پھوار کی طرح برستی محسوس ہوتی تھی۔ ہاتھ پاؤں ہلانا یوں لگ رہا تھا گویا اس سے جبری مشقت لی جا رہی ہو پھر بھی وہ اٹھ گئی۔ باہر برآمدے میں نظر پڑی بوا اپنی تہجد کے بعد تسبیحات میں مصروف تھیں۔ بڑا سا ملل کا دوپٹہ لپیٹے ہوئے مغرب کی طرف منہ کیے یوں مل رہی تھیں جیسے فرشتے جھولا جھلارہے ہوں۔

سر مرا فبے کے انداز میں جھکا ہوا اور آنکھیں بند تھیں۔ استغراق کا وہ عالم تھا کہ پیاری کے قدموں کی چاپ سے کوئی تغیر واقع نہ ہوا۔ پیاری نے وضو کر کے نماز ادا کی دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو چاند ہاتھوں کے پیالے میں اتر آیا۔ اس نے لاشعوری طور پر چاند کی تمنا ہی تو کی تھی۔

(ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



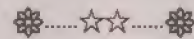
سرا کی محبت
راحت وفا

مجھ سے بچھڑ گیا جو گئے سال کی طرح
اس کا بھی حال ہوگا میرے حال کی طرح
آیا نہیں وہ رہ گئے رستے سجے ہوئے
یہ سال بھی گزر گیا ہر سال کی طرح

گزشتہ قسط کا خلاصہ

معید صاحب برین ایمبرج کی وجہ سے انتقال کر جاتے ہیں اور ان سے کینیڈا کی پولیس کا تارچہ برداشت نہیں ہو پاتا، معید صاحب کی بیوی عارض کو فون پر یہ خبر سناتی ہیں۔ عارض معید صاحب کی موت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتا ہے اور صفر کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اگر آغا جی بروقت کینیڈا چلے جاتے تو معاملات بہتر ہو سکتے تھے۔ شرمین جاب کے لیے مختلف کمپنی میں انٹرویو دے کر گھر پہنچتی ہے تو سامنے کا منظر اس کو ششدر کر دیتا ہے۔ صبح احمد کے پیچھے ہوئے ڈبے سے چیزیں فرش پر پٹھری ہوتی ہیں شرمین کا ایک بار پھر ذہن بچھلی باتوں میں الجھ جاتا ہے۔ اذان کو صبح احمد کی بھیجی ہوئی چیز دیکھ کر دکھ ہوتا ہے اور اس کا اظہار وہ شرمین سے کرتے ہوئے چیزیں واپس بھیج احمد کو بھیجنے کو کہتا ہے۔ آغا جی کو ہوش آ جاتا ہے اور ہوش میں آتے ہی وہ عارض سے اپنا موبائل مانگتے ہیں تاکہ وہ شجر معید صاحب کی خیریت معلوم کر سکیں۔ زیبا صفر کو خلع کا نوٹس بھیج کر اشتعال کا شکار کر دیتی ہے صفر غصہ میں عارض کو نوٹس دکھا کر زیبا سے چھٹکارے کا کہتا ہے جس پر عارض اس کو سمجھانے کے ساتھ خود بات کرنے کی ہامی بھرتا ہے۔ صفر اب مطمئن ہے کہ اس طرح زیبا کی غلط بیانی سامنے آ جائے گی۔ شرمین آغا جی کو دیکھنے اسپتال آتی ہے جس پر آغا جی کو خوشی ہوتی ہے اور وقتی طور پر وہ عارض کو بھول کر شرمین کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور باتوں کے درمیان آغا جی شرمین کو سبنا کا بتا کر حیران کر دیتے ہیں۔ عارض شرمین کو دیکھ کر اپنے دل میں ایک بار پھر اس کے لیے محبت کے جذبات محسوس کرتا ہے لیکن درمیان میں حائل اپنے الفاظ اور ان سے کہیں زیادہ اذان کا وجود اس کے ہاتھ میں حائل ہو جاتا ہے وہ صفر کو اذان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو کہتا ہے جبکہ صفر اب اپنی ابھمن میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ محبت میں ایک بار پھر شرمین کا دل موم ہو رہا ہوتا ہے وہ صبح احمد کی یاد میں پھسل رہی ہوتی ہے اسے صبح احمد کے ساتھ گزرے لمحات یاد آ رہے ہوتے ہیں اس لیے وہ اذان کا بھی زیادہ خیال رکھ رہی ہوتی ہے۔ جبکہ اب اذان کی پھوپھو (کشف) اذان کو تلاش کر رہی ہوتی ہیں اور ایک ملاقات میں کشف شرمین سے اس کا ذکر بھی کرتی ہے۔ عارض زیبا سے بات کرنے کے لیے اس کے گھر آتا ہے لیکن زیبا سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ دوسری طرف صفر بے چینی سے عارض کا انتظار کرتا ہے صفر کو بھی زیبا سے محبت ہو گئی ہوتی ہے اور زیبا کے گناہ کو نظر انداز کرتے وہ اب زیبا کو صرف عبدالصمد کی ماں ہونے کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



آغا جی نے کمرے میں مکمل اندھیرا کر رکھا تھا۔ عارض نے لائٹ آن کی تو آغا جی کو چپ لیے چھت کو گھورتا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں خوف زدہ سا ہوا، دائیں ہاتھ والی کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکایا تو کمرہ روشن ہو گیا۔ مگر آغا جی نے کوئی حرکت نہیں کی، تو اسے پوچھنا پڑا۔

”بابا، کھانا لگواؤں۔“ وہ کچھ نہیں بولے تو اس نے ان کا ہاتھ تھام کر پھر کہا۔

”بابا کیا بات ہے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”ہاں زندہ ہوں حالانکہ مر جانا چاہیے تھا۔“ وہ بہت کرب سے گزرتے ہوئے بولے۔

”اللہ نہ کرے۔“ وہ ایک دم بولا۔

”کیوں نہ کرے، ہم خدائی فوجدار بن کر کچھ بھی کرتے پھریں وہ کچھ نہ کرے۔“ وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھے۔

”بابا کیا ہوا ہے؟“

”کیا نہیں ہوا، میرا بیٹا باپ سے جھوٹ بولتا ہے دھوکہ دیتا ہے باپ کو لا علم رکھ کر سمجھتا ہے کہ باپ بے وقوف ہے۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے، بتائیں کیا بات ہے؟“

”یہ خط دیکھو، منر معید نے اپنے وکیل کا بندوبست کر کے لکھوایا ہے۔ معید صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے آپ کو پتا تھا پھر بھی مجھ سے چھپایا۔ چھپانے سے کیا ہوا کیا وہاں کی پولیس نے کیس ختم کر دیا، انہوں نے معید کی ڈیڈ باؤی دی ہے کیس ختم کرنے کی بات نہیں کی، مجبوراً اس بے چاری عورت کو وکیل کا انتظام کرنا پڑا اور ہم یہاں عیش کر رہے ہیں۔“ وہ شدید غصے میں دباؤ سے تھے جو کہ ان کی محبت کے لیے اچھا نہیں تھا۔

”بابا پلیز، غصہ نہ کریں میں آپ کو سب بتاتا آپ کی طبیعت کی وجہ سے۔“

”اس سے بہتر تھا کہ اپنے ہاتھوں سے زہر دے دیتے۔“

”بابا آپ کی طبیعت اس قابل نہیں تھی۔ اب آج کل میں، میں آپ کو سب بتا دیتا، بلیوٹی میں خود بہت شرمندہ ہوں، میرے ضمیر کی ملامت نے جتنا حرام کر رکھا ہے۔“

”ہندہ..... ضمیر کی ملامت۔“ انہوں نے طنز کیا۔

”بابا حالانکہ اس قصے سے میرا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ میں اس کو بے سہارا سمجھ کر اپنا ٹمنٹ میں رہنے کی اجازت دی۔“

”دوسرے نظموں میں اسے سہارا دیا نا۔“

”نہیں، وہ محبت کی دعویدار تھی سو اس پر اعتبار کیا۔“ وہ گردن جھکا کر نظریں چراتے ہوئے بولا۔

”عارض مان لو کہ تم اس کی محبت کے چکر میں تھے۔“

”نہیں بابا محبت تو آج بھی صرف اور صرف ایک ہی سے کرتا ہوں۔“

”اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے تم لائق ہی نہیں۔“

”بابا یہ آپ کہہ رہے ہیں۔“

”فوری طور پر میری سیٹ کنفرم کراؤ میرا وہاں جانا ضروری ہے، ہم ٹرنگ میں ہونا ضروری ہے۔“ وہ بولے۔

”مگر.....“

”کچھ نہیں جو کہا ہے وہ کرو، ورنہ میں فیجر صاحب کو کہوں۔“

”او کے پہلے مگر ڈاکٹر صاحب سے رابطہ نہ کر لیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں، نہیں مرنے میں۔“

”سوری بابا۔“

”جاؤ، مجھے تہا چھوڑ دو۔“ انہوں نے سختی سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

صفر سے صبر نہ ہوا تو خود ہی عارض کی طرف آ گیا، گھر میں انتظار کے لمحے بہت کڑے گزر رہے تھے۔ امی کی سوالیہ نظریں اور اپنی بے چینی جس کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے مناسب یہ لگا کہ عارض کے پاس جا کر بیٹھ کر پوچھا جائے، مگر یہاں عارض کی رونی صورت دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ زیبا نے عارض کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا ہوگا۔ عارض نے اسے اپنے کمرے میں ہی بٹھایا۔ ملازم کو کھانا لانے کا کہا۔

”میں نے تمہیں فون کرتا تھا۔ مگر گھر میں منظر ہی اور نکلا۔“ عارض بولا۔

”مطلب.....؟“

”آغا جی کو معید صاحب کی وفات کا پتا چل گیا مسز معید نے وکیل کیا ہے اس نے خط بھیجا ہے اور بس بابا کا غصہ

نا قابل برداشت ہے۔“

”اوہ..... کب آیا خط۔“

”آج ہی بابا کو ملا ہے اب بابا کی توپوں کا رخ میری طرف ہے۔“

”یہ تو ہوتا ہی تھا۔“

”میری نیت یہ تھی کہ بابا ٹھیک ہو جائیں تو بتاؤں مگر بابا کو یقین ہے کہ میں نے جھوٹ بولا دھوکہ دیا اور میں فراڈ ہوں۔“

”اصل میں اتفاقات ایسے ہی حالات خراب کر دیتے ہیں۔“ صفر نے کہا۔

”اب بابا فوری طور پر نیویارک جا رہے ہیں، تب تک وہیں رہیں گے جب تک کیس ختم نہیں ہوتا۔“

عارض نے بتایا۔

”اور کیس تب ختم ہوگا جب سبنا پکڑی جائے گی کیونکہ اصل فساد کی جڑ تو وہ ہے۔“ صفر نے کہا۔

”ہاں لیکن بابا کو تو لگتا ہے کہ میں سبنا سے محبت کرتا ہوں۔“ عارض گلوگیر لہجے میں بولا۔

”خیر کچھ چیزیں وقت خود ثابت کر دے گا۔“ صفر نے کہا۔

”میں معلوم کیا ہوگا، خیر تم ساؤ پریشان لگ رہے ہو۔“ عارض نے اس سے پوچھا۔

”ہاں تمہارے فون کا انتظار کر کے آنا پڑا۔“ صفر نے کہا۔

”میں گیا تھا، بھائی کی امی سے ملاقات ہوئی، وہ تو بالکل نہیں چاہتیں کہ بھائی خلع لیں تم سے بہت پیار کرتی ہیں

بھائی کو ہی برا بھلا کہہ رہی تھیں۔“ عارض بولتے بولتے رکا۔

”اور زیبا۔“ صفر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”زیبا بھائی سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

”کیا مطلب؟“ صفر کو شک لگا۔

”بھائی کہیں گئی ہوئی تھیں۔“

”یعنی زیبا سے تمہاری ملاقات ہی نہیں ہوئی اور وہ نوٹس۔“

”وہ میں واپس لے آیا ہے چاری خالہ جی لا علم تھیں اور پھر وہ تو ایسا چاہتی ہی نہیں تمہیں سمجھانے کا کہہ رہی تھیں

پھر ان سے میں کیا بات کرتا۔“ عارض نے بتایا۔

”یہ تو حقیقت ہے کہ زیبا کی امی ایسا نہیں چاہتیں۔“

”تم چاہتے ہو؟“

”میں..... وہ زیبا تو ایسا چاہتی ہے۔“ وہ چٹکایا۔

”یار..... تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں..... میں نہیں معلوم، لیکن پہلے تم اس سے مل لو، پھر فیصلہ ہوگا۔“

”میں تو خیر پھر چلا جاؤں گا۔ لیکن میرا خیال ہے گھر بھاؤ۔“ اس نے مشورہ دیا۔

”بات کچھ اور ہے۔“ صفر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”بات جو بھی ہے کوشش کرو کہ گھر فک جائے.....!“

”تم اب کب جاؤ گے۔“

”پہلے تو بابا کی سیٹ کنفرم کرانی ہے، وہ چلے جائیں تو پھر۔“

”ٹھیک ہے مگر جی جلدی ممکن ہو سکے نوٹس پر جواب کی تاریخ دیکھ لینا۔“

”چھوڑو یار ہمیں گھر نہیں خراب کرنا تم درگزر سے کام لو۔“ عارض نے کہا تو صفر نے کچھ نہیں کہا صرف اسے

دیکھتا رہا۔

”کھانا کہاں رو گیا۔“

”آغا جی کے ساتھ کھاتے ہیں۔“ صفر نے کہا۔

”ٹھیک ہے دیے ان کا موڈ آف ہے آؤ۔“ عارض نے چلنے کا اشارہ کیا۔

☆.....☆.....☆

عبدالصمد کو کندھے سے لگائے لگائے زیبا تک گئی تو منشی نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ سوچ کا تھا زیبا نے رستہ واپس پر نگاہ ڈالی تو کافی وقت گزر چکا تھا۔ ان دونوں نے تو مختلف اسٹار سے کافی کچھ کھالیا تھا۔ لیکن منشی کا خیال تھا کہ خالہ حاجرہ کے لیے بریانی پک کر لیں زیبا اسی وجہ سے اکیلی بریانی لینے چلی گئی۔ منشی وہیں عبدالصمد کو لیے بیٹھی تھی۔ زیبا کو گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ بدحواس اور نیم پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی خالی ہاتھ واپس آ گئی اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور نظریں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔

”کیا ہوا، کیا بات ہے؟“ منشی ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”وہ..... وہ ادھر آسمیرے ساتھ۔“ وہ منشی کا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف بھیڑ میں لے جانے لگی۔

”کیا ہے کون ہے خیر تو ہے۔“ منشی اس کے ساتھ لڑکھڑائی، گرتی پڑتی چلتے ہوئے بولی۔

”وہ وہاں وہ منحوس تھا میں نے خود دیکھا۔“

”کون؟“

”میں نے جس سے محبت کا فریب کھایا۔“ وہ زیادہ ہجوم والی طرف گھس گئیں منشی ہاتھ لگی اس نے ماشاء اللہ گول

منہول سے عبدالصمد کو اٹھا رکھا تھا۔

”زیناب میں نہیں چل سکتی پلینز۔“

”اچھا میں آتی..... وہ..... میں.....! وہ ٹوٹا پھوٹا کہہ کر غائب ہو گئی۔ نفھی کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی نسبتاً رش والی جگہ پر آ گئی خالی بیچ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

کافی دیر تک وہ نہ آئی تو اسے پریشانی لاحق ہوئی۔

”آخر زیناب نے کس کو دیکھ لیا کیوں اس پر وحشت سی طاری تھی۔“ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا اس کے پاس سوائے انتظار کرنے کے۔

تقریباً بیس پچیس منٹ بعد وہ شکست خوردہ سی لوٹی اور اس کی آنکھوں سے چھماچھم برسات شروع ہو گئی نفھی اور زیناب پریشان ہی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

”زیناب..... زیناب کیا مسئلہ ہے، کیوں رو رہی ہو؟“

”چلو یہاں سے۔“

”اچھا، مگر بتاؤ تو۔“

”بس چلو، لاؤ مجھے دو عبدالصمد کو۔“ وہ روتے روتے بولی۔

”بتاؤ چلے بات کیا ہے۔“

”مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا۔“ وہ غم وغصے سے بولی۔

”کون۔“

”میری خوشیوں کا قاتل۔“

”تمہارا مطلب۔“

”ہاں اس نے میری عصمت کی نیلای کی۔“ وہ پھر رو دی۔

”اللہ عازت کرے اسے رو نہ بند کرو لوگ عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔“ نفھی نے کہا۔

”مجھے دیکھتے ہی بھاگ گیا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہی تھا۔“

”ہاں کاش میرے ہاتھ لگ جاتا تو اس کا منہ توچ لیتی۔“

”چھوڑ، گندگی میں ہاتھ ڈال کر کیا ملے گا۔“

”کیسے چھوڑوں؟“ اس نے محبت کی توہین کی۔

”محبت تم نے کی تھی اس نے تو مطلب نکالا تھا۔“

”ہاں مگر وہ نہیں جانتا کہ میں اس سے اب نفرت کتنی کرتی ہوں۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے رکشہ روکا اور دونوں بنارکشہ والے سے کوئی بات کیے رکشے میں بیٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ کمرے میں کھس کر اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔ نفھی نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اس پر چڑھائی شروع کر دی۔

”کیا اس سے محبت جاگ گئی ہے اس کے لیے تڑپ پیدا ہو گئی جو آنسو بہا رہی ہو، ارے اس پر تو تھوکتا چاہیے تھا۔“

”نہ عشق ہے نہ محبت اپنی بے بسی کا ماتم ہے بس اور کچھ نہیں، اس کی وجہ سے آج میں اس حالت میں ہوں، اس کی وجہ سے میرا وجود آلودہ ہوا یہ میرا قاتل ہے۔“ وہ روتے ہوئے بولتی چلی گئی۔

”ہو گیا، یہ ماتم، گزر گیا وہ تمہاری زندگی سے محبت کا فریب دے گیا پھر اب لکیر پینے سے کیا حاصل؟ اس سے کیا واسطہ اب اصل مجرم تو وہ ہے جس نے تمہاری پاکیزگی کا خون کیا۔“ نفھی نے کہا۔

”لے کر تو یہ گیا تھا۔“ زیناب چلائی۔

”بھول جاؤ سب کچھ جتنا اس موضوع پر سوچو گی الجھتی جاؤ گی عبدالصمد سے توجہ ہٹتی جائے گی۔ اب اس باب کو ہر طرح سے بند کر دو یہی بہتر ہوگا۔“

”میری زندگی حرام ہو گئی ہے۔“

”اس لیے اس کا ایک ہی حل ہے بہت ہو چکا، اب صفر بھائی سے بھی کوئی امید کوئی تعلق نہیں رکھنا، انہیں بھی چھوڑ دو اس دائرے سے نکلو میں خود صفر بھائی کو کھری سناٹی ہوں۔ ضرورت کیا ہے خاک چھانے کی۔“

”اور وہ میری چٹائی۔“

”کوئی سچائی بتانے کی ضرورت نہیں، رشتے اس پر نہیں بنتے۔ صفر بھائی کے اندر جو جھٹن بھری ہے وہ نہیں نکل سکتی۔ بس اب انہیں صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں وہ ان کا دوست ہے پوچھیں نہ پوچھیں کوئی فرق نہیں پڑتا جو ہوتا تھا ہو گیا، اب راستے الگ ہونے بہتر ہیں۔“ نفھی پہلی مرتبہ اس قدر مشتعل ہوئی تھی۔ زیناب نے اپنی ہیکل آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور اس کی طرف دیکھا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں زیناب جس گلی جانا نہیں اس کا راستہ مت پوچھو، سب چھوڑ دو تمہیں عبدالصمد چاہیے وہ تمہیں مل رہا ہے بس باقی کچھ مت رکھو، تمہارے ساتھ جس نے جو کیا اسے بھول جاؤ، کیا ہو جائے گا سچ بتا بھی چل

آنچل کی سہیلی آچل کی بھولی

حجاب

الحمد للہ
شائع ہو گیا ہے
آج ہی اپنے قریبی ایجنٹ یا
ہا کر سے طلب فرمائیں
اور
پرچاند ملنے کی صورت میں ان نمبرز پر رابطہ کریں
03008264242+02135620771-2

10 PROBLEMS SOLUTION

Take a Health Care Professional's Advanced Formula with Phosphide.

MEDICAM

MEDICAM

- **Cladon**
- **Isopod**
- **Amphipod**
- **Decapod**
- **Stomatopoda**

میڈی کیم ڈیٹیل کریم چمے۔۔۔ وائٹوں کی لائف ٹائم اسٹورس۔

گیا تو صفر بھائی کا دل صاف ہو چاہے گا یہ ممکن نہیں وہ اپنے دل کو صاف کرتے تو پہلے ہی تمہیں معاف کر دیتے ان کو اب چھوڑنے کا فیصلہ درست سمجھو۔“ منشی نے اسے سختی سے باز رہنے کی ترغیب دلائی۔

”میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ بتاؤ کیا تصور تھا میرا؟“

”ہنہ، وہ تو جیسے نہیں بتایا تھا تمہارا تصور محبت کے مکھن زدہ لفظوں پر اعتبار تھا مگر وہ ہر جانی اور کم ذات تھا اسے تو محبت کی ہوا چھو بھی نہیں سکتی۔“ منشی کا لہجہ کڑوا ہٹ سے بھر گیا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو، مجھے کسی سے نہ کچھ پوچھنا ہے اور نہ کچھ بتانا ہے۔“ زبیا نے بڑے حوصلے سے کہا۔

حاجرہ بیگم ان دونوں کا کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے کے بعد خود بیٹ آئیں، انہوں نے دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ اندر سے بند ہونے پر کچھ حیران ہوئیں اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں منشی نے مسکراتے ہوئے جلدی سے دروازہ کھول دیا وہ اندر آ گئیں۔

”خیریت ہے تم دونوں کمرے میں کیوں بند ہو گئیں کیا کھانا نہیں کھانا۔“

”نہیں ہم نے وہاں بہت کچھ کھایا اور میں آپ کے لیے بریانی گرم کر کے لاتی ہوں۔“ منشی یہ کہہ کر جانے لگی تو انہوں نے رد کیا۔

”نہیں منشی میں نے تو ایک روٹی پکا کر ابھی کھائی ہے بہت دیر کر دی تم نے آنے میں اور زبیا تمہیں کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں بس کھنگلی گئی ہوں۔“

”ٹھیک ہے آرام کر لو چائے پی لو، پھر بات کرتے ہیں۔“

”نہیں بولیں خیریت۔“

”دیکھو زبیا ابھی تو مقدار لوٹ لوٹ کر تمہارے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اس کی قدر کرو، بعد میں پچھتاؤں کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔“

”بات کیا ہے؟“ منشی نے پوچھا۔

”صفر کا دوست آیا تھا کہہ رہا تھا کہ بھائی کو سمجھائیں۔“

”صفر کا دوست؟“ منشی نے تعجب سے پوچھا۔

”کون تھا، کیا نام تھا؟“ زبیا نے حیرت سے پوچھا۔

”نام تو مجھے نہیں بتا بس بہت بھلا نوجوان تھا تم سے ملنے آیا تھا۔ پھر آنے کا کہہ گیا ہے۔“

”آپ نام تو پوچھ لیتیں۔“

”بس ذہن سے نکل گیا اچھا خوب صورت تھا ہمیں اس کے نام پر نہیں آنے پر غور کرنا چاہیے۔“ حاجرہ بیگم نے کچھ طنز یہ انداز میں کہا۔

”مگر بتا تو چلے خالہ کون تھا؟“ منشی نے کہا۔

”بس فی الحال اتنا سن لو کہ تمہارا اور صفر کا خیر خواہ تھا صفر کی طرف سے سمجھانے کا پیغام لایا تھا۔ میں نے اسے بھی کہہ دیا ہے کہ صفر کو بھی سمجھاؤ، وہ اپنے رویے میں تبدیلی لائے۔“ وہ بولیں تو زبیا اور منشی ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

رات حاجرہ بیگم کے سونے کے بعد جیسے ہی وہ دونوں کمرے میں آئیں تو دونوں کے ذہن میں صرف ایک ہی

سوال چل رہا تھا۔
”کون ہوگا۔“

”صفدر کوئٹہ نے ہلا کر رکھ دیا شاید، اس لیے کسی کو بھیجا ہوگا۔“ زیبانے طنزیہ کہا۔
”اس کا مطلب وہ علیحدگی نہیں چاہتے۔“ بھی بولی۔
”لیکن وہ کچھ اور بھی نہیں چاہتے۔“ زیبانے جواب دیا۔
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ بھی کوئی کہانی ہے۔“
”میرا خیال ہے کہ وہ خالد کوئٹہ کا بتا کر نہیں گیا۔“
”ہاں، پھر لیکن کیوں آیا۔“

”سیدھی سی بات ہے مجھے کچھ حاصل حصول نہیں، صفدر نے کسی چالاکی کسی کو بھی دوست بنا کر بھیج دیا ہوگا۔“
”خیر کسی کو تو نہیں کوئی قریبی دوست ہی ہوگا۔ اتنے وضع دار تو ہیں وہ۔“
”قریبی تو وہی منحوس ہے۔“
”کون؟“

”بے غیرت عارض۔“

”نہیں وہ، وہ تو تمہارا سامنا ہی نہیں کر سکتا اور پھر گھر بچانے کے لیے وہ کیسے بات کر سکتا ہے۔“
”یہ بھی تو ممکن ہے کہ صفدر نے اس سے پوچھ لیا ہو اور وہ میرا منہ بند کرانے کے لیے آیا ہو، ہم تھے نہیں اس لیے اُمی سے چلتی چڑی باتیں بنا گیا۔“ زیبانے خیال ظاہر کیا۔
”نہنہ، یہ ممکن ہے لیکن صفدر بھائی سے پوچھا جاسکتا ہے۔“
”ہرگز نہیں خود ہی تو کہتی ہو کہ سب چھوڑ دو۔“ زیبانے کہا۔
”نہنہ ٹھیک بھی یہی لگ رہا ہے مگر یہ صفدر بھائی کے دوست والی کہانی الجھاری ہے۔“
”کوئی ضرورت نہیں اچھے کی۔“

”میں فون کروں۔“

”نہیں ہم نوٹس بھیج چکے ہیں اب جو بات کرنی ہے انہوں نے کرنی ہے۔“ زیبانے بستر پر دراز ہو کر چادر سر تک تان لی۔

”عجیب ہے سب معاملہ۔“

”سو جاؤ، مت سو جو، جو ہوگا بہتر ہوگا۔“ زیبانے چادر کے اندر سے ہی کہا۔
”اور وہ کلی پھرا گیا تو۔“

”تو صاف کورا جواب نہیں ملنا۔“

”دیکھ لو۔“

”دیکھ لیا۔“

”لٹے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

”ہے۔۔۔۔۔! وہ فیصلہ کن انداز میں بولی تو ننھی بھی خاموش ہو گئی، اسے نہیں معلوم ہو سکا کہ زیبیا کی آنکھوں سے

اپنی چابی پر کیسے سیلاب بہہ نکلا ہے۔ وہ کب چاہتی تھی کہ صفدر سے الگ ہو، صفدر تو اس کا محبوب بن چکا تھا مگر وہ شاید اسے بھی معاف نہیں کر سکتا۔ ننھی سو گئی مگر وہ رات کے آخری پہر تک جاگتی رہی۔

☆☆☆☆

رات کا ایک بجنا تھا۔ جانے کیوں وہ میز پر کھڑا سرگٹ چھوٹکتے ہوئے اسے مس کر رہا تھا۔ چاروں اطراف گہرا سناٹا اور تاریکی بھی ایسے میں اسے شدت سے تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے زبیا اور زبیا سے زیادہ عبدالصمد کی یاد آ رہی تھی زبیا کے پاس اس کے گھر کا جگنو، اس کے آنگن کا تارا تھا یکبارگی وہ بڑبڑایا۔

اسے کہنا

اگر آئے تو ساتھ اپنے

کوئی جگنو، کوئی تارا بھی لائے

کہ میرا دل، میرے گھر کی طرح

تاریک رہتا ہے۔۔۔۔۔!!

میرے گھر کا آفتاب میری صحت کا چاند کب، کب لاؤ گی، مجھے میرا بننا چاہیے، اس کو میں کسی صورت تمہیں نہیں سوچ سکتا، امی کا ہی نہیں میرا دل بھی اب میرے اختیار میں نہیں اسے دیکھنے اور چھونے کو بے تاب ہوں میں۔“ وہ کرسی پر گر سا گیا اور صفدر وہ خلع کا نوٹس زیبیا کی طرف سے لائق کا اعلان عبدالصمد کو ہمیشہ کے لیے تم سے دور لے جانے کا پروگرام اس پر بندہ کوئی سودے بازی کرے گی اور نہ دستبردار ہوگی پھر ویسے بھی تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تم کس منہ سے اس سے کوئی بات کر سکتے ہو؟ ہر راستہ بند کر کے۔۔۔۔۔ اب کیا کہو گے کہ نوٹس سے ڈر گئے ہو، نوٹس واپس لے لو یہ کہو گے۔۔۔۔۔ نہیں صفدر اب صرف وقت گزرنے دو دھند چھٹنے دو دیکھو اوقت کیا فیصلہ کرے گا؟ اس نے خود سے سوالات اور جوابات کی جنگ لڑی اور پھر سرگٹ سلگا لیا۔ تازہ دھواں اس کے اطراف میں پھیل گیا۔

دو بج چکے تھے ننھا نکھوں سے دور تھی۔ ذہن بوجھل تھا۔ تنہا زندہ تھا دراصل زندگی خود تو ہلکی پھلکی سی ہے بوجھ تو سارا خواہشات کا ہوتا ہے انسان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کب خواہشات قیمتی سامان کا روپ دھار کے زندگی کو بھاری بنا دیتی ہے۔ اس کے اندر بھی یہی خواہش ہی تو جاگتی تھی کہ اسے بیوی اور بیٹا یاد آ رہے تھے۔ یہ جان کر بھی کہ ایسا کرنا ایسا ہوتا ممکن نہیں۔

عبدالصمد فاقٹ ٹھیک ہے لیکن مجھ کو ایسا لگتا ہے

تم تو میرے ساتھ رہو گی میں تمہارا جاؤں گا۔

بالکل تنہا

زندگی تاریک راہوں میں بھٹک جائے گی۔

میرا جگنو

میرا تارا

میرا سورج

”اور میرا چاند۔۔۔۔۔ دور ہو جانے کا میں نہ روک سکتا ہوں اور نہ جانے دے سکتا ہوں۔“

☆☆☆☆

جگر کی نماز کی یہ خصوصیت سب سے افضل ہے کہ انسان صبح کے خاموش لمحوں میں خود کو اللہ کے بے حد قریب سمجھتا

ہے، جو بات اللہ سے کہتا ہے اس کا جواب محسوس کرتا ہے۔ اس نے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے جی بھر کے باتیں کیں اور پھر جائے نماز سے اٹھی، فون بج اٹھا تو وہ لان میں جاتے جاتے پلٹ آئی۔
”خدا خیر، اس وقت کس کا فون آ گیا، اس نے فون کی اسکرین پر انجان نمبر دیکھا اور کاٹ دیا مگر پھر فون بجنے لگا تو اسنڈ کرنا پڑا۔“

”شرمین۔“ دوسری طرف سے عارض کی آواز ابھری۔

”جی خیریت۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے نرمی سے پوچھنا پڑا۔

”بابا نے بات کرنی ہے۔“

”خیریت۔“ اسے تعجب ہوا۔

”سب کچھ ان سے ہی پوچھ لو۔“

”جی کر میں بات۔“

”ہیلو شرمین بیٹا۔“ آغا جی کی آواز مٹھاس سے بھری تھی۔

”جی..... جی..... آغا جی۔“

”معذرت آپ کو جگادیا۔“

”نہیں کوئی بات نہیں، آپ بولیں پلیز۔“

”بیٹا آج کچھ دیر کے لیے میرے پاس آؤ اذان سمیت۔“

”جی خیریت۔“

”بس مجھے ضروری بات کرنی ہے۔“

”آغا جی، اذان نے اسکول جانا ہے اور مجھے زینت آپ کے آفس جانا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”کچھ بھی ہے رات میری گیارہ بجے کراچی کی فلائٹ ہے۔“

”آپ خیریت سے جا رہے ہیں۔“

”نہیں نہ خیریت ہے اور نہ ہی خوشی۔“

”آغا جی میں کس وقت آؤں پھر۔“

”ناشتہ میرے ساتھ کرو۔“

”ناشتہ مگر اذان کو اسکول بھیجنا ہے اور پھر.....“

”اسکول چھوڑ کے آؤ، واپسی پر عارض یا ڈرائیور کوئی بھی لے لے گا۔“

”او کے میں آ جاؤں گی۔“

”جیتی رہو۔“

”اللہ حافظ۔“ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا مگر بہت ساری باتیں اس کے ذہن میں بل چل چائے لگیں۔

”کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اتنی سچ آغا جی نے فون کیا اور ملنا ضروری قرار دیا۔ کہیں وہ عارض کے لیے تو نہیں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“

”نہیں سننا عارض کی یا کسی اور کی بھی کوئی گنجائش نہیں خاص طور پر عارض کے لیے تو سوچنا بھی محال ہے۔“ اس نے اپنے آپ کو جواب دیا۔

اور اذان کو جگانے کے لیے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں وہ کسمسایا اور اس سے پلٹ گیا یہ اس کا خاص

انداز تھا کہ وہ جگاتے ہوئے اسی سے پلٹ کر کچھ دیر شوخیاں کرتا اور پھر جاگتا ایسے میں وہ ناشتے کے بارے میں پوچھتی اس وقت بھی اس نے پوچھا۔
”ناشتے میں کیا بناؤں؟“

”ہمبہہ پراٹھا اور اٹلیٹ۔“ اس نے اٹھلاتے ہوئے فرمائش کی۔

”اذان۔“ اس نے اس کے سامنے دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے پکارا۔

”جی ماما۔“

”بیٹا میں آپ کو اسکول چھوڑ کے نانا ابو کے گھر جاؤں گی۔“

”کیوں؟“ وہ بے ساختہ بولا۔

”انہوں نے بلایا ہے۔“

”اور میں.....!“

”آپ کو چھٹی کے وقت میں لوں گی یا نانا ابو کا ڈرائیور۔“

”آپ کیوں جا رہی ہیں۔“

”بتایا تو ہے کہ انہوں نے بلایا ہے۔“

”پھر انکل کو بھیجے گا۔“

”نہیں ان کی ضرورت نہیں۔“

”ماما میں نے ان کے ساتھ کمپیوٹر پر گیمز کھیلنا ہیں۔“

”اذان، خاموشی سے دودھ ختم کرو۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ انکل کو بھیجیں گی تو میں آؤں گا۔“ وہ یہ کہہ کر اٹھا۔

”یہ کیا بات ہوئی، وہ ہمارے سرونٹ نہیں ہیں اور ویسے بھی ہمارا تعلق آغا جی سے ہے۔“

”مگر وہ تو بہت اچھے ہیں۔“

”اذان میں خود آپ کو پک کر دیں اب چلیں دیر ہو رہی ہے۔“ شرمین کو غصہ آ گیا۔

”ننڈیڈی آتے ہیں نہ ہم جاتے ہیں۔“ ایک دم ہی اذان نے جھنجھلا کر کہا تو شرمین کا دل تڑپ اٹھا اسے جلدی سے ہاتھوں میں بھر لیا۔

”اذان کچھ لو وہ ہم سے خفا ہیں۔“

”کیوں؟“

”بس، وہ یہاں نہیں آ سکتے۔“ وہ ہکلائی۔

”اور ہم، ہم تو جاسکتے ہیں۔“

”نہیں اللہ نہ کرے۔“

”کیوں؟“

”بس ہمیں نہیں جانا۔“

”آپ ڈیڈی کو معاف کر دیں۔“

”اچھا چلو و چلیں۔“ شرمین نے کچن بند کیا اسے ساتھ لے کر کمرے سے اپنا پارس اور گاڑی کی چابیاں اٹھائیں

مگر وہ پھر اسی تصویر کے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔

”اذان پلٹس گو۔“

”ماما میں ڈیڈی کو مس کر رہا ہوں۔“ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں بھی بھرا آئیں شرمین نے بے قرار ہو کر اسے سینے سے لگا لیا۔

”میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تمہارے ڈیڈی کہاں چلے گئے ہیں۔ اب ان تک تمہارے آنسو ہیں کچھ نہیں پہنچ سکتیں۔“ گاڑی چلاتے ہوئے بھی اس کا دل دھبی تھا زمین میں سوالات طوفان بپا کیے ہوئے تھے کئی سچائیاں اور حقیقتیں ہیں جو وہ اذان کو چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ لیکن کب تک کب تک وہ اذان کو بہلا سکتی تھی بلا آخر ایک نہ ایک دن تو اسے پتا چلنا ہی ہے کہ اس کے ڈیڈی اس پر اتنا بھروسہ کر کے اپنا بیٹا اسے سوئپ گئے نہ اپنی بہنوں پر اعتماد کیا اور نہ کی اور پر.....

”صبح احمد، کاش میں تمہیں بتا سکتی کہ تم نے اذان کے ذریعے مجھے کتنی بڑی آزمائش میں ڈالا ہے۔“ اسے اسکو لڈراپ کر کے اس نے گاڑی موڑتے ہوئے سوچا۔

وہ جب آغا جی کی طرف پہنچی تو لان میں چپ چاپ سا بیٹھا عارض اسے چونکا گیا۔ شیو بڑھی تھی چہرے پر کلاہٹ بھی اداسی بھی پشیمانی بھی اس نے گاڑی لاک کی اور اندر جانا چاہا تو اپنا نام سن کر رک گئی۔

”شرمین..... شرمین۔“ وہ پکار کر قریب آ گیا۔

”جی فرمائیے۔“

”میرا حق تو نہیں کہ تم سے کچھ بھی کہوں مگر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”مگر میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔“

”معافی مانگنا چاہتا ہوں۔“

”میں آپ کو قصور وار سمجھتی ہی نہیں۔“ وہ آگے بڑھنے لگی تو وہ سامنے آ گیا۔

”قصور ہی نہیں بہت بڑا گناہ کیا ہے میں نے۔“

”تو اللہ سے معافی مانگیں۔“

”پلیز شرمین بابا مجھ سے خفا ہیں جو تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی بڑی سزا بھگت رہا ہوں۔“

”عارض صاحب مجھے آغا جی نے بلایا ہے۔“ اس نے یاد دہانی کرائی۔

”مجھے معلوم ہے۔“

”تو پھر میرا راستہ چھوڑ دیں۔“

”راستہ چھوڑ کے ہی تو بے چین ہوں۔“

”یہ میرا مسئلہ نہیں۔“

”شرمین صرف چند منٹ پلیز۔“

”نی الحال مجھے آغا جی سے ملنا ہے۔“

”اذان سچ تمہارا بیٹا ہے؟“

”جی۔ یہی سمجھیں۔“

”مگر یہ سچ نہیں۔“

”پھر شاید ایسا ہی ہوگا۔“

”مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر میں.....“

”عارض آپ کو اعتراض کرنے کا حق بھی حاصل نہیں، وہ اب میرا بیٹا ہے۔“ اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

”اب میرا بیٹا سے مراد۔“

”اب میرا بیٹا اور میرا بیٹا ہی رہے گا۔“

”اپنے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہی ہو۔“

”آپ اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں۔“

”کیوں میری بات نہیں سمجھ رہی ہیں۔“

”مجھے آپ کی بات ہی سمجھ میں نہیں آئی آپ اچھی طرح سمجھ میں آچکے ہیں۔“ وہ طنز پر مسکرا کر بولی۔

”اگر اذان کو ایڈاپٹ کیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔“

”فارگا ڈسک آپ کی ایڈوٹس سمجھ نہیں چاہیے۔“ وہ یہ کہہ کر اسے ایک طرف دھکیل کے اندر چلی گئی۔

وہ اپنا ننھا ہونٹ دانٹوں میں دبائے طویل آہ بھر کے رہ گیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اب شرمین شاید ہی اس کی بات سنے، آخر یہ اذان کون ہے، کیا اس کا تعلق شرمین کی پہلی محبت سے ہے۔ یا پھر.....

”اپنی تمہاری دور کرنے کے لیے اس نے اپنی نرم ہمدرد فطرت کے باعث اذان کو اپنا سہارا دیا ہے؟“ وہ مزید سوچنے سے پہلے ہی اندر ناشتے کے لیے بلا لیا گیا۔

وہ چپ چاپ ناشتے کے لیے بیٹھ گیا ویسے تو آغا جی بھی اس سے خفا تھے کچھ خاص بات نہیں کر رہے تھے۔ شرمین نے تو نفرت بھری نگاہ سے بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ناشتے کے بعد آغا جی نے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں اور پھر عارض کو آفس بھیج دیا، اس کے جانے کے بعد انہوں نے کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

”آغا جی کوئی خاص بات ہے؟“

”شاید آپ کے لیے نہ ہو۔“

”آپ بتائیں تو۔“

”شرمین میں ڈاکٹرز کے منع کرنے کے باوجود لمبا سفر کر رہا ہوں وہاں بھی مسائل ہیں کیا کیا فیس کرنا پڑے لوٹ سکوں یا نہیں یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔“

”اللہ آپ کی حفاظت فرمائے آپ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں۔“ اس نے بڑی اپنائیت سے کہا تو ان کا لہجہ بھرا گیا۔

”اولاد سے لاکھ شکوے ہوں مگر یہ بہت پیاری ہوتی ہے میں عارض سے خفا ہوں لیکن پھر بھی اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”آپ نے مجھ سے کوئی بات کرنی ہے۔“ وہ یکسر نظر انداز کر گئی۔

”نہنہ، اسی طرف آ رہا ہوں میں ہمت سمٹ کر بولنا چاہتا ہوں لیکن بول نہیں پا رہا۔“

”کیا بات ہے؟“

”سچ نہیں، بس ایک جہنم میں جنت کا ہوتا چھوڑا ہوں۔“

”بھائی اور عبدالصمد ٹھیک ہیں۔“

”ٹھیک ہوں گے بہر کیف آپ جو مناسب سمجھیں وہ بات آغا جی سے کریں، اگر دل چاہے تو ان کی بات مان لیں۔“ صفدر میں جیسے ایک ٹھہراؤ سا آگیا، سگریٹ سلگا یا اور دھواں دائیں طرف گھما کر چھوڑ دیا۔
”اوکے میں چلتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

”میں کیا عارض سے محبت کرتی ہوں، مجھے عارض سے نفرت ہے، یہ دو باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ جب وہ آغا جی کے گھر پہنچی تو کوئی حل، کوئی نتیجہ اس کے پاس نہیں تھا۔ آغا جی کے پاس ان کے کمرے میں آفس اسٹاف کے کچھ لوگ جمع تھے۔ اذان کھانا کھا کر بقول ملازم عارض کے کمرے میں سو گیا تھا۔ اس نے دو قدم عارض کے کمرے کی طرف بڑھائے، پھر رک گئی، ملازم نے دوبارہ عارض کے کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا تو اسے دروازے پر دستک دینی پڑی مگر دروازہ ایسے کھل گیا جیسے وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا اسے دیکھ کر شرمین کے ذہن میں صفدر کا جملہ آگیا اگر عارض کی محبت ہے تو جو چاہو فیصلہ کرو۔“

وہ سوچ میں اس کی طرف دیکھتی رہ گئی، وہ سمجھا کہ اس قدر محبت میں وہ شاید اسی کو دیکھ رہی ہے۔ اس کی دیران آنکھوں میں دپے سے جل اٹھے۔
”آؤ۔“

”ہنہ، وہ اذان۔“ وہ چونکی۔

وہ دروازے سے ایک طرف ہو گیا تو وہ اندر داخل ہو گئی اذان بڑے مزے سے گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھی تو اس نے کلائی تھام کر اپنی طرف کھینچا اور اذان کو جگانے سے منع کیا وہ کچھنا سمجھی۔
”مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ اس نے کلائی چھڑائی چاہی مگر وہ بالکل دوسری طرف دیوار سے لگا کر اس کے دونوں طرف اپنے ہاتھوں کا محاصرہ کر کے بولا۔

”اب چھوڑ کے نہ جاؤ، ورنہ یہ دم نکل جائے گا۔“

”پلیز عارض یہ زبردستی چھوڑ دو۔“

”بابا کی بات مان لو پلیز۔“ وہ شدید محبت سے چور چور لہجے میں بولا تو وہ شپٹاسی گئی اس کی سانسوں کی حدت سے چہرہ تپ گیا اس سے وہ جیسے سب کچھ بھول سی گئی۔

”کس منہ سے یہ کہہ رہے ہو؟“

”جس منہ سے جان کہتا ہوں۔“

”اور جو کہہ چکے ہو۔“ اس نے ہوش میں آتے ہوئے اسے پرے دھکیلا۔

”وہ بتانے کو تیار ہوں۔“

”مگر مجھے نہیں سننا، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

”مجھے بتانے کا موقع دو۔“

”میرے پاس کوئی موقع نہیں۔ میری زندگی کا مقصد اب بدل چکا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر اذان کی طرف بڑھی۔

”میں بھی زندگی کو وہی عنوان دینا چاہتا ہوں۔“ وہ پھر سانسے آ گیا۔

”کون سا، دے تو دیا تھا ہتے ہتے راستہ بدل کر۔“

”اس کی بھی وجہ تھی تمہاری خاطر کیا تھا۔“

”میری خاطر..... واہ.....!“ وہ ہنسی طنزیہی ہنسی۔

”بلیوٹی۔“

”عارض صاحب ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے سوئی آغا جی کے لیے بھی یہی جواب ہے میرا۔“

”میری بات سننے بغیر مجھے صفائی کا موقع تو دو۔“ وہ منت پر آتا آیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کبھی ملازم نے دروازے کے باہر سے آغا جی کے بلانے کا پیغام دے دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آغا جی بستر پر دراز تھے۔

کچھ طبیعت بہتر محسوس نہیں کر رہے تھے۔ وہ ان کے دائیں طرف بیٹھ گئی۔ بات کرنا اور آغا جی سے انکار کرنا دونوں مشکل کام تھے۔ اس کی آنکھوں کا اندازہ تھا۔ لیکن بول وہ بھی نہیں پارے تھے۔ عین اسی وقت صفدر آگیا۔ یوں احاطہ اس کا آغا جی کے لیوں پر تو مکان کھیر گیا البتہ شرمین کچھ مضطرب سی ہو گئی صفدر کے چہرے پر سختی اور آغا جی کی طبیعت کی ناسازی دونوں ہی پریشان کر دینے والی باتیں تھیں۔

”صفدر بیٹا بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو، میں شرمین بیٹی سے التجا کر رہا تھا۔“ آغا جی نے صفدر سے کہا۔

”کیوں کر رہے ہیں آپ التجا دہی اس مجرم بیٹے کے لیے جس نے آپ کو بستر سے لگا دیا معید صاحب کو قبر میں اتار دیا اور جانے کیا کیا؟“ صفدر اپنے آپ پر بکشل کنٹرول کر رہا، آغا جی تحیر سے دیکھنے لگے۔

”صفدر بھائی آغا جی کی بات کا مطلب وہ نہیں۔“ شرمین نے بات سنبھالی۔

”بات کا مطلب جو بھی ہے عارض کی طرف داری ہی بنتا ہے۔“

”نہ..... نہیں وہ ج میں شرمین کے بغیر مر جائے گا۔“ آغا جی نے دھیرے سے کہا۔

”چھوڑیں آغا جی کوئی کسی کے لیے نہیں مرنے، آپ عارض کو جانتے ہوئے بھی شرمین، بہن کو بھڑا میں جھونکنا چاہتے ہیں۔“ صفدر نے خاصی سختی سے پوچھا تو آغا جی دکھ سے کچھ نہ بول سکے۔

”صفدر بھائی آغا جی کی خواہش تھی صرف باقی کچھ نہیں۔“

”آپ چپ رہو، اس وقت آغا جی نے عارض سے سختی کیوں نہیں کی جب اس نے پردیس سے مسٹر دیکھا اور اس ہندو لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منار رہا تھا۔ عارض نے بہت کچھ برباد کیا ہے پلیز اس معصوم لڑکی پر رحم کریں۔“ صفدر یہ سب کہہ کر آندھی طوفان کی مانند باہر نکل گیا۔

آغا جی نمناک ہو گئے، وہ چوری بن گئی، آغا فانا صفدر نے آکر وہ سب کچھ کہہ ڈالا جواب تک آغا جی سے صرف پردے میں کہہ سکی تھی۔ اب الفاظ گو نگے ہو گئے تھے۔ آغا جی نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا اور ایک جملہ رقت میں ڈوبا بھرا۔

”ایک باپ کے لیے ناخلف بیٹے کی محبت بھی موم سے بنی نہیں ہوتی صفدر نے شاید ابھی اس محبت کا رس پیا نہیں۔“ اس کے بعد ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ وہ چپ چاپ کچھ دیر اٹھکیاں مروڑتی رہی، ناخن دیکھتی رہی اور پھر جیسے ایک ہی طرح کی خاموشی میں دوسرا س چل رہے تھے۔

”جاؤ بیٹی اب یہ باپ کچھ نہیں کہے گا۔“ بڑی دیر بعد اسی کیفیت میں بھی اس کی خاموشی کا مطلب بھانپ لیا تھا۔ اسے خانے کی اجازت دی تو وہ اٹھی اور ان کے قریب آئی، آغا جی کی آنکھوں سے آنسو نکلے کی تہہ میں اتر گئے تھے۔ ”معافی چاہتی ہوں، اپنی طرف سے اور صفدر بھائی کی طرف سے۔“ یہ کہہ کر وہ دبے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی۔ آغا جی سمجھ گئے کہ شرمین کو ان کا فیصلہ قبول نہیں ہوا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسے ملازم نے بتایا کہ صفدر صاحب آئے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہی چلے گئے۔ عارض نے کچھ حیرت محسوس کی اور کچھ فکر۔

”صفدر مجھے ملے بتانی چلا گیا۔“ اس نے خود سے کہا پھر ملازم سے دوبارہ پوچھا۔ ”کیا میرا پوچھا تھا؟“ اس نے نفی میں گردن ہلا کر بتایا۔

”آغا جی کے کمرے میں گئے تھے بس۔“ وہ اگلے ہی لمحے سمجھ گیا کہ شاید خفا ہوگا میں نے اس کا کام بھی تو نہیں کیا۔ اس نے بات کرنے کے لیے فون نمبر ملایا مگر صفدر نے کاٹ دیا، پھر دوبارہ ٹرائی کرنے کے بعد عارض کو مناسب یہی لگا کہ زیبا کی طرف ابھی اور اسی وقت جانا چاہیے وہ فوراً گاڑی کی چابی اٹھا کر ملازم کو کچھ دیر کر کہہ کر باہر نکل آیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ زیبا کے دروازے کے باہر گاڑی لاک کر رہا تھا۔ دروازے پر دستک دی تو کسی نے پوچھا۔

”کون؟“

”جی میں صفدر کا دوست، خالہ جان کو بلا دیں۔“ وہ سوائی آواز سن کر بولا۔

”جی۔“ جواب میں جی آیا اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ دو تین چار پانچ منٹ گزر گئے کوئی جواب نہیں آیا تو اسے پھر دستک دینی پڑی۔

”وہ گھر پر نہیں ہیں۔“ وہی آواز ابھری۔

”جی، زیبا بھائی ہیں۔“ اس نے پوچھا لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔ تب آخری بار اس نے کچھ جھنجھلا کر دروازہ بجایا تو اندر سے اسی آواز میں جواب آیا۔

”وہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں کسی سے نہیں ملنا جائیں آپ یہاں سے۔“ یہ بات سن کر عارض کو شدید غصہ آیا گاڑی اشارت کی اور واپس آ گیا۔ صفدر کا فون ملایا پہلے تو اس نے اٹینڈ نہیں کیا پھر کر لیا تو اس کو کھاسی کا دورہ سا پڑ گیا بات کرنی مشکل ہو گئی۔ صفدر ہیلو، ہیلو کرتا رہا مگر وہ کھاسی کے شدید حملے کے باعث سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ صفدر نے فون بند کر دیا۔ اس نے گاڑی ایک طرف روکی، کھاسی پر کنٹرول کیا۔ کھاسی ایک دو ہفتوں سے ہو تو رہی تھی، وہ وجہ بھی جانتا تھا کہ سگریٹ نوشی میں اضافہ ہوا تھا۔ رات بھر جاگنا کھانے پینے سے عدم دلچسپی اور غم دوران اور جاناں دونوں کا سامنا تھا، صحت کافی متاثر ہو رہی تھی۔ مگر یوں کھاسی کی شدت نے اسے خود کو بھی ہراساں کر دیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ ڈاکٹر کو ملنا ضروری ہو گیا ہے مگر یہ ڈاکٹر کے کلینک کا وقت نہیں تھا لہذا جیسے تیسے خود کو نائل کر کے گاڑی دوبارہ اشارت کی اور گھر کا رخ کیا۔ گیٹ پر پہنچا تو صفدر کا فون آ گیا تب اس نے اٹینڈ کیا۔

”کھاسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔“

”سکون کے لیے سگریٹ کی نہیں تو بے اور معافی کی ضرورت ہوتی ہے۔“ صفدر نے بے ساختہ کہا۔

”میں نے ایسا کیا کر دیا کہ.....!“ اسے کچھ دکھ ہوا۔

”خیر فون کر رہے تھے۔“

”بھائی نے ملنے سے صاف انکار کر دیا میری بات ہی نہیں سنی۔“ اس نے بتایا۔

”کس نے کہا؟“

”چہ نہیں دروازے کے پیچھے سے کوئی باریک سی آواز تھی۔“

”یعنی وہ تم سے ملی نہیں۔“

”ہاں میں نے بتایا بھی مگر جواب یہی آیا کہ انہیں کسی سے بھی نہیں ملنا۔“

”اوکے میں سمجھ گیا جھینپو دوست۔“ صفدر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس کا روم روم سلگ رہا تھا۔ تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ زیبا اس کی توقع کے مطابق جھوٹی ثابت ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ عارض سے ملنے سے کیوں انکار کرتی، اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسے بے وقوف بنارہی تھی۔ مگر آج حد ختم ہو گئی۔ ضبط اور حوصلہ جواب دے گیا تھا تو وہ پورے طعراق کے ساتھ زیبا کے گھر پہنچ گیا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ دروازہ کس نے کھولا یہ نہ اس نے دیکھا اور جانتا ضروری سمجھا سیدھا صحن سے ہو کر زیبا کے کمرے میں پہنچا۔ وہ عصر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ کمزور بیماری بہت پاکیزہ لگ رہی تھی کسی طور چھوٹی اور بدکردار دکھائی نہیں دے رہی تھی، وہ کچھ سوچ کر کھڑا رہا، عبدالصمد کمرے میں نہیں تھا جو بی بی اس نے سلام پھیرا تو وہ بولا۔

”انسانوں کے ساتھ جھوٹ بولنا تو سمجھ میں آتا ہے اللہ سے بھی چال بازی۔“ اس نے اس کی نماز اور آنسوؤں پر ضرب لگائی، اس نے جواب نہیں دیا دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے پورے سلیتے سے دعا مانگی دعا میں بھی اس کی آنکھیں مسکلت ہوتی رہیں خشک لب تھر تھراتے رہے وہ دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگا رخ موڑ کے کھڑا ہو گیا۔

”آپ جھوٹی اور منافق کے پاس کیا لینے آئے ہیں؟“

”اپنا بیٹا اور یہ بتانے آیا ہوں کہ تم نے جھوٹ بولا میرے دوست پر الزام تراشی کی میں جان گیا ہوں تمہارا عارض سے نہ ملنا دلیل ہے کہ تم نے جھوٹ بولا۔“

”مجھے کسی سے بھی نہیں ملنا جب آپ سے رشتہ نہیں تو کیا جھوٹ اور کیا جج، بس مجھے کوئی معافی نہیں دینی، آپ مجھے آزاد کریں۔“ وہ پوری سنجیدگی سے کہہ کر عبدالصمد کے کپڑے تہہ کرنے لگی۔

”ذہمیت ہو، مرد سڑو میری طرف سے، میں نہ بیٹے کی صورت دکھاؤں گا اور نہ آزاد کروں گا۔“ وہ بھڑک اٹھا اور دانت کچکچاکے بولا۔

”کیوں؟“

”تم نے گھٹیا حرکت کی۔“

”جی میں گھٹیا ہوں اسی لیے تو چاہتی ہوں کہ آپ اپنی جان چھڑالیں۔“ اس نے اس سنجیدگی سے کہا کہ صفدر پھر انھاس کے کندھے پکڑ کر سختی سے دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔

”جان تو اب تمہاری اللہ ہی چھڑائے گا۔ میں اپنا بیٹا لے کر جا رہا ہوں۔“ وہ سہمی گئی وہ باہر نکلا اسے پوری قوت سے دھکیل کر اور باہر تھکی کی گود سے عبدالصمد کو چھین کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا صحن عبور کر گیا۔ زیبا چلائی ہوئی پیچھے بھاگی۔

”یہ میرا بیٹا ہے آپ اسے نہیں لے جاسکتے۔“ مگر اس نے ایک نہ سنی حاجرہ بیگم پکاریں، نفی نے صفائی دی مگر

اس کے جانے کے بعد جانے کہاں سے کالی گھٹائیں اٹھائیں اور آنکھوں کے رستے موسلا دھار برسنے لگیں۔ اس قدر قریب ہو کر گیا کہ وہ اس کے قرب کے احساس سے لٹ کر روئی، ہلکائی پر اس کا لمس موجود تھا۔
”سچ تو یہ ہے کہ شرمین تم عارض سے محبت کرتی ہو، بس ایک خول میں بند ہو، اسے سزا دے رہی ہو، یہ تمہارا انتقام ہے۔“

محبت اور چاہت بھرا..... انتقام..... شاید ایسا ہی ہو، عارض نے ایسا ہی کرنے پر مجبور کر دیا۔ ”وہ سوچتے پر مجبور ہو گئی۔“

”کب تک آخر، کب تک روک پاؤ گی۔ روک نہ بھی پائی تب بھی اب میری منزل عارض نہیں۔ اذان ہے مجھے سرخرو ہونا ہے عارض کے لیے بہت سے کندھے موجود ہیں اذان..... اذان..... کس کی انگلی تھامے گا؟
عارض کی محبت بھری ہاتھوں میں چاہت کی گرمی اور پوری شفقت کی نرمی مل سکتی ہیں کیوں کفران نعمت کرتی ہو آغا جی نے کتنا بڑا فیصلہ یوں اچانک نہیں کر لیا اس کے پیچھے عارض کی شدید محبت ہی ہے، تم چاہتیں تو اس فیصلے کو قبول کر لیتیں مگر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

عارض کی دھوکہ دہی نے بہت بری طرح محبت کو ہال کیا ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کوئی بھی نہیں، اس نے سختی سے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آنسو رگڑ کر صاف کیے جیسے آنکھوں کا قصور ہو، اذان کے قدموں کی باہر چا پ اٹھری تو اس نے جلدی سے خود کو تارل کیا۔

کافی دنوں بعد وہ زینت آپ سے ملنے آئی تھی۔ انہوں نے شکوں کی طویل فہرست سامنے رکھ دی، یہ سچ تھا کہ میں نے انہیں اپنے دیگر معمولات میں نظر انداز کیا تھا۔ ان سے آفس کا وعدہ کیا تھا وہ بھی پورا نہیں کیا یہاں تک کہ صفدر بھائی سے بھی آفس منجھانے کی بات نہیں کی۔

”آپ، بس ایسے مسائل نے مجھے گھیرا ہے کہ میں سر نہیں اٹھا سکتی۔“
”صرف اذان کو اہمیت دیتی ہو، ہم تو کسی دیوار سے جا لگے ہیں اپنی سگی اولاد کو ماں یاد نہیں رہی اور تمہیں کیا کہوں؟“ اس نے ان کے ہاتھ تمام کر چوم لیے۔

”آپ کے شکوے سنا کر بجا ہیں مگر میں ابھی صفدر بھائی سے بات کروں گی۔“
”کوئی شکوہ نہیں ہے اور نہ شرمندہ کرنا ہے، بس میں تمہاری برداشت نہیں کر سکتی۔“ ان کی آواز بھرا گئی۔
”اچھا آپ پریشان نہ ہوں، میں آج آپ کے پاس ہی ہوں کل اذان کا آف ہے۔“

”اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے کمزور اور بیمار لگ رہی ہو۔“
”بس بہت سے مسائل ہیں۔“
”بتاؤ گی نہیں۔“ آپ نے کہا۔

”کیا بتاؤں، میں تو صرف احتمالات میں گھری ہوں۔“
”کیا ہوا؟“

”میں نے آغا جی کو ہرٹ کیا ہے؟“
”کیا مطلب؟“

”وہ بیمار ہیں لیے سفر پر جا رہے ہیں پھر بھی میں ان کی خواہش پوری نہیں کر سکتی۔“ وہ رنجیدہ خاطر ہوئی۔
”کیسی خواہش؟“

”عارض کو قبول کر لینے کی خواہش کیونکہ وہ ایک باپ ہیں باپ کی محبت بقول ان کے موم سے نہیں بنی ہوتی۔“
”مطلب.....؟“

”ہاں انہوں نے بیٹے کی محبت میں اس کی ہر زیادتی کو فراموش کر دیا۔“ اس نے ان کی بات کا مطلب سمجھ کر بتایا۔
”تو پھر۔“

”پھر یہ کہ میں نے معذرت کر لی بلکہ مجھ سے زیادہ تو صفدر بھائی نے کہہ ڈالا۔“
”عارض نے خود کچھ کہا۔“

”نہیں، وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہے مگر مجھے نہیں سننا۔“

”یہ بھی ٹھیک نہیں اس پر اعتبار کیا ہی نہیں جاسکتا۔“ انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
”وہ تو آج بھی اعتماد دلانے آیا تھا مگر میں نے آج بھی اسے لوٹا دیا۔“ وہ بہت افسردگی سے کہہ کر چپ ہو گئی۔
”لیکن تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تمہیں اس پر اعتبار آ گیا ہے۔“
”وہ کیسے؟“

”بس یہی تو کمال ہے اس محبت کا جب یہ دیکھنا چاہتی ہے تو آنکھوں سے باتوں سے جھلکنے لگتی ہے دیکھ لو، سوچ لو۔“

”آپ اب تو اس نے جان لیا ہے کہ اذان صبح احمد کا بیٹا ہے اور صبح احمد کی اہمیت جان لی ہے۔“
”دیکھو صبح احمد تمہارا پاسٹ تھا اذان سے اس بات کا تعلق نہیں، زندگی کیسے گزارتی ہے یہ سوچو، عارض کو مسترد کرنے سے پہلے سوچو کہ کل سامنے پڑا ہے۔“
”اذان ہے نا۔“

”اذان بچہ ہے اس کی بات نہ کرو۔“
”یہی تو بات ہے کہ وہ اب مجھے اولاد سے بڑھ کر پیارا ہے اس کے باپ نے مجھ پر اعتبار کیا اپنی بہنوں کی موجودگی میں بھی۔“

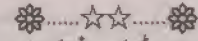
”خیر یہ بھی اس کی خود مرضی ہی تھی۔“
”کچھ ٹھیک ہے آپ کی بات۔“

”ایسا کہ آغا جی سے فون پر معذرت کر لو ورنہ رکھتی رہو گی۔“ زینت آپ نے پانے جانے کیوں یہ بات کی۔
”آغا جی کے کہنے پر ہی تو عارض آیا تھا میں نے معذرت کر لی ہے بلکہ بہت صاف صاف جواب دیا ہے۔“
”خیر، اب یہاں آ جاؤ۔“ زینت آپ اصل مدد سے کی طرف آ گئیں۔

”آپ اپنی الحال یہ ممکن نہیں۔“
”مرضی ہے تمہاری۔“ وہ اداس سی ہو گئیں، عادل بابا نے کھانا لگنے کی بات کی تو اسے بھولی کا خیال آیا۔
”بھولی نظر نہیں آ رہی۔“

”بھولی کی شادی کروا یا ہوں پچھلے جیسے گاؤں گیا تھا۔“ بابا نے بتایا۔
”کیا، اتنی جلدی میں؟“

”بس جی اڑ کا سعودی عرب میں مستری کا کام کرتا ہے چھٹی پڑا تھا رخصت کر آیا ہوں۔“ بابا نے تفصیل بتائی وہ چپ ہو گئی۔



اس نے جھنجھلا کر چوتھی بار زیا کی فون کال کاٹی۔ کھانا ختم کر کے برتن ٹیبل پر رکھے اور بیڈ پر بے فکر سوئے عبدالصمد کو پیار بھری نظروں سے دیکھا وہ بہت معصوم اور پیارا لگ رہا تھا دل نے مجبور کیا تو پہلی بار وہ اس پر جھکا اور چومنے لگا۔ شدت ہی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، بے تحاشا پیار کرتے ہوئے وہ بھول گیا کہ یہ وہی عبدالصمد ہے جسے وہ قبول کرنے کو تیار نہیں تھا اس کو دنیا سے مٹانے کے احکامات دے چکا تھا۔ زیا کو ساتھ لے جانے کا کہہ چکا تھا آج وہی عبدالصمد اس کے بازوؤں کے حصار میں تھا اس کے پیار کا اصل اور جائز حق اور بنا ہوا تھا وہ نہیں جان پارہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ خون کی کشش، اپنے وجود کا احساس یا پھر کچھ اور.....!

فون ایک بار پھر بجا تو اس نے عبدالصمد کو دوبارہ بیڈ پر لٹا کر پہلے فون اسکرین گھوری اور پھر فون اٹینڈ کر لیا۔

”پلیز صفدر، میرا بیٹا مجھے دے دو۔“ زیا کی منت بھری آواز آئی۔

”بیٹا کون سا بیٹا۔“

”صفدر آپ اندازہ کر سکتے ہیں، میں عبدالصمد کے بغیر مر جاؤں گی۔“ زیا رودی۔

”مرو دیا جیو بیٹا اپنے باپ کے پاس ہے اپنے گھر میں۔“ تو وہ سفاکی سے بولا۔

”ہا۔۔۔ کون سا باپ..... کون سا گھر؟“ وہ چلائی۔

”چلاؤ مت، جھوٹ اور فریب کے قلعے سے باہر نکل کر یہ یقین کر لو کہ میرے پاس سب کچھ ہے بیٹا، دوست، ماں اور گھر..... اور تمہیں کیا ملا؟“

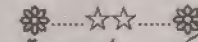
”تمہیں ایسا دوست مہارک مجھے اپنا بیٹا چاہیے۔“

”میری زندگی میں تو یہ ممکن نہیں کہ تمہیں بیٹا دے کر زندگی ویران کر لوں۔“

”مان لیا کہ آپ کی زندگی ہمارے بغیر ویران ہے۔“ زیا کی آواز میں طنز آ گیا وہ جذباتی ہو کر کہہ گیا۔

”ظاہر ہے۔“

”بس اسی بات کا انتظار تھا۔“ زیا نے ذومعنی جملہ ادا کیا اور فون بند ہو گیا، صفدر ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل فون کو دیکھتا رہ گیا زیا کی بات کا مطلب اس نے سمجھا ہی نہیں۔



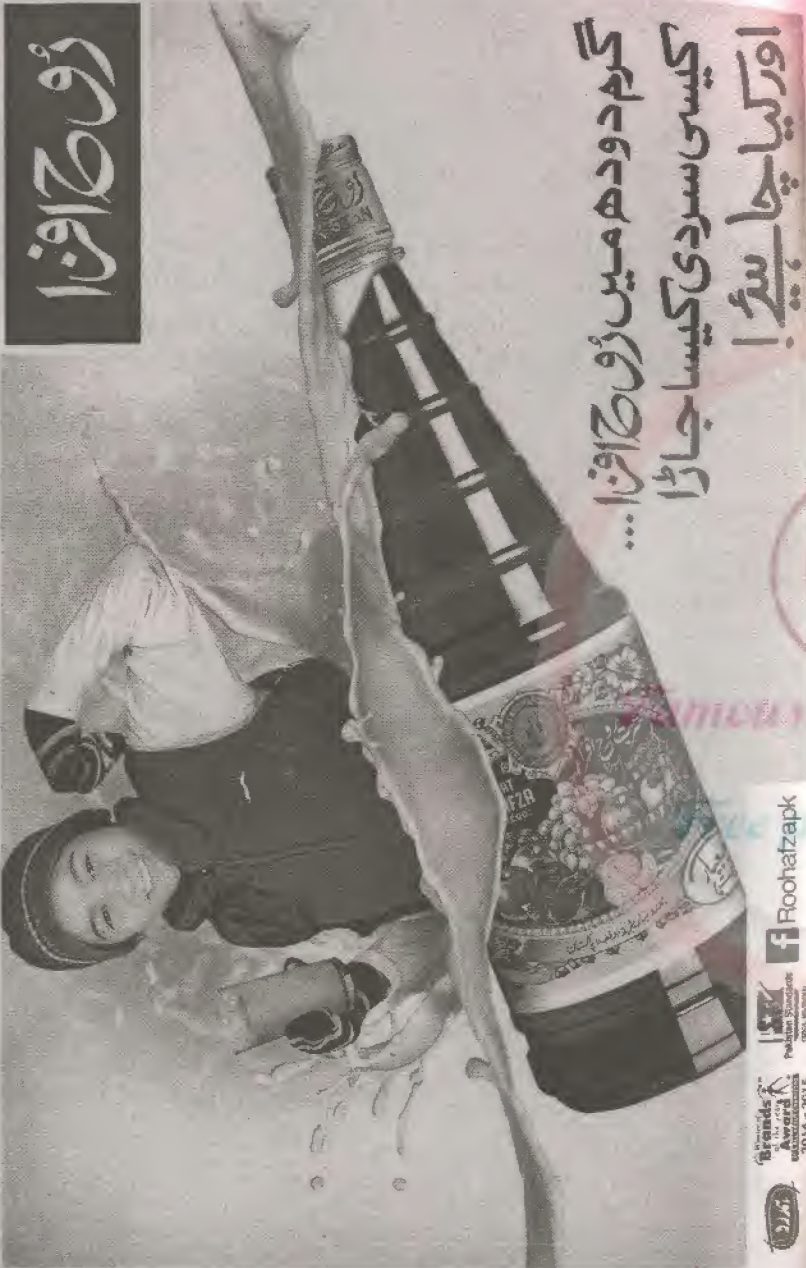
اپنے گھر کی عادت ہونے کی وجہ سے نیند کہیں اور مشکل سے آتی ہے اذان کو بھی نیند نہیں آرہی تھی اسے اپنے موبائل فون پر کیم کھیلنے کی اجازت دے کر وہ ٹیبل پر آ گئی، باہر لان کا منظر بہت دل فریب تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا میں پھولوں کی مہک شامل تھی۔ چاند کی رو پہلی کونوں میں لان کا حسن خوابیدہ خوابیدہ سا لگ رہا تھا۔ وہ دن بھر کی باتیں، خاص کر شام کو عارض کے آنے اور جانے کے احساسات کو دہرا رہی تھی۔ بھی اذان نے اسے با آواز بلند پکارا۔

”ماما آپ کا فون۔“

”فون..... کس کا ہے؟“ وہ اندر آتے ہوئے بولی۔

”عارض انگل کا۔“ اذان نے جواب دیا تب اس نے جھٹکے سے فون اس سے لیا اور واپس ٹیبل پر آ کر بولی۔

”عارض فارگاڈ سیک ہماری منزل کا کوئی راستہ نہیں آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں مت فون کریں مجھے۔“ بنا کوئی



اور کیا چاہیے! کیسی سردی کیسا جاڑا گرم دودھ میں روح افزا...

Roohafazpk

Roohafazpk

Roohafazpk

Roohafazpk

جواب آئے فون کھٹ سے بند ہو گیا۔ اس نے خاص طور پر کڑوا لب و لہجہ اختیار کیا تھا اس لیے جواب کیا آتا تھا۔

”ماما۔“ اذان وہیں آ گیا۔

”ہنہ۔“

”فون۔“

”اب سو جاؤ کسی کا فون نہیں سننا اوکے۔“

”اوکے مگر عارض انگل۔“

”عارض انگل کا بھی نہیں۔“ اذان اس کی بات سن کر چپ چاپ کمرے میں چلا گیا۔ جب اسے کچھ فوس سا بھی ہوا لیکن عارض کی اب کوئی جگہ بن نہیں پار ہی تھی۔ دیکھ کر اسے کمرے کے لیے بین کرنے لگتے تھے۔

”عارض اب کے تجدد و وفا کا نہیں امکان جاناں۔“ ایک طویل سرد آہ اس کے گلانی ہونٹوں کے بیچ دم توڑ گئی۔ وہ پھر باہر آسمان کی وسعتوں میں اپنی ہستی کا احساس تلاش کرنے لگی، وہ بھی تو ایک چاند کی بھٹکی ہوئی روشنی تھی۔ اس کو بھی تو اپنے مرکز سے دوری نے اندھیروں میں بھٹکا رکھا تھا۔

میں، نہیں معلوم آسمان کی وسعتوں میں ہوں

یا پھر

زمین کی گہرائیوں میں ہوں

بس اک حادثہ ہوں

اک تماشا ہوں

محبت کے ہاتھوں لٹا ہوا اثاثہ ہوں

بس کچھ نہیں ہوں میں

محبت جان لے اب

کہ میں اب کہیں اور

کسی کے پاس نہیں

گردش الفت کی نمناک

نگاہوں میں ہوں

نیل سکوں گی کسی کو

خانما خرابوں میں ہوں

آنکھوں سے بہتے پانی کو پلو میں سمیٹ کر کمرے کی طرف پلٹی تو ایک بار پھر فون کی گونج نے رات کی خاموشی میں دل دھڑکا دیا۔ اسکرین پر صفدر بھائی کا نام اور نمبر جگمگا رہا تھا۔ اتنی رات گئے فون آتا ہے حیران کر گیا۔

”ہیلو۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا اور پھر دل تھام کر رہ گئی، حلق میں ایک گولہ سا پھنس گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

✽

تسلی خیریا
نگہ بہت عبد اللہ

اب کے کچھ ایسی تدبیریں کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شاہیں نہ آئیں اگلے سال
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ساجدہ بیگم اور جلال احمد کی منگنی نشاء سے کر دیتے ہیں جبکہ نشاء اس نئے رشتے میں بندھ کر بھی اس حقیقت سے بے خبر رہتی ہے۔ دوسری طرف احسن کو اس بات سے آگاہ کرتے محسن کی بے انتہا خوشی کا بتا کر وہ اسے بھی رضامند کر لیتے ہیں۔ احسن اپنے بھائی کو خوشیوں بھری زندگی کی جانب لانے کے لیے اپنی محبت سے دستبردار ہو جاتا ہے جبکہ نشاء کا خیال اسے بے چین کیے دیتا ہے جب ہی لکٹی بیگم کی زبانی نشاء کے سامنے اصل حقیقت آتی ہے کہ وہ اپنے دل کی بجز اس احسن پر نکال کر اسے مورد الزام ٹھہراتی ہے جبکہ احسن اسے اپنی محبت کی خاطر محسن کا ہاتھ تھام لینے کا کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری طرف محسن بھی سمجھتا ہے کہ نشاء اس رشتے سے خوش ہے اسے دونوں کی محبت کے متعلق کچھ خبر نہیں، نشاء لکٹی بیگم سے شریا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی خاطر اس اجنبی خاتون کا نمبر مانگتی ہے اور اس کی زبانی نشاء کو اپنی بہن صبا اور اپنے والدین کی علیحدگی کے متعلق پتا چلتا ہے۔ راحیلہ خاتون کی طور بھی صبا کو برداشت کرنے پر تیار نہیں جب ہی صبا ان کے سامنے جاذب اور اپنی محبت کا صاف اقرار کر کے انہیں مشتعل کر دیتی ہے۔ ایسے میں جاذب بالکل خاموش رہ کر اسے بالکل تنہا کر دیتا ہے جب ہی اسے جاذب سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور جلد ہی وہ اس محبت اور گھر کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ خان جنید کے

صبح ڈانٹنگ روم میں موجود چند افراد کا تعارف خان جنید نے یوں کروایا۔

”یہ ہمارا سب سے بڑا بیٹا ہے خان جنید آج کل یہ اسلام آباد میں ہوتا ہے اپنے بیوی بچوں سمیت۔“ اس نے ذرا سی پلٹیں اٹھا کر سامنے بیٹھے خان جنید کو دیکھا اور اس کی نظروں میں اپنے لیے ناگواری محسوس کر کے فوراً دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

”جنید کے بعد یہ فریج ہے ہماری اکلوتی بیٹی یہ بیٹیں کراچی میں ہوتی ہے اس کا میاں بہت کامیاب بزنس مین ہے۔“ اس نے دیکھا فریج نفرت کے احساس میں گھری

اس سے لاتعلق نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔
”اور یہ آصف جاہ گزشتہ ماہ ایم بی اے کر کے امریکہ سے لوٹا ہے اور اب میرے بزنس کو پھیلانے میں کوشاں ہے۔“
”ہیلو.....“ بڑے دونوں کے برعکس آصف جاہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔
”اور مٹی اپنے کمرے میں ہے تم ناشتے کے بعد اس سے مل لینا۔“ انہوں نے ظاہر نہیں کیا کہ وہ مٹی سے پہلے بھی مل چکی ہے پھر دونوں ہاتھوں کو ایک خاص انداز سے اٹھا کر تعارف مکمل ہونے کا اشارہ دیا اور ان سب کو مخاطب کر کے بولے تھے۔

”اور بچوں یہ تمہاری بی بی ہیں۔“
”ہی.....“ فریج بولی تھی۔ ”فارگاڈ سیک ڈیڈی اتنی سی لڑکی کو آپ ہماری مٹی تو نہ کہیں اور سوری ڈیڈی یہ بیٹھے بٹھائے آپ کو شادی کی کیا سوچھی؟ کوئی عمر ہے۔“
”کیا مطلب ہے تمہارا میں بوڑھا ہو گیا ہوں کیا؟“
خان جنید نے سختی سے ٹوکا تو خان جنید فریج کا ساتھ دیتے ہوئے بولا۔

”بوڑھے تو نہیں ہوئے لیکن جوان بچوں کے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نانا اور دادا بھی ہیں۔“
”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ انہوں نے

کندھے اچکائے۔
”آپ کو فرق نہیں پڑتا لیکن ہمارے لیے خاصی مشکل کھڑی کر دی ہے آپ نے۔“
”میں سمجھا نہیں؟“

”آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ آپ کے اس اقدام سے ہماری گھر کی زندگی کتنی ڈسٹرب ہوگی۔“
”اور کیا.....“ فریج بول پڑی۔ ”میرے سسرال میں جب سب کو معلوم ہوگا تو میری پوزیشن کتنی خراب ہوگی۔“

”اپنی پوزیشن کا کتنا خیال تھا انہیں اور جو اس وقت اس کی پوزیشن آ کر ڈھور رہی تھی اس کا خیال کی کوئیں آیا کہ وہ ایک رات کی دہن ان باتوں سے اپنے آپ میں چوری

بن رہی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔“
”سارہ کو نہیں جانتے آپ۔“ خان جنید کہنے لگا۔
”اسے تو ایک موضوع مل جائے گا۔ بچوں کا خیال کیے بغیر میرا ریکارڈ لگائے گی۔“
”بس.....“ خان جنید میز پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔ ”بند کرو اپنی اپنی بکواس۔ مجھے اس گھر کے لیے عورت کی ضرورت تھی سو میں لے آیا اور مجھے مٹی کا خیال تھا کس قدر تنہائی محسوس کرتا ہے وہ۔“
”تو آپ اس کے لیے گورنر کا انتظام کر سکتے تھے۔“ فریج روٹھے لہجے میں بولی۔

”یہ سب کر کے دیکھ چکا تھا۔ گورنر اس وقت ٹھیک رہتی جب میں یہاں ہوتا ہوں اور جن دنوں میں باہر رہتا ہوں اسے من مانی کرنے کا موقع مل جاتا تھا اور تم جانتے ہو سال میں چار پانچ مہینے تو میرے باہر ہی گزرتے ہیں۔“
”آپ کیا سمجھتے ہیں مٹی اسے قبول کر لے گا۔“ فریج کا اس کی طرف اشارہ اور لہجہ انتہائی چمک آمیز تھا اور مزید برداشت کی شاید اس میں طاقت نہیں تھی۔ بہت خاموشی سے چیئر ڈھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ خان جنید کو اگر اپنی اولادوں کا خیال نہ ہوتا تو یقیناً اسے روکتے ٹھیک سے ناشتہ کرنے کو کہتے لیکن اس وقت وہ بس اسے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی تو اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر خان جنید نے بھی نہیں بتایا تھا کہ ان کی جوان اولادیں اس شادی پر رضامند نہیں تھیں۔ وہ بمشکل خود کو نئی زندگی سے سمجھوتا کرنے پر آمادہ کر سکی تھی اس صورت حال نے تو اسے یایوں اور دل برداشتہ کر دیا تھا۔ خان جنید بہت غلٹ میں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ غالباً فوراً کہیں جانے کا ارادہ تھا لیکن اسے یوں چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے اس کے پاس رکے۔

”کم آن صبا تمہیں ان باتوں کو محسوس نہیں کرتا

چاہیے اور پھر انہیں کون سا یہاں رہنا ہے ابھی فریحا اپنے گھر چلی جائے گی اور جمشید غالباً شام کی فلائیٹ سے جائے گا۔ انہوں نے آصف جاہ کا انہیں بتایا کہ وہ کب کہاں جائے گا۔

”بھئی کہاں ہے جس کے لیے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔“ ان کی بات نظر انداز کر کے وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ میں تمہیں اپنے لیے لایا ہوں۔ مجھے بیوی کی ضرورت تھی اس لیے شادی کی ہے تم سے۔“ وہ جھنجھلائے۔

”اور بھئی.....“

”بچوں کے سامنے کیا کہنا؟ مصلحتاً بھئی کا سہارا لیا۔“ پھر جاتے جاتے کہنے لگے۔

”اور سنو میں بہت مصروف آدمی ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ گھر میں جو تھوڑا بہت وقت گزاروں آرام اور سکون سے رہوں۔ تم سمجھ دو لڑکی ہو اس بات کا خیال رکھنا کہ گھر میں کوئی جھگڑا کشیدگی یا ٹینشن برداشت نہیں کروں گا۔“ اس نے بہت خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر کتنی دیر تک یونہی بیٹھی رہی تھی۔

وہ بھئی کے کمرے میں داخل ہو کر رکی۔ بھئی گھر کے پرانے ملازم بابا پر بگڑ رہا تھا جو اسے ناشتا کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ چند لمحوں میں صورت حال سمجھ کر آگے بڑھی۔

”بھئی..... تم ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟“

”میری مرضی۔“ بھئی اکھڑے لہجے میں بولا۔

”اچھی بات ہے۔“ وہ کہہ کر بابا سے مخاطب ہوئی۔

”آپ جاؤ بابا جب بھئی کا دل چاہے گا ناشتا کرے گا۔“

”اے.....“ بھئی خوش ہوا۔ ”آپ نے تو بڑی جلدی میری بات سمجھی۔“

”اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات تھی۔“ اس نے کہا تو بھئی زور دے کر بولا۔

”بھئی تو میں بھی کہتا ہوں کسا خرمیری سیدھی سارا باتیں لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتیں۔ اب دیکھو میرا ناشتا کرنے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن بابا بعد تھکے میں ناشتا کروں کیونکہ ڈیڈی کا حکم ہے اور ابھی کچھ دیر میں ڈیڈی فون کر کے بابا سے پوچھیں گے کہ میں نے ناشتا کیا یا نہیں۔“

”اب نہیں پوچھیں گے کیونکہ اب میں آگئی ہوں۔“ وہ اس کی پوری بات سن کر بولی تب ہی آصف جاہ آ گیا۔ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر غالباً پہلے ٹھٹکا پھر آگے آئے ہوئے بھئی سے پوچھنے لگا۔

”بھئی تمہارا تعارف ہو گیا ان سے؟“

”آپ جانتے ہیں انہیں؟“ بھئی نے الٹا اس سے پوچھا۔

”ہاں بھئی یہ انکل کی مسز ہیں۔“ آصف جاہ نے کہا تو اس کے انکل کہنے پر صبا کن اکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”بالکل ٹھیک۔ بہت اچھا کیا ڈیڈی نے ان سے شادی کر کے۔“ بھئی پر جوش ہوا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ انکل نے اچھا کیا لیکن جمشید بھائی اور فریحا.....“ آصف جاہ برا سامنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

”کیوں ان دونوں کو کیا تکلیف ہے۔“ بھئی کا لہجہ بڑے بھائی اور بہن کے لیے خشکی لیے ہوئے تھا۔

”ان دونوں کا کہنا ہے کہ سرال والے ان کا مذاق اڑائیں گے اور پتا ہے ناشتے کی ٹیمبل پردوں نے ان کے سامنے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ سچ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔“ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”پلیز آپ خیال مت کیجیے گا۔“ وہ کیا بقی خاموش ہی رہی اسی وقت بابا پھر ناشتے کا پوچھنے آگئے تو آصف جاہ تعجب سے بولا۔

”کیا مطلب تم نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا؟“

”دل نہیں چاہ رہا تھا۔“

”چلو اب کر لو بلکہ انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لو کیونکہ یہ بغیر ناشتا کے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔“ آصف جاہ نے کہتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔

”پہلے ایک بات طے کر لیں کہ ہم انہیں کیا کہہ کر مخاطب کریں گے۔“ بھئی نے کہا تو آصف جاہ بے ساختہ مسکرایا۔

”یہ واقعی سوچنے کی بات ہے۔ اوکے میں آفس جا رہا ہوں تم ان کے ساتھ مل کر طے کر لینا۔“ آصف جاہ غالباً داس بجا کر بھاگتا تھا۔

”آپ بتائیں خود کو کیا کہلوانا پسند کریں گی۔“ بھئی اس سے مخاطب ہوا تو وہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی اسی کھوئے انداز میں بولی۔

”جو بھی نام دو بس اتنا خیال رکھنا کہ میری عزت نفس مجروح نہ ہو۔“ پھر اس نے بھئی کے ساتھ ناشتا کیا اس کے بعد پہلی کی طرح اس کی اسٹڈی اور پھر بائینر میں اس کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔

راجیلہ خاتون ٹریا اور صبا کو گھر سے نکال کر طہیستان سے تو ہو گئی تھیں لیکن انہیں جاذب کی فکر تھی کیونکہ جاتی وہ بھی تھیں کہ معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ جاذب بھی صبا کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا اور ان کے رعب کے باعث بر ملا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن کب تک انہیں یہی خدشہ تھا کہ کسی دن وہ ان کے مقابلے نہ کھڑا ہو جائے اور اسی خدشے کے باعث وہ صبا کو نکالنے کے پلان کرتی تھیں اور آخر کار کامیاب بھی ہو گئیں تو اس کے بعد جاذب کی فکر کہ کہیں وہ صبا کے غم کو روگ نہ بنالے اور اگر اس نے روگ بنایا بھی تھا تو ظاہر نہیں کر رہا تھا بس چپ چپ رہتا تھا۔ راجیلہ خاتون نے بھی سوچا کہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن دونوں سے وہ بے حد متوجش پھر رہا تھا۔ جس سے راجیلہ خاتون بھی اور انہیں پہلا خیال یہی آیا کہ ضرور وہ پھر ٹریا اور صبا کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔ اس وقت وہ نگار سے یہی بات کر رہی تھیں کہ جاذب کے آنے پر فوراً پیٹر ابل کر

اسے مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

”اچھی گئیں تمہاری پھوپھو کہ کوئی اتنا پتا ہی نہیں دیا۔“

”آپ کیا کریں گی اس اتنا پتا معلوم کر کے۔“ وہ دل کھنگی سے بولا۔

”مجھے کیا کرنا ہے بس فکر کی ہے کہ پتا نہیں کہاں گئیں۔ سر چھپانے کو ٹھکانا ملا نہیں۔“ انہوں نے بظاہر ہمدردی جتائی تو وہ بخوشی سے ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

”آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابی انہیں بہت اچھا ٹھکانا مل گیا ہے۔“

”تمہیں کسے پتا تم نے دیکھا ہے۔“ راجیلہ خاتون نے اپنے اندر اٹھتے اہال کو کھینچ لیا۔

”جی کچھ دن پہلے کلفٹن کے شاپنگ مال پر پھوپھو سے ملاقات ہوئی تھی۔ صبا کی شادی کی شاپنگ کر رہی تھیں۔“ اس نے بتایا تو نگار اچھل پڑی۔

”کیا..... صبا کی شادی کب ہے؟“

”اب تو ہو بھی گئی ہوگی۔“ وہ اپنا درو چھپا رہا تھا اور راجیلہ خاتون کے اندر نیارود جاگ اٹھا تھا۔

”ہائیں بلانا تو دور کی بات بتانا بھی ضروری نہیں سمجھتا تمہاری پھوپھو نے ارے کم از کم اپنے بھائی سے تو مشورہ کر لیتی۔ کہاں کی اس کی شادی؟“ اصل بات آخر میں پوچھی۔

”بہت اونچی میرا مطلب ہے اچھی جگہ اس کے شوہر نے سی ویو پر اپارٹمنٹ صبا کے نام کیا ہے وہیں پھوپھو جاتی ہیں۔“ وہ اپنے کسی خیال میں کھو کر راجیلہ خاتون کو ایسی معلومات فراہم کر رہا تھا جس سے ان کے سینے پر سناپ لٹنے لگے تھے۔ ایسے خواب تو وہ نگار کے لیے دیکھتی تھیں اور نگار کی اگندہ دال ٹھیک رہی تھی۔

جاذب خاموش ہوا تو راجیلہ خاتون کا سازشی ذہن فوراً متحرک ہو گیا اور پھر سارے بھئی جذبات چھپا کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے بھئی کے فرض سے سبک دوش ہو گئی ٹریا۔ چلو اس نے ہمیں نہیں پوچھا ہم تو مبارک

لہجے میں بولی۔

”نہیں میں بتا لوں گی۔“

”بیٹا! اپنے تایا ابو کی باتوں کا برا امت ماننا“ کبھی کبھی یونہی غصے میں آ جاتے ہیں۔ ورنہ تم جانتی ہو وہ تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔“ ساجدہ بیگم نے اس کی خشکی محسوس کر کے کہا پھر اس کی پیشانی پر لکیریں ابھرتی دیکھ کر بات بدل گئیں۔

”ممنی نے تمہیں بتایا احسن آ رہا ہے۔“ اور ہمیشہ کی طرح اس خبر پر نسا کا دل دھڑکا۔ ”نکھیں چکیں اور نہ ہی بے اختیار ہو کر اس نے“ کب“ کہا بہت خاموشی سے سنا اور قدرے رخ موڑ کر جلدی سے دو گلوں میں چائے ڈال کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

”حسن نے حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ ابھی تو وہ چائے پینے سے منع کر گئی تھی اور اس التفات کو جانے کیا سمجھا کر نگلے کہ اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔

”تمہارا بل بل بدلتا رہ میری کچھ سے باہر ہے۔ کبھی زندگی کی نوید دیتی ہو اور کبھی جو چند سائیں باقی ہیں وہ بھی جھین لینے کے درپے ہو جاتی ہو۔“

”میرا ہاتھ چھوڑیں۔“ وہ الجھ کر اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔

”نہیں میرے پاس بیٹھو مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟“

”کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔“ وہ جھپٹنے سے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹی پھر کھڑکی کے قریب کرسی گھسیٹ کر اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔ پتا نہیں اسے احساس تھا یا نہیں کہ اس کے پیچھے بیٹھا حسن جلال احمد اس کی اس حرکت سے کس

قدر آ زردہ ہو گیا تھا اس کی جگہ اگر کوئی توانا مرد ہوتا تو یوں اپنی طرف پیٹھ کرنے پر اسے کرسی سمیت اٹھا کر پھینک دیتا

اور حسن جلال احمد ایسی توانائیاں کہاں سے لاتا؟ چپ چاپ اس کے بالوں کو دیکھتا رہا جو کرسی کی پشت سے پیچھے

جھول رہے تھے گھنے سیاہ بال ماؤس کی راتوں جیسے یا شاید اس کے مقدر جیسے۔

”احسن بھائی آ رہے ہیں؟“ وہ ہاتھ بڑھا کر کھڑکی

کھولتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”ہاں۔“ کھڑکی کھلنے سے جو سرد ہوا اندر چلی آئی تھی

اس سے بچنے کی خاطر حسن نے لحاف سینے تک سمجھ لیا لیکن اسے کھڑکی بند کرنے کو نہیں کہا۔

”اکیلے آ رہے ہیں یا۔۔۔۔۔“ وہ کھڑکی سے باہر کھلے آسمان پر جھلکاتے ستاروں میں جانے کیا تلاش کرتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

”کیا مطلب؟“ حسن سمجھا نہیں۔

”ہو سکتا ہے انہوں نے وہاں شادی کر لی ہو اور بیوی کے ساتھ آ رہے ہوں۔“ اس نے کہا تو حسن ذرا سا ہنس کر بولا۔

”اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو احسن بھائی اطلاع ضرور دیتے۔“

”ہو سکتا ہے انہوں نے ضرورت نہ سمجھی ہو یا پھر سر پر از دیے کی خاطر۔“

”ایسا ہوتا ضرور ہے لیکن احسن بھائی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔“ اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”نہیں میں انہیں اچھی طرح نہیں جانتی۔ جب وہ یہاں سے گئے تھے اس وقت میں کچھ ذہن کی بے وقوف

لڑکی تھی۔ ظاہری خوب صورتی سے متاثر ہونے والی۔ محنتی تھی جو ظاہر ہے وہی باطن بھی ہوگا۔“

”اور اب؟“ حسن کو اس کی طرف دھیان رکھنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کرنی پڑ رہی تھیں۔

”اب میرا خیال ہے میں ظاہر دباطن میں تمیز کر سکتی ہوں۔“ وہ دعوے سے بولی۔

”اچھی بات ہے پھر تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ احسن بھائی جتنے خوب صورت نظر آتے ہیں اس سے کہیں

زیادہ خوب صورت تیاں ان کے اندر ہیں۔“

”اچھا۔۔۔۔۔!“ وہ پتا نہیں کیوں ہنسی اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے جانے کیا سوچنے لگی۔ سرد ہوا کے جھوکے مسلسل اس کے چہرے کو چھو رہے تھے جس سے اس کا چہرہ رخ ہو گیا تھا۔ ناک

قرآنی آیات کی عام فہم تفاسیر جنہیں

مشتاق احمد قویسی

نے مستند تفاسیر اور حوالوں سے آراستہ کیا ہے

کتاب کا نام

تفسیر آیات ربنا اتا	تفسیر سورۃ اخلاص
تفسیر سورۃ النصر	تفسیر معاذ اللہ
تفسیر سورۃ الہب	تفسیر سورۃ العصر
تفسیر آیات اللہ ذوالجلال	تفسیر سورۃ الکفر ون
تفسیر سورۃ الشمس	تفسیر سورۃ الفاتحہ
تفسیر سورۃ القریش	تفسیر سورۃ کلمہ طیبہ
لقد خلقنا الانسان	تفسیر سورۃ معوذتین
تفسیر سورۃ القدر	تفسیر سورۃ الکواثر
آسمانی صحیفے اور قرآن	تفسیر آیات السلام علیکم
تفسیر سورۃ الماعون	تفسیر آیات یا ایہا الذین امنو

امام اعظم حیات و فقیہ کارنامے

ملنے کا پتا ہے افق گروپ آف پبلی کیشنز 7 فرید چیمبر عبداللہ

ہارون روڈ کراچی

اسلامی کتب خانہ۔ فضل النبی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

سے الگ پانی بننے لگا تھا پھر بھی اس نے کھڑکی بند نہیں کی بس کچھ دیر کے لیے ہاتھوں سے چہرہ دھو کر پانی پھر جب سیدھی ہوئی تو پوچھنے لگی۔

”ایک بات بتائیں سن، تاپا ابو نے آپ کی شادی کرتے وقت احسن بھائی سے مشورہ کیا تھا؟“

”ہاں۔“

”پھر کیا کہا تھا انہوں نے؟“ وہ پتا نہیں کیا جانا چاہتا تھا۔

”وہ بہت حیران ہوئے تھے انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا بار بار کہتے نشاء ہے پوچھ لیا۔ شاید میری طرح انہیں بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔“ احسن نے بتایا تو اس کے ہونٹوں سے سسکی کی صورت نکلا۔

”پھر؟“

”پھر انہوں نے مجھ سے تصدیق کرائی۔“

”آپ سے کیوں انہیں مجھ سے تصدیق کرنی چاہیے تھی۔ مجھ سے پوچھتے۔“ وہ بلا ارادہ کہے گئی۔

”تم کیا کہتی ہیں؟“

”میں.....“ وہ ایک دم سنبھلی۔ ”ظاہر ہے جو آپ نے کہا۔“

”لیکن اب ایسا لگتا ہے نشاء جیسے تم مجھ سے شادی کر کے بچھتا رہی ہو۔“ وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔

”واقعی محبت اندھی ہوتی ہے جب ہی مجھ سے محبت کرتے وقت میری ذات سے جیسے روگ تمہیں نظر نہیں آئے۔“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گھٹاؤں جیسے بایوں کو سمیٹ کر چوٹی کی شکل دیتے ہوئے یوں ظاہر کرنے لگی جیسے کچھ سنائی نہیں۔

”پلیئر کھڑکی بند کر دو اب مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی۔“ وہ کہہ کر کھانسنے لگا تو اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کر دی۔

.....♥♥♥.....

رات اپنے اختتامی مراحل میں تھی جب احسن کی طبیعت قدرے سنبھلی اور وہ سو سکا۔ نیند تو اسے بھی آ رہی

تھی اور وہ سو نہا بھی جاتی تھی لیکن اذان کی آواز سن کر اس نے سونے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی۔ چائے بنا کر وہیں کھڑکی پی رہی تھی کہ ساجدہ بیگم آگئیں اسے دیکھ کر یوں۔

”بہت جلدی اٹھ گئیں۔“

”میں سوئی کب تھی۔“ اس نے سوچا اور بس سر ہلا دیا۔

”تمہارے تاپا ابو تو اٹھتے ہی اڑ پورٹ چلے گئے۔“

ساجدہ بیگم نے تسلی میں آٹا نکالتے ہوئے بتایا تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

”اکیلا؟“

”ظاہر ہے اور کون ہے ساتھ جانے والا؟ احسن تو غالباً.....“

”لایئے آٹا میں گوندھ دوں۔“ وہ ان کی بات پر توجہ دینے بغیر یوں اور آٹے کا تسلا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ کہنے لگیں۔

”آٹا میں گوندھ لوں گی تم احسن کے آٹے پر گرم گرم پرائے بنا دینا۔“ وہ ہلکے سے کندھے جھک کر وہاں سے نکل آئی۔ کمرے میں آ کر دیکھا احسن کے زیر سر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑکی اس کی خراٹوں کی آواز سنتی رہی پھر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی تو بغل سے اخبار نکال کر دیکھنے لگی۔ اسے بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ برآمدے میں سے جلال احمد کی آواز آنے لگی۔ وہ وہیں سے ساجدہ بیگم کو پکار رہے تھے۔ ان کی آواز کی ٹھک بتا رہی تھی کہ بڑھاپے کا سہارا جھانکنا دونا بیٹا ساتھ کھڑا ہے۔ شانے سے شانہ ملا کر۔

اور اصولاً تو اسے بھی اٹھ کر جانا چاہیے تھا لیکن وہ یونہی لاتعلقی بیٹھی رہی۔ باہر سے ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں پھر شاید احسن نے احسن کے بارے میں پوچھا اور کچھ دیر بعد ہی دروازے پر دستک دے کر پہلے جلال احمد اور ان کے پیچھے احسن اندر داخل ہوئے نظر آئے۔

”السلام علیکم“ وہ سلام کرتے ہوئے کھڑکی ہو گئی اور بے دھیانی میں انہیں دیکھنے لگی جبکہ اس کے اندر دور تک

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

.....♥♥♥.....

احسن کو آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس دوران وہ صرف ایک بار گھر سے نکلے تھے وہ بھی بلال احمد اور لڑائی کی دعوت پر روز سارا وقت ایک تو ساجدہ بیگم کا انہیں دیکھ دیکھ کر دل نہیں بھرتا تھا دوسرے وہ خود زیادہ وقت محسن کو دے رہے تھے جس سے شام چلنے لگی تھی اور اس وقت اس کی ناگواری محسوس کر کے وہ گھر سے نکل آئے تھے اور کیونکہ باقاعدہ کسی پروگرام کے تحت نہیں نکلے تھے اس لیے بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہے پھر ہسپتال دیکھ کر جہاں انہوں نے پریکٹس کی تھی وہ رہائش سکے وہیں گاڑی روک دی۔ پھر ناظم دیکھتے ہوئے سیدھے ڈاکٹر ثانیہ کے روم میں آئے تو وہ انہیں دیکھ کر کھل گئی تھی۔

”کیسی ہو؟“ احسن اس کے سامنے چہرے کھینچ کر بیٹھ گئے تو وہ شاکی ہو کر بولی۔

”بڑے بے پروا ہو۔“
 ”یہ میری بات کا جواب تو نہیں ہے۔“ انہوں نے
 ملاحظہ ہو کر لڑکا۔
 ”چلو تو تم جواب دے دو۔ کب سے آئے
 ہوئے ہو؟“

”غالبا ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔“ انہوں نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔
”کیا تمہیں جوان کر لیا ہے؟“
”نہیں، ابھی تک تو کھر میں ہی تھا، اب سوچ رہا ہوں۔“

”سوچو مت“ وہ فوراً بولی تھی۔ ”اپنی جگہ واپس آ جاؤ“ ہم سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں یا تمہارا ارادہ کچھ اور ہے؟“

”مطلب؟“ وہ سمجھ نہیں۔

”مطلب امریکا سے آئے ہوا تھا تو کمالائے ہو گئے
 کہ اپنا کلیٹک سیٹ کر سکوں“ تانیہ کی وضاحت پردہ ذرا سا
 بنے تھے۔
 ”کلیٹک بھی سیٹ کروں گا، لیکن اس میں کچھ وقت
 لگے گا۔ انی وے تم سناؤ۔“

●♥●.....●♥●.....●♥●

جب ثریانے اسے بتایا کہ اس کے ماموں ممانی آئے
تھے تو وہ ہنستے سے اکھر گئی۔

”کیوں..... کیوں آئے تھے؟ اب کیا کرنے آئے
تھے اور آپ نے آئے کیوں دیا انہیں۔“

”تو کہا میں منع کرتی دروازہ بند کر دیتی انہیں دیکھ کر۔“

ثریانے کہا تو وہ زور سے کربولی۔

”یہی کرنا چاہیے تھا آپ کو۔“
 ”نہیں بیٹا، میں نہیں کر سکتی اگر انہوں نے ہمارے
 ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم
 بھی ویسا ہی کریں۔ تم بھی اپنا دل صاف کر لو۔“ ثریا نے
 میری اس سمجھات ہوئے کہا تو وہ مزید سگ کر لی۔

”ہرگز نہیں میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اس
 گھر میں سچ پکا حصہ آپ کو دلا کر رہوں گی۔“
 ”مجھے کوئی حصہ نہیں چاہیے مجھیں تم اگر ان سے کوئی
 تعلق نہیں رکھنا چاہتیں تو تم رکھو لیکن میں تعلق نہیں
 توڑوں گی۔“ ثریا نے ناراضگی اور سختی سے کہا۔
 ”آپ تو ایس.....“ وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی تو
 ثریا نے فوراً ٹوکا۔

”اتنی ہی دیر کے لیے تھی۔“

”آپ ہی تو کہتی ہیں کہ بیٹیاں اپنے گھروں میں اچھی لگتی ہیں۔“ وہ قصداً اسی پھر ثریا کے محلے میں بائیس ڈال دیں کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے جانے کے بعد اس کی ماں اس کی باتوں اور غصے کو سوچ کر پریشان ہو۔

”اصل میں امی خان صاحب اپنی روٹین کے بہت پابند ہیں۔ جلدی سوتے جاگتے ہیں۔ رات کا کھانا ٹھیک ساٹ بجے ٹیبل پر لگ جاتا ہے۔ میں پھر کسی دن صبح سے آؤں گی ٹھیک۔“ ثریا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا پھر اس کی پیشانی چومی تو جواباً اس نے ثریا کا گال چوما اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

گھر آئی تو خان جنید آچکے تھے اور مٹی کے ساتھ بیٹھے
 بیوی دیکھ رہے تھے۔ اس نے سلام کیا تو سر کے اشارے

سے جواب دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”میں چیلنج کر لوں۔“
 ”جی.....“ اس نے انہیں کمرے میں جاتے ہوئے
 دیکھا پھر بیٹی سے بولی۔
 ”چلو بیٹی کھانا کھالیں۔“
 ”ڈیڈی کو تو آنے دیں۔“
 ”تمہارے ڈیڈی دو منٹ میں آ جائیں گے۔“ وہ
 کہتے ہوئے بیٹی کی چیز دھکیل کر ڈائننگ روم میں لگاؤ
 اور واقعی خان چید فوراً آ گئے تھے۔

”آصف نہیں آیا؟“ خان جنید نے بیٹھے ہی پوچھا۔
 ”آصف بھائی اتنی جلدی کب آتے ہیں فیڈی۔“
 بنٹی نے کہا تو وہ ہول کر کے رہ گئے۔ پھر کھانے کے بعد
 خان جنید چائے پینے تک لاؤنج میں بیٹھے اس کے بعد
 اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ روزانہ کی طرح کچھ دیر بنٹی
 کے ساتھ ٹی وی دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔
 لیکن وہ خان جنید کی طرح جلدی سونے کی عادی نہیں تھی۔
 کوشش کرتی تب بھی اسے نیند نہیں آتی تھی اور کروٹیں
 بدلنے سے سخت چڑھتی۔

معمول کے مطابق جب خان جنید دس بجے سوکے تب وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی اور پہلے بیٹی کے کمرے میں چھاٹکا اور اسے سونے کی تیاری کرتے دیکھ کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ ٹی وی آن کیا تو عابدہ پروین کو دیکھ کر شوق سے سننے لگی۔

”بی جا یا تم کو بھی کبھی بس کے ناصر
غم سہنے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے
اس کے بعد دوسری غزل پھر گیت اور آخر میں!
چھٹی دوڑیں دے طیبیا میں سے تیرے مر گئیں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھا.....!
وہ خود بھی ساتھ ساتھ گنگنانے لگی تھی اور جب پروگرام
کا اختتام ہوا تو اس نے اٹھ کر بیوی بند کیا پھر لائٹ آف
کرنے کے ارادے سے سوچا بورڈ کی طرف بڑھی تھی کہ
آصف جاں اپنے کمرے سے نکل کر آ گیا۔



سے

نارے شمارے شائع

ہو گیا ہے

جنوری 2016ء کے شمارے کی ایک جھلک

مشق کسی کی ذات نامہیں: مشق عقل پر عمل جاری رکھیں جس کی کامیابی پر انھیں یقین حاصل ہو جائے۔ مشق کا مقصد ہے کہ، جس ذات سے ہر دیکھ کر عقلی تبدیلی سے ہر دیکھ آپ کو سزا ملے۔ جس قدر دماغ کے درمیان اپنے کردار سے دیکھ کر ہر دیکھ میں شک ہے جس کے پاس آگائی حاصل ہو تو عقل سے ہر میدان میں عمل کرتا ہے جو ایک کارکن کی شناخت ہے۔ انسانی ذات سے ہر میدان میں عمل ہے جیسا حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ ایک دوسرے کی پہچان پر حاضری سے کی دماغی باتیں ہیں بلکہ خود اپنے کردار سے جبریت کر دیتی ہے کہ کوئی سزا ہوتی ہے بلکہ جاتا ہے۔ مشق اور حاصل مشق کے درمیان وقت ملے گا کہ اگر کسی کو خود بھی نہ سمجھ سکے تو اس کے لئے شرم ہے۔

[illegible]

زلف کا اسفر: عزت و کرامت کے لیے جو شخص بھی اس کے زلف کو ہاتھ لگائے اس کی عزت و کرامت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو شخص بھی اس کے زلف کو ہاتھ لگائے اس کی عزت و کرامت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو شخص بھی اس کے زلف کو ہاتھ لگائے اس کی عزت و کرامت ختم ہو جاتی ہے۔

تلاشِ سحر: گوں کو کھلی ٹانگہ کا پیچھا کرنا ہے جس نے دوسرے کی غیبت طعنہ لگا کر کہہ کر دیا نہیں۔ عقلی حرکت خود بخود نہیں کی جاتی بلکہ اس کی دھاک بھاد کوئی ایسی عقلی حالت نے دی ہے۔

بالہ پاکستان نے اس وقت اپنی عقل کو اس کے خلاف کارروائی کے لئے اس کے لئے خود غماض نہایت بہانہ کیے جاتے تھے۔ اس کے خلاف نہایت سے بڑے بڑے لیڈر اس کے بھول کر خلاف جنگی جتن کھین

کرتے تھے۔ لیکن یہ سب اس کے خلاف کارروائی کے لئے نہ تھا کہ اس کے معضلوں کو حل کر دے جس نے اس کے خلاف کارروائی کی منزل پر پہنچنے کی گنجائش تھی۔

مخاطب کر کے پوچھا۔

”سنو کیا کرتے ہو تم؟“

”اتنی جلدی بھول گئیں آپ انکل نے بتایا تو تھا کہ میں ان کا پرنس پھیلانے میں کوشاں ہوں.....“ اس نے خان جہنڈی کی بات دہرائی تو اس نے یونہی سر ہلا کر پوچھا۔

”چائے بھی پیو گے؟“

”نہیں۔“ اس کے مختصر جواب کے بعد پھر خاموشی چھا گئی تو اس نے اپنے آپ گنگنا کر شروع کر دیا کیونکہ باتیں کرنے سے اس کا اعتماد لوٹ آتا تھا۔ جسے وہ خاموشی کی یاد میں کھوتا نہیں چاہتی تھی۔

”ذرا اوپچی آواز میں گائیں تاکہ میں بھی سنوں۔“

آصف جاں کے ٹوکے پر اس نے وہیاں نہیں دیا اور اس طرح گنگنائے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہی۔ چار باج ٹوسٹ بنا کر اس کی طرف دیکھا تو دھنوا ہوا۔

”بس اتنے کافی ہیں۔“ اس نے پلیٹ اٹھا کر اسے پلہ تھما دی پھر چوہا بند کر کے ہاتھ دھوئے اور دوپٹے کے پلہ سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

”او کے آپ میں ہونے جا رہی ہوں۔“

”جی نہیں میرے کھانے تک آپ یہیں موجود رہیں
 گی اور کھانے میں میرا ساتھ بھی دیں گی۔“ آصف چال
 نے کہتے ہوئے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی جسے اس نے
 اپس اس کی طرف دھکیلا اور فوراً شب بخیر کہہ کر وہاں سے
 نکل گئی۔

اس کے پوچھنے پر خان جنید اسے آصف جاں کے

”صَف میرے بہت عزیز دوست کا بیٹا ہے گو کہ میرا دوست معظم جاہ اس دنیا میں نہیں رہے اس کے انتقال کو بہت سال ہو گئے ہیں اس وقت آصف دوسال کا تھا اور عینِ بچپن کا دستور ہے چار دن ہمدردی کے بعد سب بھول جاتے ہیں تو یہاں بیٹا بھی بالکل تیار ہو گئے تھے بے دردمندگار اور میں روتی نہیں بھول گا کہ میں نے انہیں سہارا

”کیا تمہیں نیند میں جلنے کی عادت ہے؟“ اس نے آصف جال کی سوئی سوئی آنکھیں دیکھ کر پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ لائٹ آف کرنے کا خیال چھوڑ کر پوچھنے لگی۔

۳۳

”جی اگر کچھ ہے تو.....“ اس نے کہا تو وہ تجھی نہیں۔
”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے کھانے میں کچھ ہلکا پھلکا مل جائے
تو بہت بھوک لگی ہے۔“

”تم نے کھانا نہیں کھایا؟“ اس نے ٹائم دیکھا بارہ بج رہے تھے۔

”ہمیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کھانا نہیں کھاؤں گا۔“

”اچھا میں کچھ اور دیکھتی ہوں۔“ وہ فوراً چٹن میں آگئی اور ابھی فریج کا جائزہ لے رہی تھی کہ وہ اس کے پیچھے آکر بولا۔

”سوری میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔“ وہ کچھ نہیں بولی فریج سے انڈے نکالے پھر ڈبل روٹی اٹھاتے ہوئے اس سے لوجھا۔

”کیا بنا دوں! آلیٹ مافرائی کھاؤ گے۔“

”ایسا کریں فریج ٹوسٹ بنادیں۔“ وہ اسٹول بھیج کر اٹھتے ہوئے بولا تو وہ بہت خاموشی سے اٹھنے لگی پھر اس میں جھینڈی دودھ ملا تے ہوئے معاً خود کو اس کی نظروں کی گرفت میں محسوس کر کے کچھ زور سی ہو گئی۔ حالانکہ شادی سے پہلے وہ جتنی بولڈ تھی اب اتنی پراعتماد پھر جانے کیسے کسی کی نظروں سے پریشان ہو گئی۔ شاید بھٹکتی ہوئی رات خاموشی اور تنہائی، خان جنید اسے اپنا بننا سمجھیں یا بھانجا اور لکران کے حوالے سے وہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کوئی شہتہ جوڑے تب بھی اس کی ماں جیسی تھی نہ خالہ جیسی کہ وہ کوئی چھوٹا سا بچہ نہیں تھا پورے چھ فٹ اونچا اور اس کے لیے بالکل غیر اوجھڑی۔ بہت کوشش سے وہ اس کی طرف سے ذرا سارے موزر سکی پھر خاموشی توڑنے کی خاطر اسے

ہوں گی۔“

”بھلا ایسی بات نہیں ہے۔“ وہ فوراً بولے۔ ”موننی تمہاری شکایت کیوں کرے گا اس کے پاس تو سوائے تمہاری تعریفوں کے اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔“ وہ تنگ پڑ کر دوسری سمت دیکھنے لگی تو احسن اس کے قریب آ کر نرمی سے گویا ہوئے۔

”غلط مت سمجھو نشاء میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس سے لڑامت کرو تمہاری ذرا سی خشکی اسے بے حد زردہ کر دیتی ہے۔ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ وہ ہر وقت افسردہ رہے۔“ اس کی آنکھیں یقیناً پانیوں سے بھر گئیں تو وہ ٹوک کر کہنے لگے۔

”اول ہوں خود بھی خوش رہو اور اسے بھی خوش رکھو تاکہ ہمارے ساتھ گھر کے درو یار کو بھی پتا چلے کہ اس گھر میں ایک جوان جو زار جتا ہے۔ تمہاری چوڑیوں کی کلنگ ہو، موننی کی ہنسی کی جھنکار ہو تو جلتے تنگ بجے کچھ تو ہو، یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یوں لگتا ہے جیسے میرا جنازہ تیار رکھا ہو۔“

”اللہ نہ کرے۔“ وہ دہل کر فوراً بولی تو ان کے چہرے پر ایک رنگ لہرایا گیا۔

”اگر یہی صورت حال رہی تو جیجی ایسا ہو سکتا ہے۔“ ”بس کریں احسن بھائی ایسی باتیں نہ کریں۔“ وہ نرم دل لڑکی خائف ہو گئی تھی۔

”میرے پاس اچھی باتیں بھی ہیں اگر سننا چاہو۔“ ”کیا؟“ وہ پھٹکی پھٹکی اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

”وہ یہ کہ جب میرا کلینک اسٹارٹ ہوگا تو میں ریمپشن پر موننی کو بٹھاؤں گا کیونکہ اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس پر چھوٹی موننی ذمہ داریاں ڈالی جاسکیں۔“ یہ واقعی اچھی خبر تھی۔ ان کا خیال تھا وہ خوشی سے جی پڑے گی لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کا مدلل ظاہر نہیں ہوا تو ان کی پیشانی ٹھکنے لگود ہوئی۔

”تمہیں خوشی نہیں ہوتی؟“

”اچھی خبر ہے۔“ وہ سرسری انداز میں کہہ کر جانے لگی

کہ وہ پکار کر بولے۔

”سنو تمہیں موننی کی حوصلہ افزائی کرنی ہے۔“ ”یہ آپ کا حکم ہے؟“ اس نے پلٹ کر ناگواری سے پوچھا۔

”میں کہتا تو نہیں چاہتا لیکن تمہارے لہجے اور رویے کی بدولت مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہاں یہ میرا حکم ہے۔ اب تم جاسکتی ہو۔“ وہ انتہائی بد میزبی سے فرش پر زور سے پاؤں مارے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

اس پر عجیب سی جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔ رات در تیک انتہائی بے چینی کے عالم میں کمرے میں ادھر سے ادھر جھپکی رہی۔ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کر ڈالے کبھی دل چاہتا سوئے ہوئے محسن کو جھنجھوڑ کر اٹھائے کبھی سوچتی ایک ایک چیز اٹھا کر دیوار پر مارنا شروع کر دے اور زور زور سے شور مچائے کہ سب اپنے کمروں سے نکل کر بھاگے چلے آئیں۔ پھر وہ ایک ایک سے پوچھے کہ انہیں صرف موننی کا خیال کیوں ہے کوئی اس سے بھی تو پوچھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ نہیں یہ کوئی نہیں پوچھے گا۔“ اس کے اندر مزید بے حسائی۔

”مجھے اپنی پناہوں میں لینے والے اب میری پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ ہونہم کتنے خود غرض ہیں یہ لوگ۔ میں ان پر ترس نہیں کھاؤں گی، کبھی نہیں۔“ وہ صوفے پر ڈھسے گئی اور سسکتے سسکتے سو گئی تھی۔

صبح محسن کے پکارنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا بات ہے نشاء تم یہاں صوفے پر۔“ ”ہاں نہیں۔“ وہ اٹھ بیٹھی۔ ”مجھے شاید نیند نہیں آ رہی تھی پھر پتا نہیں کب سو گئی۔“ ”اگرے نیند نہیں آ رہی تھی تو مجھے اٹھا لیتیں۔“ محسن نے کہا وہ وہ سوچ کر رہ گئی۔

”تم کیا کر لیتے.....؟“

”کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔“ محسن نیچے ٹھٹھنے ٹیک کر بیٹھا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا تو وہ

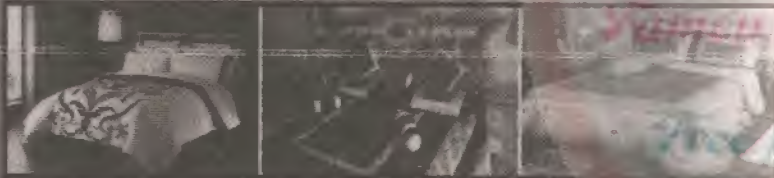
ٹیسنرٹ مکشراینٹ بیٹ شیرٹ ہائوس

مناسب قیمت

ہمارے یہاں بیڈ شیٹ، کشن کور اور پردوں کی لامحدود ورانٹی دستیاب ہے

کوالٹی کی گارنٹی

دیدہ زیب رنگوں کے امتزاج کے ساتھ



دکان نمبر 26-21 اقبال شاہینک سینٹر
پاپوش گٹر، ناظم آباد نمبر 5 کراچی

فون نمبر: 021-36616735



اپنے آپ میں الجھتی۔

”ہاں نہیں میرا مطلب ہے میں بہت گھبرا رہی ہوں۔“ پھر ایک دم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
”ایک بات مائیں گے محسن۔“

”میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی، تم کہو تو.....“
محسن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ رک کر بولی۔
”وہ..... میں ابو جی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔“
”تقی سی بات۔“ وہ مسکرایا۔ ”ضرور جاؤ“ میں نے کب منع کیا ہے۔“

”تو چلیں مجھے چھوڑ آئیں۔ میں کچھ دن وہیں رہوں گی۔“ وہ ایک دم سوچ کر لکھی۔

☆☆☆.....

شام میں احسن گھر لوٹے تو ساجدہ بیگم اکیلی اور کچھ اداس سی بیٹھی تھیں۔ وہ سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھے اور ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے۔
”کیا بات ہے ائی! کیلی بیٹی ہیں۔ باقی سب لوگ کہاں ہیں؟“

”تمہارے ابوائے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں اور محسن اپنے کمرے میں ہے۔“ ساجدہ بیگم نے بتایا تو انہوں نے بے ساختہ پوچھا۔
”اور نشاء.....؟“

”نشاء اپنے ابو کے گھر گئی ہے۔“ ان کے جواب سے وہ خامصہ بدل ہوئے۔ یعنی ان کے سمجھانے کا اثر لیا تھا اس نے کہ وہ میکے چلی گئی، گو کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن نشاء کے فوری رد عمل نے انہیں مایوس کیا تھا۔

”بیٹا! میں تو بہت پریشان ہوں۔ نشاء پر کسی کے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔“ ساجدہ بیگم نے اپنی پریشانی ظاہر کی تو وہ انہیں تسلی دے گئے۔
”آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

”چنانچہ مجھے تو وہ ہر روز پہلے سے زیادہ متفرق نظر آتی ہے تم اسے سمجھاؤ ناں۔“
اب وہ کیا بتاتے کہ یہ کوشش وہ کر چکے ہیں۔ پھر بھی

انہیں پریشان نہ ہونے کا کہہ کر محسن کے کمرے میں آئے اور اسے ٹیلیفٹ منہ میں ڈالتے دیکھ کر بھی بلا ارادہ پوچھ گئے۔

”کیا کر رہے ہو مومن؟“ محسن نے پانی کے گھونٹ سے ٹیلیفٹ لگی پھر ذرا سانس کر بولا۔
”کیا کرنا ہے مجھے دو! دو! بس دوا۔“
”امی بتا رہی ہیں نشاء اپنے ابو کے گھر گئی ہے۔“ انہوں نے بات بدلی۔
”جی۔“

”خوشی سے گئی ہے یا..... میرا مطلب ہے تم سے یا ہم میں سے کسی سے ناراض ہو کر تو نہیں گئی۔“ انہوں نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

”ارے نہیں بھائی! وہ کیوں کسی سے ناراض ہوگی البتہ اس کے جانے سے امی ابو ناراض ہوتے ہیں۔“ یہ محسن کی محبت تھی کہ وہ نشاء پر کوئی بات آنے ہی نہیں دیتا اور احسن سمجھنے کے باوجود کہہ گئے۔

”تمہارے خیال میں امی ابو ناحق ناراض ہوتے ہیں۔“

”ہاں نہیں بھائی۔“ محسن جیسے خود کو بے بس محسوس کرنے لگا پھر کہنے لگا۔ ”اصل میں بھائی نشاء کی کوئی ایکسٹیرنل نہیں ہیں گھر میں پابند کر وہ بور ہو جاتی ہے میں بھی تو اسے کہیں نہیں لے جاتا۔“

”کیوں نہیں لے جاتے؟“ انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ افسردگی سے مسکرایا۔

”بس بھائی آپ تو جانتے ہیں میں جلدی تھک جاتا ہوں۔“

”پیدل مت چلو گاڑی پر جاؤ نشاء کو ذرا نیوٹنگ آتی ہے کہ نہیں؟“

”آتی ہے۔“

”پھر کیا مسئلہ ہے۔ آرام سے گھوم پھر سکتے ہو یا نشاء تمہارے ساتھ جانا نہیں چاہتی۔“ آخری بات بلا ارادہ کہہ کر وہ ہچکتے بھی اور فوراً اس کا اثر زائل کرنے کی

کوشش کرنے لگے۔ ”نشاء بھلا کیوں منع کرے گی اس نے ڈرامائیجک سیکھی ہی اس لیے تاکہ تم دونوں کو کسی کی فتاحی نہ رہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ محسن نے تائید کی تو کہنے لگے۔

”بہر حال اب تک تو میں نشاء سے کہتا رہا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے لیکن اب تم سے کہوں گا کہ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے سمجھے۔“
”جی۔“ محسن مسکرایا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑے ہوئے اچانک ان کا دل بوٹھل ہو گیا تھا۔

☆☆☆.....

گو کہ آصف جاہ نے مذاق میں خان جنید کو بوڑھا کہہ کر اسے چھیڑا تھا لیکن وہ شدت سے محسوس کر گئی تھی اور جو اس زندگی سے سمجھوتا کرتے ہوئے خود کو خان جنید کی لگی بندگی روٹین کے مطابق چلنے ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی تو اس نے اچانک ساری کوششیں ترک کر دیں۔ کیونکہ دل باغی ہو گیا تھا کہ نئی زندگی کی ابتدا پر ہی وہ اپنی آرزوؤں اور امیگوں کا خون کیوں کرے گویا اس کی اذلی ضد کو خدا کی محی۔

”مجھے ان کے ساتھ نہیں چلنا انہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“ یہ اس نے سوچ لیا اور اس شام جم سے واپسی پر اس نے آکس کریم اور کچھ لے لیے۔ گھر آئی تو خان جنید غالباً اسی وقت آئے تھے اسے دیکھ کر رکے تھے کہ بالکل غیر ارادی طور پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیئے کچھ لے کر آئے اور آکس کریم دیکھ کر ان کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئی اور کچھنا گواہی سے بولے۔
”تو ٹھیکس۔“ اور وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ فوراً ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے قصداً ہنس پڑی۔ پھر ان کے سامنے بیٹھ کر کچھ لے کلائیوں میں سجاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”خان! آپ کو آکس کریم پسند نہیں؟“ وہ کوئی جواب دینے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ ہرٹ ہو کر اپنی کلائیوں دیکھنے لگی دھیمی دھیمی محسوس کن خوش بو اس کے

چاروں اور پھیل رہی تھی۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے سر صوفے کی بیک پر ٹکا لیا۔ کیسی خاموشی تھی! گہرا سکون اچانک اس کا دل چاہا زور زور سے ہنسے پھر خود سے کہے یہ کیا حماقت ہے۔

”حماقت ہی تو ہے۔“ اس نے سوچا اور آصف جاہ کو آتے دیکھ کر ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

”داؤ.....“ آصف آصف جاہ اس کی کلائیوں میں کچھ دیکھ کر خوش گوار حیرت میں گھر گیا۔ ”بہت خوب صورت لیکن آکس خان انگل ہالک تعریف نہیں کریں گے۔“
”تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ تعریف کر چکے ہیں۔“ اس نے نعل اپنا بھر م رکھنے کی خاطر مبالغہ آرائی کی اور فوراً اٹھ کر ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا جو وہ خان جنید کے لیے لے جا رہی تھی۔

”آصف کو چائے دے دو۔“ وہ ملازمہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ خان جنید ٹیبل پر کوئی فائل کھولے بیٹھے تھے۔ اس کی نظریں ان کے جھکے ہوئے سر سے ہوتی ہوئی ان کے ہاتھوں پر جا پڑیں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پین۔ یہ حقیقت تھی کہ اس شخص کا ہر انداز جدا گانہ اور اثر کیٹو تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو تب بھی اسے اپنی طرف متوجہ رکھتا تھا۔ جب ہی تو اپنی گزشتہ زندگی کا جو باب اس نے بند کر دیا تھا اسے کھولنے کا بھی خیال تک نہیں آیا تھا۔ بہر حال اس نے سبک روی سے قریب جا کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا تو انہوں نے فوراً سر اوجھائی کیا اور اس نے محسوس کیا ان کی نظریں فائل سے ہٹ کر اس کی کلائیوں پر پڑیں تھیں۔ اس کا دل یکبارگی جھلنے لگا۔

”تم کھڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔“ ان کے ٹوکے پر جہاں وہ چوکی وہاں چلتا ہوا دل بجھ کر رہ گیا۔ کس قدر کٹھور پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کم از کم اس کا دل رکھنے کی خاطر ہی اس کی نہ ہی سجدوں کی تعریف کر دیتے۔ وہ دکھ سے سوچتے ہوئے اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گئی اور ایک ایک کلمی ٹوچ کر پھینکتے گئی۔ انہوں نے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں البتہ جب

اس نے آنکھوں پر بازو رکھتا ہوا اپکار کر پوچھنے لگے
 ”مبا، سوری ہو کیا؟“ اس نے جواب نہیں دیا تو اٹھتے
 ہوئے بولے۔

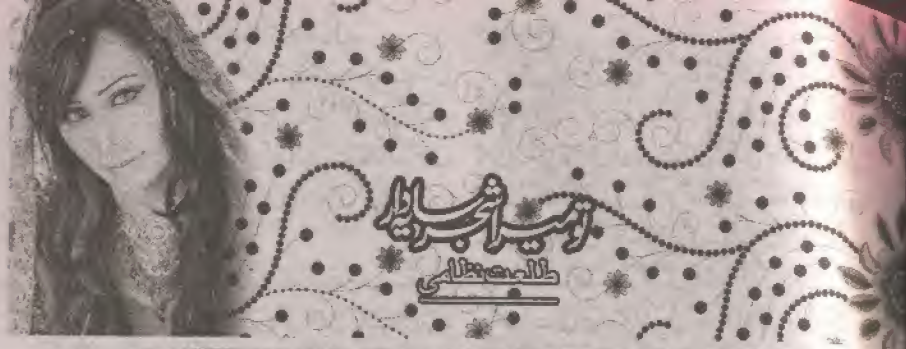
آنجیل * جنور

۱۶۲۰ء 120

۱۲۱ ❀ ۲۰۱۶ء

یہ سب کا وہ میری بات کیس ٹائیس کے سن کے لہا لو وہ

آنچل * جنو



رنگوں میں ایک رنگ تری سادگی کا رنگ
ایسی ہوا چلی کہ وہ رنگت نہیں رہی

باتوں میں ایک بات، تری چاہت کی بات
اور اب یہ اتفاق کہ چاہت نہیں رہی

اس گھر میں دلہن بن کے آئے اسے ہفتہ ہو چلا تھا
اب تو گھر کے اکاؤنٹ مہمان بھی رخصت ہو گئے تھے۔
بڑی مندرجات کو کینڈا کے لیے فلائی کر گئی تھی اور دونوں
چھوٹی مندریں بھی اپنے اپنے سرسرا اپنے تھے تحائف
بعد نیک خوشی خوشی سدا جا رہی تھیں۔

گھر کی فضا میں سکون اور ٹھنڈاؤ آ چکا تھا اور اسے
قدرے بے رونق بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر گئی
تو ساس صاحبہ اپنی اولین روز کی سرد مہری سمیت طرح
طرح کے لوازمات ٹیبل پر لگا رہی تھیں۔ وہ سلام کر کے
زوار کے سامنے بیٹھ گئی جو پہلے سے ناشتے کی طلب میں
دہاں آ بیٹھا تھا، بھوک کا کچا چہرہ تھا۔

”کتنا تکلف کر لیا آپ نے ای جان! ہم تین بندے
اتنا کچھ کہاں کھا پائیں گے۔“ اس نے ہماری کی ڈش
اپنے سامنے رکھی طرح طرح کی خوشبوئیں اس کی خوش
مزائی کو عروج تک پہنچا رہی تھیں۔

”دلہن تکلفات تو لازمی ہیں، بہوؤں کے لیے جتنا بھی
کر لو کم ہی ہوتا ہے۔“ بر فیئہ لہجے سمیت بہت عجیب سا
کھانے پینے میں احتیاط سے کام لیتیں ہیں تھوڑی دیر

سائنسی پھر کہنے لگی۔
”لانے لے جانے کا کوئی سلسلہ تو نہیں ہے۔ مطلب
میں خود ہی آتی جاتی ہوں پھر بھی اگر انہوں نے کہا تو چلی
جاؤں گی یا نہ جاؤں؟“
”نہیں ضرور جاؤ۔“ نشاء بے ساختہ کہہ گئی۔
”تم تو ابھی رموگی ناں؟“
”ہاں ابھی تو میں نے امی سے جی بھر کے باتیں بھی
نہیں کیں۔“

”ٹھیک ہے پھر میں جلدی آؤں گی۔“ دونوں
باتیں کرتی ہوئی گھر پہنچیں تو ثریا چائے پر کافی اہتمام
کر چکی تھیں۔
”جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ میں چائے نکالتی
ہوں۔“ ثریا نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔
”ابھی رک جائیں امی خاں صاحب آرہے ہیں۔“
صبا کہتے ہوئے سید می داش روم چلی گئی اور نشاء نے پنک
رخ کیا۔

”پھر خان جنید کے آنے پر ہی نشاء چائے لے کر
آئی تھی باقی لوازمات اس نے پہلے سے ہی ٹیبل پر
رکھ دیئے تھے۔
”خان! یہ میری بہن ہے نشاء۔“ صبا نے اس کا
تعارف کر لیا۔

”السلام علیکم۔“ نشاء اب حیران نہیں مرعوب تھی۔
”آپ کہاں ہوئی ہیں؟“ خان جنید نے سلام کا
جواب سر کے اشارے سے دے کر پوچھا تو نشاء بے
اختیار بولی۔
”اپنے گھر۔“ انہوں نے مسکرا کر چائے کا کپ اٹھایا۔
پھر ثریا کا اصرار تھا کہ وہ رات کا کھانا کھا کر جائیں
لیکن انہوں نے سہولت سے منع کر دیا۔

چائے کے بعد کچھ دیر بیٹھے پھر صبا کو چلنے کا اشارہ کیا تو
اس نے ثریا سے اجازت لی اور نشاء سے پھر جلدی ملنے کا
کہہ کر ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔
”میرا خیال تھا آپ مجھے بھول گئے ہوں گے۔“ صبا

نے گھڑی میں بیٹھے ہی کہا تو وہ حیران ہوئے۔ ”یہ خیال
کیوں آیا نہیں؟“
”ہمیں نا نہیں، لیکن آ یا ضرور۔“ اس کی صاف گوئی پر وہ ذرا
سا مسکرائے پھر گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔
”کوئی اپنی چیز کو بھی بھولتا ہے۔“ اور اس کے اندر باہر
یہاں دہاں ہر طرف دھنک رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔
کتنا ہم سا اظہار تھا گھر آنے تک وہ ان چند لفظوں کے
سحر میں گرفتار رہی تھی۔
”کہاں چلی گئی تھیں؟“ وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل
ہوئی آصف جاہ نے اسے دیکھ کر یوں پوچھا جیسے مسلسل
اسے کھوجتا رہا ہو۔
”اتفاق کے اس بار۔“ اس نے کھلتی ہوئی مسکراہٹ
کے ساتھ کہا تو پوچھنے لگا۔
”کس کے ساتھ؟“
”ظاہر ہے خان کے ساتھ اور ابھی وہ مجھے وہیں سے
لے کر آ رہے ہیں۔“ اس نے کہتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا
خان جنید آرہے تھے۔ جیسے ہی قریب آئے آصف جاہ
انہیں سلام کر کے بولا۔
”انکل پی آپ نے بہت اچھا کیا خاتون خانہ کو لے
آئے ان کے بنا گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔“
”ہوں۔“ خان جنید کی آواز صرف اس نے سنی اور ان
دونوں کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
ابھی کچھ دیر پہلے خان جنید کے ہمہ سے اظہار نے
اسے جتنا سرشار کیا تھا اتنا ہی آصف جاہ کا بے ساختہ اور
بر ملا اظہار پریشان کر رہا تھا۔
”ان کے بنا گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔“
(جاری ہے)

بعد جب سیٹ ہوں گی تو خود ناشتا کر لیں گی۔“

نی کچھ اور تھا۔

”نور..... وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں امی کے چہرے پر مسکراہٹ کی ایک رقع بھی نہیں دیکھی۔ چنانچہ کیا بات ہے حالانکہ انہوں نے ہی مجھے پسند کیا تھا کوئی ہماری تو میسر جی نہیں جس کا انہوں نے اثر لے لیا ہو۔“

”ارے تم بھی نا معاملے کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔“ وہ ہنسا۔ ”بھئی بڑا بھلا اور پیاری مزاج کو ایسے ہی تباہ و برباد کر دیتے ہیں امی کئی سالوں سے شوگر اور بلڈ پریشر میں مبتلا ہیں دونوں کی کمی بیشی ان کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا کر دیتی ہے۔ تم سمجھنا سیکھو انہیں آہستہ آہستہ ان کے موڈ کی عادی ہو جاؤ گی تم۔“

”تمہیں پتا ہے میری ممی ایک حصے سے مفلوج ہیں اس کے باوجود ان کی ہمت اور قوت ارادی انہیں مسکراہٹ عطا کرتی ہے اور بے حد حاشا بولنے کی بھی کوشش کرتی ہیں خواہ کسی کو سمجھ میں آئے یا نہیں۔ مجھے نہیں لگتا امی کی خوش مزاجی صحت مند کی سر ہون منت ہے۔“

”اف اوہ..... تمہاری بحث میں یہ انداز کا حلوہ اور نہاری بخ بستہ ہوئے جارہے ہیں۔ تمہیں سوچنے سے کوئی نہیں روک سکتا مجھے تو آج سے آفس جوائن کرنا ہے اس لیے ڈٹ کر ناشتا کرنا ہے۔“ اس نے بھر پور اصرار کرنا شروع کیا۔

”اور ویسے بھی..... نئی ذہن کو اپنے شوہر کے متعلق زیادہ سوچنا چاہیے نہ کہ ساس کو۔“ وہ مٹی جیسے پر وہ نظریں جھکا لی لیکن اندر کی الجھن سلجھ نہ سکی۔

سایا کا یہ رویہ اس کی سوچ کے برعکس نہ تھا یہ پتا تھا کہ ساس بھی ماں اور بہو بیٹی نہیں بن سکتی لیکن ابتدا میں ہی یہ پیچیدہ اطوار اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ شروع میں تو ساسوں کو بہوؤں پر شرار ہوتے دیکھا اور سنا تھا بعد میں کچھ بھی ہو لیکن ابتدائی زمانہ پر بہو کے لیے پیار بھرائی ہوتا ہے اور وہ بھی اس گھر کی اکلوتی بہو بن کر آئی تھی۔ کچھ الگ معاملات اور رویے کی خواہش مندگی وہ پر یہاں تو معاملہ

ساس زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی بند رہتیں اور وہ کچن لاؤنج کمرے ڈرائنگ روم میں بولائی بولائی پھرتی۔ اتنی خاموشی کی عادت نہیں تھی دل چاہتا کوئی بات کرنے والا ہو اب یہاں اس کا گھر تھا وہ اس کے تمام معاملات میں بولنا چاہتی تھی سمجھنا چاہتی تھی۔ کچھ گھر بیلو امور پورے خلوص کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی پر وہ اس کے ساتھ بات ہی بہت کم کیا کرتی تھیں تو وہ اپنی خواہشات کیا بتاتی ابھی تک تو کچن کے امور سے انہوں نے اسے دور رکھا ہوا تھا۔ جب طرح طرح کی ڈشز کھانے کے نام ٹیبل پر رکھا کرتیں تو اسے عجیب طرح کی شرمندگی آن گھیرتی۔ ایک دن اس سے رہانہ گیا جب وہ گرم گرم چکن فرائیڈز اس کی ٹرے اس کے سامنے رکھ رہی تھیں۔

”امی..... آپ مجھے بھی کچھ کرنے دیا کریں بہت عجیب سا لگتا ہے جب آپ کو کنگ کرتی ہیں۔ میں آپ جیسا لذیز اور ذائقہ دار تو نہیں پکا سکتی لیکن آپ کی مدد تو کر ہی سکتی ہوں اس طرح مجھے بھی لگانا آ جائے گا آپ جیسا۔“ بہت مختصراً بھرے لہجے میں وہ گویا ہوئی جواب دہی عجیب سی الجھی نظروں کا سامنا اسے کرنا پڑا جو اسے متذبذب سے ہمکنار کرنا ہوا اس کی ہمت توڑنے لگا۔

”آپ نے تو ابھی تک کچھ میں بھی ہاتھ نہیں ڈالایا ہے ایسا بڑا تو تمہانوں کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ میں اس گھر کی فرد ہوں۔“

”بہوئیں مہمان ہی ہوتی ہیں نہ سمجھا جا۔“ یہ تو بن جاتی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ میں اپنی حد میں رہوں۔“ انہیں سمجھنے میں وہ پوری آنکھیں دا کیے ان کے لہجے اور جملے کی چھین کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کہاں اس سے غلطی ہو گئی تھی کچھ سمجھ میں نہ آتا جب ابتداء یہ اتنا سنگین ہے تو انتہا خدا جانے کیا ہوتا۔ لوگ تو بڑے سے بڑا قصور کر کے دندناتے ہیں وہ بغیر گناہ کے مصلوب ہو رہی تھی۔ یہ نہیں کہ پہلے کسی بھوکے تجربکاریوں کا شکار وہ رہی ہوں جب وہ ہی چلی پہنچی اور آخری تھی۔

کیا ان کی دونوں بیٹیاں بھی اسی سلوک کا شکار ہوں گی کیونکہ انہیں بھی تو کسی کی بہو ہونے کا شرف اصل ہے وہ صلح گھنٹ بھر کر رہ گئی۔

یہ نہیں کہ وہ اس کے کسی معاملات میں مداخلت کرتی تھیں وہ جو چاہتی پہنچتی کھاتی پیتی اپنی مرضی سے سوتی جاگتی جہاں چاہتی گھومتی پھرتی۔ کبھی روایتی ساسوں کی طرح اس کے فعل پر تادانہ نگاہ انہوں نے نہیں ڈالی کوئی روک ٹوک نہیں کیا۔ یہ افعال بھی تو قابل تشویش تھے کہ وہ اعتراض کا حق رکھتے ہوئے بھی اجنبی بن جاتیں۔ زور سے ڈکر کرتی تو وہ خاموش ہو جاتا بھی ہنس کے ٹال دیتا۔

”ارے اچھا ہے نا کہ تم ان کی نکتہ چینیوں کا شکار نہیں ہوتیں ورنہ ساسیں تو اعتراضات سے مار مار کر زندہ کرتی ہیں اور زندہ کر کے ماری ہیں بہوؤں کو۔“ اس نے چشمکیں لٹکا ہوں سے گھورا۔

یہ اطمینان بخش رویہ نہیں طوفان کا پیشہ خیمہ ہے جو اسے گاؤ بہت کچھ تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ اس کا ٹال رویہ دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گیا۔ اس روز وہ چھوٹی منڈ کی شادی کا اہم اٹھائے ساری تصاویر دیکھ رہی تھی زور پاس ہی لیپ ٹاپ پر کوئی کام کر رہا تھا۔ اس کی دونوں منڈیں بہت خوب صورت تھیں کیڈنا والی زیادہ خوش مزاج تھی اور چھوٹی کچھ دیو قسم کی کم کولڑی تھی۔ ایک سال قبل اس کی شادی ہوئی تھی اس لیے سسرال والوں کے مزاج کے مطابق چلتی اور آنا جانا ذرا کم ہی ہوتا۔ اچانک ذہن کے ساتھ مسلسل ایک گریس فل خاتون کو دیکھ کر ٹھٹک گئی جب کلور تصویر پر نگاہ پڑی۔

”آپ نے بھی بتایا نہیں کہ آپ کی کوئی خالہ بھی ہیں۔“

”خالہ..... خالہ ہوں گی تو بتاؤں گا نا۔“ اس کی نگاہیں مسلسل کام پر مرکوز تھیں۔

یہ امی ہی ہیں شکر ہے ان کے سامنے اس قسم کے محرکے لا خیالات کا اظہار تم نے نہیں کیا ورنہ وہ جانے کیا سوچتیں؟“ اس نے آنکھیں نکالیں۔

”ہاں یہ بات تو آپ نے صحیح کہی ان کی سوچوں پر تو کسی کا پیرا نہیں جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہیں بہر حال یہ بات قابل غور ہے کہ ایک سال پہلے اور اب والی امی میں بہت فرق ہے اور تم خود غور کرو کہاں یہ خوشی لباسی آرائش چہرے کی تازگی اور کہاں اب سنجیدہ اور سپاٹ چہرے والی خاتون لگ رہا ہے ایک سال بعد کی نہیں دس پندرہ سال آگے کی ہیں امی جان کی حالت اور تو اور ہماری شادی پر بھی کیسے روکھے پھٹکے انداز میں انہوں نے شرکت کی ہے جیسے بیٹی دواغ کر رہی ہوئی بیٹے کا سہرا انہیں سجا رہیں۔“ عجیب متذبذب والی چوٹن تھی۔

وہ اس اسرار کو کھولنا چاہتی تھی کہ بیٹے کی شادی کے بعد انہوں نے پڑھ لکھ کی چادر کیوں اوڑھ لی؟ مائیں تو بیٹوں کے سر پر سہرا دیکھنے کی جتنی ہوتی ہیں۔ ہزار رمان ان کے بیٹے سے وابستہ ہوتے ہیں یہ بیٹی ماں تھیں جنہیں اس شادی سے کوئی خوشی نہیں لی۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ پوشی ہو رہی تھی خود سے ان کی ناپسندیدگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ کون سا زور کی پسندھی ایک جاننے والی نے یہ رشتہ کرایا تھا۔ امی جب اسے دیکھنے آئیں بھی تو بہت سنجیدہ اور کم گو تھیں۔ وہ بھی یہ ان کے مزاج کا عنصر ہے لیکن نہیں وہ تبدیل ہوئی تھیں بغیر اس سے کسی لڑائی جھگڑے اور بحث و مباحثہ کے وہ لیے دیئے انداز میں رہنے لگی تھیں۔

ایک دن ساتھ والی آنٹی ان سے ملنے آئیں وہ انہیں چائے وغیرہ دے کر دوبارہ کچن میں آگئی اب کچھ نہ کچھ کام زبردستی وہ سر انجام دیا کرتی تھی جس پر ان کی پیشانی پر کچھ بل ضرور پڑ جاتے لیکن زبان سے کچھ نہ کہا کرتیں یہ بھی غیبت تھا اس کے لیے۔ ایک بار اتفاقاً ڈرائنگ روم کی طرف آئی تو عجیب ہی منظر دیکھا وہ آنٹی

چشمہ آنکھوں سے ہٹا کر اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں اور امی خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے دوبارہ چشمہ آنکھوں پر جمایا، مبادا ان کی بیگنی ہوئی آنکھیں وہ دیکھ لے پر امی اسے دیکھ نہ پائیں اسی لیے اپنی رو میں بولنے لگیں۔

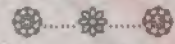
”آپ کو کس نے کہا تھا بھو جیسی چیز سے توقعات وابستہ کرنے کو بہوں تو وہ سپر پاور ہوتی ہیں جو خون جگر سے پروان چڑھائے بیٹے کو بل بھر میں چھین کر فتح کا جشن منائی ہیں اور سارا الزام بھی ماؤں پر ڈال دیتی ہیں۔“ اس کا وجود سنائے میں آ گیا، پلک جھپکتے ہی وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی کہ دیدہ دلیری سے ان کی باتیں نہیں سن سکتی تھی۔

”میں نے سوچا بھانجی ہے گھر کو گھر سمجھے گی۔ مجھے بھی بڑھاپے کا آسرا مل جائے گا، بہن کی بیٹی سے اس لیے پورے ارمان کے ساتھ اسے بیاہ کر لائی لیکن وہ باقی دونوں بہوؤں کے ساتھ مل کر محاذ کھڑا کر رہی ہے۔ میرے مرحوم شوہر کی آخری نشانی یہ گھر بچ کر تینوں بیٹے اپنا حق مانگ رہے ہیں یہ بھی نہیں سوچ رہے ہیں کسواری بیٹی کو لے کر کہاں در در کی ٹھوکریں کھائی رہوں گی اور ابھی سے یہ حال ہے کل کو مجھے کسی نے برداشت نہیں کیا تو کہاں جاؤں گی؟“

”بہن تو البتہ بیٹوں کی ماؤں کا کہ بہوؤں سے کچھ زیادہ ہی توقعات لگانے ہوتی ہیں۔ بھانجی، بھتیجیوں کو بیاہ کر لائی ہیں کہ ان کی طرح گھر دار بن کر رہیں گی خاندانی لڑکیاں پر بہو رہا حال میں بہو بی بی بن جاتی ہے بھانجی اور بھتیجیوں جیسے رشتے کی پاسداری کیے جاتے۔“

اتنا زہرا اس رشتے کے خلاف ان کے دل میں بھرا ہوا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اب ساس بہو کا رشتہ ماں بیٹی والا نہیں رہا تھا بلکہ شاید کبھی نہیں رہا ہوگا لیکن ہر دور میں اس خوب صورت رشتے کو نبھانے والی ساس اور اس رشتے کو عزت و وقار بخشنے والی بہو کیسے نہ کہیں ضرور ہے پھر امی کے دل میں اس رشتے کے خلاف اتنی گہری کائی کیوں جمی ہوئی تھی۔

کیوں اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی وہ عمر رسیدہ عورتوں کی طرح اپنے آپ کو آرام بے زار تصور کرنے لگی تھیں۔ اپنی ذات کے خول میں انہوں نے خود کو کیوں بند کر لیا تھا؟ کیا انہوں نے اسے ان بہوؤں کی طرح سمجھ لیا تھا جو آتے ہی بیٹے اور اس کے گھر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اپنے متعلق منفی سوچ بھی تو غلطی ان کی۔ مجھے سمجھے کے بجائے ساری برائیاں میری ذات سے منسوب کر لیں۔ یہ بھی اچھی رہی تھی اسے اس کا دل بھر گیا۔ یہی غلط خیالات غلط روش کو جنم نہ دے دیں باغیانہ خیالات دماغ میں کھلبلائے گئے۔ میری ذات کی نفی کر کے اپنے آپ کو مظلوم سمجھ رہی ہیں جو میں ہوں نہیں وہ مجھے سمجھ رہی ہیں۔ ساری رات انہی خیالات کی یورش میں گزر گئی۔



”زوار بیٹا گھر کا کام کہاں تک پہنچا؟ تم ذرا آفس سے ہٹ کے اس مسئلے میں بھی دلچسپی لو۔ میں تو بھاگ دوڑ کر نہیں سکتی۔“ اس رات انہوں نے معمول سے ہٹ کے اپنے بیٹے سے کوئی بات کی۔

”میں روز آفس جاتے ہوئے اور واپسی پر چکر لگاتا ہوں جہاں ہدایات کی ضرورت ہوتی ہیں وہ دے دیتا ہوں۔ آپ فکر مت کریں ویسے بھی گھر اب اختتامی مراحل میں ہے مزید کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو چھٹی والے روز لے آؤں گا۔“

”ہاں میں بھی یہی چاہتی ہوں جتنی جلد ممکن ہو رہو گے روغن بھی ہو جائے تاکہ اسے تمہارے سپرد کر کے خود پرسکون ہو جاؤں۔“ یہ تھا گفتگو کا لب لباب جس موضوع کو معمول سے ہٹ کے وہ بھی تھی وہ اس کی غلط تھی۔

”کیا بات کر رہی ہیں آپ بھی امی! پہلے بھی میں نے آپ کو کہا ہے کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا پھر بھی آپ کی دینی ضد ہے پلیز ایسی باتیں مت کریں۔“

”لفظیوں کے سہارے زندگی گزر جاتی تو انسان رشتوں کا محتاج بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو شکر ہے خدا کا میں انسان کی احتیاجات وقت سے پہلے جان گئی ہوں جو کام

کل لڑ جھگڑا کر ہوتا ہے وہ عزت و آبرو کے ساتھ آج کیوں نہ ہو جائے۔“

”کون لڑ رہا ہے امی! چار مہینے تو ہو گئے ہیں ہمیں ساتھ رہتے ہوئے ابھی تک آپ مجھے سمجھ نہیں پائی ہیں۔“ اب اس سے رہنا نہ گیا۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہی اپنے بیٹے سے کر رہی ہوں۔ تم میرا اختیار کیا ہے جو کچھ کہوں گی۔“

”ہاں تو جس پر اختیار ہے اسی کو کیوں اپنے اختیارات سے بے دخل کر رہی ہیں سارے فیصلے آپ خود سنائی ہیں ساری باتیں خود سے اخذ کرتی ہیں سامنے والے کے احساسات اور خیالات کی پروا کئے بغیر۔“

”زوار.....“ وہ خلاف معمول زور سے چلائی تھیں۔

”اے کہو ہمارے معاملات میں نہ بولے۔“

”میں اسی گھر کی فرد ہوں اور ہر اس مسئلے میں بولنے کا حق رکھتی ہوں جو میری ذات سے وابستہ ہے جس گھر میں آپ بھی جانا چاہ رہی ہیں کیا صرف زوار جائیں گے میں نہیں جاؤں گی تو یہ مجھے سے متعلق بات ہوئی کہ نہیں؟“ وہ اپنے مزاج اور تربیت کے خلاف خود بھی چلا اٹھی۔ اب برداشت سے باہر ہو چلی تھی ان کی غلط فہمیاں.....

”چلاؤ مت..... تمہیں جانا ہی ہے آج نہیں تو کل بھر کیوں نہ میں آج ہی اپنے بیٹے سے دستبردار ہو جاؤں اسی میں میری ناموس کی بقا ہے۔ اس عمر میں اپنی عزت کو سرعام رسوا کرنے سے بہتر ہے عزت و احترام کے ساتھ ہم الگ ہو جائیں ورنہ کل کو خود چھوٹی چھوٹی باتوں کو رانی کا پہاڑ بنا کر تم اپنے شوہر کے آگے پیش کرو گی اور میں بدنام ہوں گی میں یہ نہیں چاہتی۔“

”دیکھ لی آپ نے ان کے اندر کی بھڑاس وہ نظر یہ پیش کر رہی ہیں میرے متعلق جو میں نے سوچا بھی نہیں۔“

استغنی غلط خیالات میرے متعلق رکھیں گی تو میں اس گھر میں ”صحیح“ بن کر کیسے رہوں گی۔ میری محبت اور خلوص تو بدگمانی کے سامنے کبھی سیدہ پر نہیں ہو سکیں گی۔ اس کی آنکھیں بھرا آئیں، اول روز سے آج تک ساس کی

بداعتمادی کا ہی سامنا کیا تھا پیار نہیں۔

”کول..... امی کسی بڑی نیت کے تحت یہ سب باتیں نہیں کہہ رہی تم سمجھنے کی کوشش کرو۔“ اب زوار آگے بڑھا، امی کا دل بھی کچھ پچھتا گیا لیکن خود کو اس کے آنسوؤں کے گے کزور کرنے کا مقصد بے بروی تھی۔

”مجھے عزت کی ضرورت ہے محبت اور خلوص سے زیادہ بہت محنت سے اپنے آبرو کی حفاظت کی ہے۔ دو بیٹیوں کی شادی کی ہے آج تک میری اور بیٹیوں کی آوازیں جار دیواری سے بلند نہیں ہوئی ہیں اور اب بھی میں لڑائی جھگڑوں سے اپنے سر پر خاک نہیں ڈلوانا چاہتی اور کسی بڑی نیت سے بھی تمہیں الگ نہیں کر رہی۔ بیٹا عزت سے اپنے گھر میں آباد کر رہی ہوں۔ پہلی بار اپنے لیے بیٹا کا لفظ ان کی زبان سے سنا تھا۔“

”یہ میرا ہی گھر ہے من لیں غور سے کہ میں اس گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی۔“ نہایت مضبوطی سے ادا ہوئے جملے کے گے دلہز نگیں۔

”ٹھیک ہے پھر میں اس گھر سے چلی جاؤں گی تم لوگ نہیں آ جاؤ۔“ وہ بھی اپنے نام کی ایک تھیں اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ اپنے کمرے میں مقید ہو چکی تھیں۔ اس نے آنسوؤں سے بھری نگاہوں سے زوار کو دیکھا جس میں حد درجہ غصہ بھی شامل تھا وہ بے جا رگی سے سدا بکھتا رہ گیا۔

وہ آنسو پونچھتی پیر چھتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ کمرے میں اس رات زوار نے منانے کے لیے ہاتھ بڑھائے اس نے جھٹک دیئے کسی نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔

”اتنا ناراض نہیں ہوتے کون سا ہم جا رہے ہیں اس گھر میں امی کو جو بولنا ہے انہیں بولنے دیا کرو تم ٹینشن مت لو۔“

”حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جا رہے ہیں آپ کہہ رہے ہیں ٹینشن نہ لیں۔ کس مٹی کے بے ہوئے ہیں آپ زوار کہ ماحول کی ٹھیکر کا اثر ہی نہیں ہوتا آپ پر جو بہو خود مختار نہ زندگی گزارنا چاہتی ہیں انہیں تو سائیں

اپنے دباؤ میں رکھتی ہیں اور جو یہ آزادی نہیں چاہتی اسے یہ ٹکالنا چاہتی ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی انہیں مجھ سے کس بات کی چڑ ہے؟ کس بات کا خطرہ ہے میرے وجود سے جو ایسا کر رہی ہیں؟“ جولیا ایک سکوت ساز دار کے چہرے پر چھا گیا تھا جیسے کسی گہرے راز سے خود کو آزاد کرنا چاہتا ہو۔

”اب وہ کہہ رہی ہیں کہ ہم لوگ نہیں جانتے تھے تو وہ خود چلی جائیں گی۔ زندگیوں کا تماشا تو وہ خود بنانا چاہ رہی ہیں اور اندیشوں میں مبتلا ہیں۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”کوئل! امی کا ڈر ہے جائیں ہے۔“ زواری آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی۔ ”ان کے خدشات بے بنیاد نہیں اسی لیے تو میں خاموش رہتا ہوں تاکہ ان کے دل کی بھڑاس نہ پھٹے۔“

”یعنی..... میں ان کے لائسنس و سوسوں پر پورا اتروں گی جو الزامات وہ مجھ سے لاگو کر رہی ہیں میں وہ سچ کر دکھاؤں گی وہ زوار! خوب کبھی آپ نے بھی۔“ بے یقین ہوتے ہوئے وہ استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

”نہیں تم سے چڑ نہیں لفظ بہاؤ بھائی ہے چڑ ہے شاید ان کے سابقہ حالات سن کر ان کے موجودہ حالات سے تمہیں ہمدردی محسوس ہو۔ تم اپنی ماں سمجھ کر ان کی نفسیات کو سمجھ لو۔“ زواری آواز میں پراسرار سا دروازہ آتا تھا۔

☆☆☆☆☆

”راحیلہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں بھائیوں کے لاڈ پیار میں پلی بڑھیں۔ ماں باپ کے ساتھ یہ تینوں بہن بھائی بہت اسودہ زندگی گزار رہے تھے باجی کا انتقال ہوا تو زندگی جہاں غم و اندوہ میں ڈوب گئی وہاں دونوں بھائیوں نے بخوشی گھر کی ذمہ داری اٹھائی۔ ماں کے دل کو تھوڑا آسرا ملا اب یہی تین بچے ان کی کل کائنات تھے۔ زندگی کی گاڑی دوبارہ گاڑن مفر ہوئی۔ راحیلہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھیں ماں جی نے یہی سوچا کہ پہلے ایک بہو گھر سنبھالنے آجائے تو راحیلہ کے ہاتھ بھی پیلے کر دیں گے اس لیے دل میں ہزار اماں سیٹے دونوں ماں بیٹی نے اریہ جیسی خوب صورت لڑکی کو گھر کی زینت بنایا۔ اس قدر دل

میں خوشی اور سرشاری تھی بس نہیں چلتا کہ اسے کہاں اٹھائیں اور بٹھائیں۔

دو مہینے گزر گئے تھے لیکن دونوں نے ابھی تک اسے قہقہے کا چھالہ بنا کر رکھا تھا دونوں اس طرح اس کے اشارے کی منتظر رہتیں جیسے کسی اعلیٰ پائے کی ہستی کی حکم عدولی نہ ہو جائے۔ انہی نوازشات کی چھاؤں میں اریہ کیا ان لوگوں سے عاجزی و الفت کا رویہ روا رکھتی اس نے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ شوہر کا ساتھ اور ساس ہند کے پیار کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگی۔ دن بھر تو اپنے اشارے پر دونوں ماں بیٹی کو بنیاتی جب عنایت گھر آتا تو گھونٹے پھرنے یا میٹھے نکل جاتی۔ دونوں اسے بھی اپنائیت ہی سمجھتیں اور بخوشی اس کے بازو خیرے اٹھاتیں گھر کی کل ذمہ داری ابھی بھی ان کے ہی سر پر۔

سال ہونے کو آیا حق حقوق اور ناز برداری کے لیے وہ اپنا گھر کبھی برفرائض کی ادائیگی کے لیے گھر کے لوگوں کے لیے نیکی اور کم عمر بہو بن جاتی۔ ماں جی کو اب راحیلہ کی فکر ستانے لگی اس کے لیے عنایت اور اریہ کے سامنے بھی اپنی فکر مندی کا اظہار کیا جس پر عنایت نے حیرت کا اظہار بھی کیا۔

”ابھی راحیلہ کی عمر یہ کیا ہے ابھی تو اس کے پٹنے کھیلنے کے دن ہیں جسے آپ ذمہ داریوں کی نذر کرنا چاہ رہی ہیں۔“ لہجے میں محبت چھلی ہوئی تھی۔ ماں جی کا حوصلہ بڑھا بیٹے کی اپنائیت پاکر۔

”یہی عمر ہوئی ہے بیٹی کو اپنے گھر مارا کر دینے کی بیٹا ورنہ اچھے رشتہ ملنا مشکل ہو جاتے ہیں۔ ابھی جتنے رشتے آ رہے ہیں سب کے سب قابل بیان ہیں بس تم جانچنا پرکھنا شروع کر دو۔“

”ماں جی ہماری راحیلہ میں کسی بات کی کمی نہیں دو چار سال بعد بھی اس کی عمر نکلی نہیں اور اچھے سے اچھا رشتہ ملے گا۔ سترہ سال کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے آپ پلیر فکر مند ہونا چھوڑ دو ابھی اسے زندگی انجوائے کرنے دیں۔“

”تم ماں کی فکر مندی نہیں سمجھو گے باپ بنو گے تب

سمجھ آئے گی۔“ وہ مسکرایا اس عہدے پر فائز ہونے کے دن جو قریب آ رہے تھے۔ ماں جی دل میں لاکھ شکر بجا لائیں کہ ابھی بھی بیٹے کے دل سے بہن کی محبت کم نہیں ہوئی ہے۔ یہ خوشی اور بیروان چڑچڑاہٹ اگر وہ رات کو بچکن میں آتے ہوئے بیٹا بہو کی گفتگو نہ سن لیتیں۔ وہ راحیلہ کا نام سننے ہی دروازے پر ہی ٹھٹھک گئی تھیں جب اریہ نہایت زہر خند لہجے میں مخاطب تھی۔

”آپ زیادہ چاؤ جو نچلے مت دکھائیں ماں جی جن رشتوں کا ذکر کر رہی ہیں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے جان چڑھائیں اس ذمہ داری سے در نہ عمر گزرتی گئی یا خدا نخواستہ..... ماں جی کو یہی کچھ ہو گیا میرا مطلب ہے حیات موت کا کوئی ٹھکانہ تو توڑی ہے تو بہن کی فکر میں دن رات اکیلے آپ ہی کو گھلاتا رہے گا۔“

یہ وہ بہو تھی جسے آج بھی وہ یا راحیلہ رات کو دودھ کمرے میں پوچھایا کرتی تھیں اور جب ناشتا کھانا دستر خوان پر لگا دیتیں تب اسے آواز دیا کرتی تھیں۔ آج کن الفاظ میں وہ ان کا ذکر کر رہی تھی انہوں نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ خیال تھا کہ اب عنایت غصے کا اظہار بیوی پر کرے گا لیکن امید ناامیدی میں بدل گئی حوصلے شکستہ ہو گئے جب انہوں نے یہ جملے سنے تھے وہ کہہ رہا تھا اور ان کی رگ و پے میں جیسے زہر اتر رہا تھا۔

”کیوں..... اپنی آزادی بڑی لگ رہی ہے کیا ارے پاگل دو چار سال آرام کر لے اسی بہانے ابھی ہماری اولاد ہوئی ان اوقات میں کیا ان لوگوں کی خدمت گزاری کی ضرورت نہیں ہوگی تمہیں۔ تم جی بھر کے آرام کرنا یہ لوگ اسے پوتے پوتی کو پالیں گی تین چار سال بعد ہم اپنی پہلی بھی مکمل کر لیں گے۔“ دونوں کی دھیمی ہنسی کی آواز نے انہیں اندر تک سمجھو کر رکھ دیا تھا۔

اتنی جلدی بیٹا بہو کی زلفوں کا اسیر ہو گیا تھا۔ برسوں کی ریاضت ایک سال میں مفقود ہوئی تھی اب بھی تو کسی کی ساری اجارہ داری اسے کمرے تک آتے آتے ان کے قدم کن من بھر کے ہو رہے تھے۔ دل کی دھڑکن ایسی بڑھی

تھی کہ ہاتھ پاؤں میں لرزاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ سوئی ہوئی راحیلہ پر رحم بھری نظر ڈالی جس کا بھائی بھائی کرتے منہ نہ روکتا تھا۔ دونوں بیٹوں اور بہو کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک سال کے اندر انہوں نے شوہر کی جمع پونجی سے راحیلہ کو بیاض ڈالا۔ منہ سے کچھ نہ کہیں لیکن زمانے کی بدلتی روش سے چونکا ضرور ہو گئی تھیں۔ اسی عرصہ میں اریہ کا گھناؤنا روپ کھل کر سامنے آچکا تھا جس کی خبر راحیلہ کو بھی ہو چکی تھی۔ دل میں کمزور پڑتی ماں کی فکر مندی کا احساس لیے وہ رخصت ہو گئی تھی اس لیے تین دنوں میں ماں کو دیکھنے میٹھا جاتی جن پر اب بہو کی حکمرانی تھی نہ ان کی دوا کی فکر کسی کو رہتی نہ غذا کی کھانے کا تاہم ہونے پر بھی وہ کوئی کئی کھنے بھوک پیٹھی پوتے پوتی کو کھلائی رہتیں کیونکہ بہو نے بچکن کی ذمہ داری جو سنبھال لی تھی۔

شفقت نے پسند سے شادی کر لی تھی وہ اس کے ساتھ آفس میں کام کرنے والی مین جو بی لڑکی تھی اس کی رائے پورے گھر والوں سے الگ ہوئی کسی کی ذات سے اسے لفظی کوئی دھپ نہیں تھی بس اپنا آپ ہر سو نظر آتا۔ اصل معنوں میں وہ ایک اڈنی تھی مٹی جس کے بس رنگ ہی دیکھ کر شفقت مدہوش رہتا۔

ماں جی کی طبیعت آہستہ آہستہ گرتی ہی چلی جا رہی تھی بشکل خود کو کھیت کر اپنے لیے کھانا نکال پاتیں۔ دونوں بہو میں اس قدر بے پروائی اور بے زاری کا اظہار کرتیں جیسے وہ کوئے میں پڑی کوئی فالتو چیز ہوں۔ دوائی ختم ہوئی تو کوئی کئی دن گزر جاتے ڈرنی سمجھتی بھی بیٹے سے بولیں تو بیٹے سے پہلے بہو بول پڑتی۔

”دوا کو دوا کی طرح کھایا کریں کھانے کی طرح نہیں۔ تھوڑا پیاری کو برداشت بھی کرنے کی عادت ڈالیں یہ کیا ذرا سا درد اٹھا گولی منہ میں ڈرا سی تکلیف ہوئی میڈیکل اسٹور دوڑ گئے۔ آخر اتنی جلدی دوائی ختم کیسے ہو جاتی ہے۔“

”ماں جی تنخواہ ملتے ہی لا دوں گا ابھی مہینہ ختم ہو گیا ہے ہاتھ ذرا تنگ پڑ رہا ہے۔“

ایک دن قبل ہی سات سالیوں بعد شوہر کے پورے
مکے کی ضیافت کرنے میں ہاتھ جک نہیں پڑا تھا۔ بیوی کی
جینجی کے عقیدے کے فنکشن میں سوئے کالا کٹ سیٹ پچی کو
چڑھانے میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہوئی تھی۔ بس دل کی
مریضہ ماں کی دوائی فضول خرچی میں شمار ہو رہی تھی وہ بے
بسی سے دیکھ رہی تھیں۔ کسی نے صحیح کہا تھا "شوہر کا راج
مہاراج" ہوتا ہے۔ راجیلہ آئی تو ان کا بہت کچھ کام
کر جاتی، سخت مزاج شوہر کے ہونے کے باوجود اپنے
خرج میں سے ماں کی دوائی لاتی۔ کبھی فروش یہ بھی دونوں
بہوؤں کو بہت کھلتا۔

"نہنہہ..... ہمدردی تو ایسے جتنی ہے جیسے ہم دشمن
ہوں۔ زیادہ ہی ہمدردی ہے تو اپنے پاس کیوں نہیں رکھ
لیتیں۔ دن بہ دن مصیبت بٹی جا رہی ہیں ذرا سی بیماری کی
آڑ لے کر شوہر کا حکم ہے اس حالت میں انہیں چھوڑ کر
کہیں آؤ جاؤ نہیں نہنہہ..... مجھ سے گھر کی ہے زندگی عجیب
مصیبت میں۔" مجھ جھلتا ایسے جیسے شوہر کی بہت فرماں
بردار بیوی ہوں۔ عجیب روپ تھے، عجیب تماشا تھے۔

جس نے ایک سال تک میں بھائی کی جہندی بھی ہلکی
نہ پڑنے دی تھی اسے وہ آج کن نظروں سے دیکھ رہی تھیں
اور کن جھلوں سے پذیرائی کر رہی تھیں وہ بس ہونٹ چل کر
رہ جاتی۔ بھائی کی نظریں بدل گئی تھیں چاہت اور والہانہ
پن اب کسی اور کے اٹائے تھے بہت ڈر لگنے لگا تھا اس
روپ سے اسے۔ ستم ظریفی کچھ اور یوں ہوئی کہ ماں جی
کا آدھا دھرم مقفون ہو گیا ان پر جو قیامت ٹوٹی تھی ٹوٹی ہی
دونوں بہوؤں پر ان سے زیادہ عذاب مسلط ہو گیا۔ اب تو
وہ ہر کام کے لیے ان کی راہ کھتی رہیں بول بھی نہیں سکتی
تھیں بس غول غاں یا ایک ہاتھ کے اشارے سے اپنی
احتیاجات بیان کرتیں جو بسا اوقات پوری ہوتیں وہ بھی
بیٹے عنایت کی عنایت سے ورنہ بیٹی کی بیٹی رہ جاتیں۔

بڑے بڑے دھم بھر جاتے ہیں القات کے پھاہے
سے لیکن یہ وہ دھم تھا جو اپنا نام نہ نہ لاتی چلا جا رہا تھا۔ محبت
جو نہیں تھی اب تو ناسور بن گیا تھا اندرونی اور ظاہری بھی

بہوؤں رات دن انتظار میں رہتیں کہ کب ان کا آخری
وقت آئے کہ پورے گھر پر ان کی ملکیت قائم ہو اور ان
سے جان چھوٹے۔ کوئی خدمت نہ کر کے بھی بہت عاجز
رہیں ان کے گندے وجود سے۔

پوتے پوتیاں کو ان کے کمرے میں داخل ہونے کی
اجازت نہیں تھی جراثیم کے حملے کا خطرہ جو تھا لیکن ان کے
وجود کو غلاظت کا پوٹ کس نے بنایا تھا وہ یہ سوچنے سے
قاصر تھیں۔ خدا نے دلوں پر مہر جو لگا دی تھی۔ بہو اور بھائی
کے اس روپ سے وہ اس قدر شکار ہو گئی تھی کہ بیٹا ہونے
کی دعا نہ مانگتی۔ خدا نے جب جب اسے ماں بننے کی ٹولہ
سنائی وہ یہی دعا کرتی کہ "اللہ رحمت دینا" اپنی عزت بچی
کے ہاتھ میں محفوظ رہتی۔

لیکن تین بچوں میں سے ایک بیٹا خدا نے نواز ہی دیا
یہی سمجھ کر قبول کیا کہ شادی ہونے تک اس کے وجود
خیالات اور مرضی پر حکمرانی ہے اس کے بعد بیٹا صرف
ایک شوہر بن جاتا ہے کسی کا ماں کے سارے اختیارات
شادی ہونے تک ہتھیرا ڈال دیتے ہیں۔ اس بار منہ زور
کی طبیعت کی خرابی کے باعث کچھ زیادہ ہی دن گزر گئے
تھے۔ دل بہت پریشان رہتا تھا ماں جی کی حالت کی
طرف سے جوں ہی اس کی طبیعت بہتر ہوتی وہ ان کی
طرف نکل آتی۔

خبر کیا تھی اس کے قدم کی راہ تک رہے تھے حالات
دور سے ہی اپنے گیٹ پر پہاؤہ منظر دیکھا کہ دل شق ہو گیا
تھا۔ بس یہی ایک خیال ذہن میں پچا تھا کہ اگر آج بھی وہ
یہاں نہ آئی تو ماں جی کا حال کیا ہوتا؟ یہ بیٹوں کا کام کا نام
تھا دونوں اپنے اپنے حصے کی روزی کمانے نکلے ہوئے تھے
بس ایک بوڑھی مقفون عورت کے حق پر ہی شب خون مارا
گیا تھا اور لیرے کوئی اور نہیں اس کے اپنے جگر کے ٹکڑے
تھے۔ اسی لیے آج اس کے دل کی کچھ عجیب ہی حالت
ہوئی کہ وہ ان کی طرف نکل آئی تھی۔ ماں جی ذہیل چیر
سمیت گیٹ کے باہر لوٹھکی پڑی تھیں، ٹیلی ہونے کی وجہ
سے مٹی میں بھی لت پت ہو گئی تھیں۔ بے بسی لا چارگی اور

حقین القلمی کا یہ منظر شاید پہلے بھی نہ اس نے دیکھا ہو۔
اربیہ ان پر برس رہی تھی اور دوسری بہو سارا تماشا اور پیرس
پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے لگا تارا نسو بہہ
رہے تھے وہ دوڑ کر پاس آئی تھی۔

"کیا ہوا..... کسے کریں ماں جی....." انہیں اٹھاتے
ہوئے اس کی چیخ نکل گئی۔

"لو آئیں ایک اور دکھاوے کی ہمدرد ساری گندگی
بھگتے کو ہمہ گئے ہیں اور یہ بی بی آکر ٹپلی کے دو بول بول
کر ہمدردی ہونے کا شرف حاصل کر لیتی ہیں۔"

"ماں جی انہیں..... تھوڑی سی ہمت پاندھیں۔" وہ
اربیہ کی باتوں سے قطع نظر اس بات کی فکر میں تھی کہ انہیں
جلدی سے اٹھالے اس سے پہلے کہ دنیا والوں کی نظر میں
تماشا بنے۔

انہیں کسی طرح سمیٹ کر وہ اندر لانے میں کامیاب
ہوئی، حوصلے نہ سمیٹ سکی، امیدیں اور توقعات تو دھوکا
محسوس ہوئے ہی تھے اب رشتوں کی صداقت بھی دم توڑ
گئی تھی۔ ان کی حالت ابتر تھی ان کے گندے وجود کو
صاف کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ انہیں نیم گرم پانی
سے تھپا کر صاف تھرا کیا اور ٹیکسی منگوائی۔ اب کسی سے
اجازت لینے کی اسے ضرورت ہی نہیں تھی ان کے گندے
وجود سے زیادہ لفظ بہو سے غلاظت محسوس ہوئی تھی۔ ان
کے سارے کپڑے دوائیاں اور دیگر ضروریات کی چیزیں
یکٹیں ٹیکسی میں بھالیا اربیہ اور شوہر دونوں نکل آئیں۔

"کہاں لے کر جا رہی ہو اپنے بھائی سے پوچھ لیتیں
بی بی!" زہر خند لہجے میں اس نے اپنا حق جتایا اب چپ
رہنے کا نام اس کا بھی نہیں تھا۔

"سارے رشتوں کی موت ہو چکی ہے کون سا بھائی
کون سا بیٹا..... بس اب خدا کے فیصلے کا انتظار ہے جب
آپ بھی پڑے گندے کریں گی اور بہو گیٹ سے باہر
آپ کو پھینک دے گی۔" آنسو رخسار کو بھگو گئے۔

"اے ٹوہ تو بدعا دے رہی ہے ڈائن کی طرح.....
میں نے نہیں پچھا کہ یہ خود گیٹ تک آئی تھیں کہ ڈیل

چیر سلپ ہو گئی۔ اپنے کارنامے پر پردہ ڈالنے کے
لیے....." وہ اور بھی بہت کچھ کہتی رہیں چلا چلا کر اپنی صفائی
دیتی رہیں اس نے ڈرائیو کو چلنے کا اشارہ کر دیا۔

ماں جی اس کے کندھے پر سر رکھ کر بے آواز روٹی
رہیں اور وہ خود بھی آنسوؤں کی بارش میں بھیکتی رہی تھی۔
اعتراف کے آگے سارا بارہا رکھا ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ اس کی
اپنی ماں بھی حیات ہوتیں تو وہ اسی طرح خدمت کرتی اس
کا دل بھی تسخیر کیا، خوشی اپنے ساتھ انہیں رہنے کی اجازت
دے دی۔

اتنے دن کی خاموش ریاضت کا صلہ اسے مل گیا کہ
دابا نے ساس کو اپنی ماں سمجھ کر ان کی خدمت شروع کر دی
تھی۔ دونوں بھائیوں کے خون آتے اس نے صرف یہ کہہ
کر یہ رابطہ بھی منقطع کر دیا تھا۔

"مجھے فرصت نہیں ہے آپ لوگوں کی جھوٹی سچی
صفائیوں اور استحقاق پر کان دھرنے کا اور ماں جی تو بات
ہی نہیں کر پاتیں پھر کس لیے آپ اپنا اتنا قیمتی وقت ضائع
کرتے ہیں۔"

علامہ اقبالؒ
اور اردو ادب کے نامور شعرائے کرام کی اردو
شاعری کے مفت ایس ایم ایس اپنے موبائل پہ
حاصل کریں
WriteMessage
میں
Follow pak488
لکھ کر 40404 پر سینڈ کریں پھر اپنا نام لکھ کر
40404 پر سینڈ کریں۔
اس سروس کے روزانہ مہینے کے کوئی چار جز نہیں
یاد رکھیے Follow اور pak488 کے درمیان
ایک وقفہ دیں
جبکہ pak اور 488 کے درمیان کوئی وقفہ نہ دیں
مزید تفصیلات کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں
03464871892



افسانہ

سندھ الصنعتی جیلز

ہونٹ وہ بات کر نہیں پاتے
جو آنکھوں کے رنگ کرتے ہیں

چپ چاپ گم صم رہتے والے
اپنے آپ سے جنگ کرتے ہیں

اگر ابھی خواب کے ٹوٹنے سے گزرتا ہوتا تھا تو خواب کی فصل اسے مہنگی پڑنے والی تھی۔ بوڑھے چہرے کی جھریوں میں صدیوں کی حکمت پوشیدہ تھی۔ اسے عمر کے اس انچ پہ کھڑے ستر سالہ بے ترتیب کپڑوں اور داڑھی والے لالہ بانی پہ کتنا رحم آیا تھا۔ جس کے چہرے پہ مشقت اپنی پوری داستان سنار ہی تھی۔ اور ایک ادھڑ عمر جھکی آنکھوں والی دنیا جہاں کی رونقوں سے بیزار نظر آنے والی خاتون اور اس کے سامنے سے گزرتا ہوا رکنا ادھر ادھر بے خیالی میں غائب دماغی سے نظر گھماتا ہے جین طبیعت کا گھس لیے کوئی نو جوان۔ اسے لگا اس ایک کونے میں قطار کی صورت سارے جہاں کے مسئلے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ لمحہ جیسے ساکت تھا۔

اس نے ایک نظر اپنے اندر ڈالنا چاہی اور ہمیشہ کی طرح مایوسی ملی خود اس کے اندر کی کہانی کون کہتا۔ وجہ کیا بھی یہ کون جانتا۔ ہر کوئی باری باری اپنی کہانی سناتے اندر جاتا اور

اندر سے لے کر باہر تک دینگ روم کی قطار اپنی ہوئی تھی۔ یہ ایک سا کڑا ٹرسٹ کے کلینک کے اندر کا منظر تھا۔ کونے کی ایک میز کے سامنے ایک کرسی پہ وہ بھی بیٹھی تھی۔ یہاں اس کے علاوہ کون نہیں تھا۔ بچے، بوڑھے، آدمی، عورتیں ہر عمر کے افراد موجود تھے۔ وہ اپنی ازلی غائب دماغی سے ہر شخص کے چہرے سے اس کی عمر کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ ہر ایک کے چہرے کی الگ تصویر کشی کی کوشش میں ذہن ہلکان تھا۔

جانے انسان اور چہروں میں اپنی کن محرومیوں کے جواب ڈھونڈتا ہے؟ یا پھر ان کو تلاش کرنے کی وجہ۔ اس نے سوچا بھلا نو سال کے بچے کو کیا مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے۔ جسے ماں اپنے پریشان چہرے سے بار بار دیکھتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں بلا لیں لے رہیں تھی۔

اسے تعجب بھری حیرت سے دکھ بھی ہو رہا تھا، نو جوان لڑکی کے چہرے پہ نا آسودہ خوابوں کی جھلکیوں میں محرومی تھی۔

دروازے پر ایک تواتر سے دھتک دہتی شروع کی۔ ”اگر آپ نہیں کھولیں گی دروازہ تو میں چلا چلا کر روؤں گی کہ مغلے والے جا میں گے۔“ یہ کہنے کی دیر بھی کہ خوف زدہ اور ہراساں ہو کر راجیلہ نے دروازہ کھول دیا جو نہ کھولنے کا قصد کیے بیٹھی تھیں۔

ان کے دروازہ کھولنے کی دیر بھی کہ کوئل ان کے سینے سے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ ”دودھ سائیز شیل پر دھرا تھا اس کے رونے سے وہ کچھ ناخدا کر رہی تھیں۔“

”ہوا کیا ہے کچھ بولو گی؟ کیوں رات گئے مجھے بھی پریشان کر رہی ہو؟“

”دو بیٹیوں کی جدائی پر بھی آپ کو بیٹی کی کمی محسوس نہیں ہوتی، حیرت ہے کتنا پتھر دل ہے آپ کا۔“ اس نے ناک سیکڑی۔

”ہاں..... تو دونوں کو خدا خواستہ پھر سے بلا لوں اس گھر میں اللہ انہیں آباد رکھے اپنے گھر میں۔“ معاملے کی نزاکت کو کچھ سمجھتی تھی اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھایا۔

”اور میں کیا کروں..... کہاں جاؤں میں بھی تو آپ ہی کی بیٹی ہوں میرا کوئی ٹھکانہ ہے کہ نہیں؟“ ان کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں پتھر چل گیا تھا اس بار نہ احتجاج غلط ہے نہ تربیت ورنہ رات کے اس پہراتی ضد اور دھتک سے دروازہ کھلوا کر محبت کوئی اور نہ جاتا۔ مان فخر اور توقعات کی ایک سبیل جاری تھی جس سے دونوں سیراب ہو رہی تھیں۔

”تمہارا ٹھکانہ میرا دل ہے بتاؤ اس سے بھی مضبوط اور کوئی آشیانہ ہوگا۔“ اس کی ٹھوڑی تھام کر انہوں نے پیاد بھری نظروں سے دیکھا تو وہ دوبارہ ان کے سینے میں گھس گئی۔

”امی جان.....“ بہت چاہ سے انہیں پکارا تھا جوابا انہوں نے اس کے گرد اپنے دونوں بازوؤں سے کس کر حصار باندھ دیا تھا۔

دن رات ماں جی کی خدمت کی لیکن انہیں دوبارہ وہ زندہ نہ کر سکی تھی جو وہ بیٹوں کی کج ادائیگی کی موت مرگئی تھیں۔ دو سال بعد وہ سارے حوصلے ہار کر راجیلہ کی گود میں سر رکھے اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں لیکن اس کے دل میں ڈر اور بد اعتمادی کا بیج بو گئیں۔

زار کو دیکھ کر ڈر لگتا کہ انہی ہاتھوں میں خود کی ظالمت تو نہیں لکھی ہوئی تو کیوں نہ ابھی سے وہ سارے حوصلے جمع کر لیں جو وقت سے پہلے مجھے بکھیرنے پر تل جائیں گے۔ اپنا فرض سمجھ کر بیٹوں کی پرورش کی لیکن حقوق کی توقعات کی پوٹی باندھ کر کھجوتے کے سمندر میں پھینک آئی تھیں۔

ایک روز بیٹی کو اپنا دکھ بتاتے ہوئے زوار کی سماعت بھی چوکنہ ہوئی تھی کہ وہ بیٹے کی شادی سے کیوں ڈرتی ہیں؟ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں وہ سمجھانے کا کاتے والی کا رویہ جانے کیا ہو؟ ویسے بھی آج کل گھر گھر میں پھیلنے والی ساس بھویکی ذہنی ناہم آہنگی کی داستان سن کر وہ کچھ اور بے زار ہو گئی تھیں اس رشتے سے۔

گھر میں بھوتاتارتے ہوئے بھی سوچا تھا یہ ملکیت کا آخری دن ہے کل کسی اور کی حکمرانی کا سورج طلوع ہوگا۔ کوئل کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں کتنا غلط سمجھ بیٹھی تھی وہ اپنی ساس کو ان کے پیاد بھرے دل میں خوف و دوس سے بچھن پھیلانے ہوئے تھے محبت نمایاں ہوتی تو کیسے.....؟

”میں ان کے سارے ساندیشوں کو غلط ثابت کروں گی۔“ ایک عزم سے وہ اٹھی تھی۔ ”میں ثابت کروں گی کہ کہیں بھو غلط ہوتی ہے تو نہیں ساس بھی احساس ملکیت میں بیٹوں کے حوصلے پست کرتی ہیں۔“ کیونکہ ایسے چند گھرانے اس کی نظر میں بھی تھے جہاں لے جا کر ان کی آنکھیں کھولنی تھیں۔ سب اپنی ماں سے بڑھ کر انہیں محبت دیتی تھی تا کہ ان کے سارے ساندیش نام ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دیں۔

وہ دونوں نو جوان تھے بھوکے کہ رات گزار سکتے تھے لیکن امی کمزور پڑ رہی تھیں کچھ بیماری سے کچھ خوف سے بچن میں جا کر دودھ کا گلاس تیار کیا ہار گس ڈال کر ان کے



دوا سنوں کا نسخہ لے لیں بے یقینی کی آدمی ادھوری ٹوٹی پھوٹی کھری کیفیت لے ہوئے باہر آتا اور دوائیوں کا نسخہ لیے گزر جاتا۔ نام پکارا جانے لگا۔ کہانی سنانے کی باری اب اس کی تھی۔

☆☆☆.....

وہ اس کا پرانا جاننے والا تھا اس کے ابا کا پرانا دوست گوکہ شکل دیکھے ایک عرصہ ہوا تھا مگر یادداشت نے سنگٹل دیا تو شناسائی نے احساس دلایا وہ مسکرائے تو اس کے چہرے پہ بھی اک مسکراہٹ ابھری مگر بھی ہوئی۔ انہیں اس کا تعلیمی ریکارڈ سب یاد تھا بہت شاندار رہ چکا تھا۔

وہ پوچھ رہے تھے۔
”پڑھائی چھوڑ دی تھی کیا؟ ایم اے اردو ایم اے سندھی تمہارا خواب تھا۔“
”خواب پورا ہوا اس کے بعد لیکچر رشپ کے لیے دی ہوئی کیشن بھی ٹھیک کی۔“
”مطلب تعلیمی لحاظ سے کوئی کمی نہیں۔ یہ بتاؤ شادی ہوئی؟“ سوال بہت اہم اور ضروری تھا۔
”جی بالکل ہوئی۔“

”شوہر کیسا ہے..... کتنا ہے..... جب خرچ اچھا دیتا ہے..... خیال رکھتا ہے..... شک تو نہیں کرتا..... زیادہ روک ٹوک تو نہیں..... کام کیا کرتا ہے..... میر وغیرہ کے لئے لے جاتا ہوگا؟“ ہر سوال کا جواب مثبت تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”بچے؟“ ایک اور اہم سوال۔
”جی دو ہیں۔“ جواب تسلی بخش تھا۔
”دو بیٹے یا دو بیٹیاں؟“
”ایک بیٹا ایک بیٹی۔“
”شکر ہے رحمت بھی اور نعت بھی۔“
”سب ہے۔ شادی، بچے، شوہر سہولیات سب کچھ..... پھر یہ خلا.....“ کہنے لگے۔
”یہ بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟“

”اس کا نسخہ ہوتا تو کیا میں یہاں آتی؟“ چہرے ہوئے۔ کہنے لگے۔
”کل گھر آؤں گا تمہیں کوئی اعتراض؟“
”سو یا آ میں اعتراض کیوں ہوگا۔“ اس نے کہا۔
ان کی مسکراہٹ میں خاموشی آگئی۔

اور یہ پہلی مریض بغیر کسی نسخے کے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔
اگلی صبح وہ اس کے گھر تھے۔ سڑک سے لے کر گھر تک وہ چھوٹے چھوٹے مسائل کو ڈھونڈنے کی کوشش میں ناکام رہے تھے۔ لاؤنج میں ایک بڑا سا کتابوں کا شیلف بھی تھا وہ اس کی من پسند کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگے جب اس کا شوہر عاشر اندر آیا بڑے اخلاق سے ملا اور اس سے کہیں زیادہ اچھی گفتگو بھی کی۔ تب ہی وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔

اچھی خاصی فریش اور تازہ دم مگر اچانک یہ سوچ کی لہر کیوں چہرے پہ آ کر اس کی مسکراہٹ ڈیوڑھی کی۔
بچوں کے آنے کا وقت ہوا کئی تیز داری بچے تھے۔
سلام کیا ان کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب دیے۔ صبح ساتھ کیا۔ لاؤنج سے ڈائننگ ہال اور ڈائننگ ہال سے سٹنگ ایریا میں بیٹھ کر چائے پینے تک سب خیر تھی۔ سب ٹھیک تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ اچھا تھا۔
لینڈ لائن فون کی تیل ہوئی عاشر نے مہر سے کہا۔
”تمہاری دوست کا فون ہے بات کر لو رات سے کال کر رہی ہے۔“ وہ انھی کچھ منٹ بات کی۔ پھر آ کر اپنی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

بچے آئے ماں کے گال پہ پیار کیا پیپا کے ساتھ چٹ گئے یہ کچھ منوانے کی اداس تھی۔
وہ مسکرایا اس کی مسکراہٹ پہ صاف لکھا تھا وہ شرارت سے نفی میں سر ہلا رہا تھا پھر مصنوعی انکار اس ساری کارروائی میں وہ مسکراتے رہے تھے۔ کتنی مکمل خوش حال خوش مزاج بیٹھی تھی۔

مگر اس کے چہرے پہ آتی کیفیت کی لہر جس سے

بڑ حال ہوتے بالوں کی لٹ وہ بیزاری سے کان کے پیچھاڑتی تھی۔
اسی وقت عاشر اٹھا کسی ملازم سے معمولی بات کی تکرار کے بعد عاشر نے اسے پیسے دیے مہر مسلسل اسی طرف متوجہ تھی۔

عاشر بہت ٹھیک موڈ میں کمرے کی طرف چلا گیا۔ مہر پرتلی سے ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
بچہ چپا کی اجازت سے کہیں گھونسنے نکل گئے۔
مہر نے ملازمہ کو بلا کر صاحب کا پوچھا اس نے بتایا کہ وہ کسی ضروری مینٹنگ میں جا رہے تھے۔
انہیں لگا بیٹھنے کا اب کوئی جواز نہیں۔

وہ اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے مگر ذہن میں ایک نکتہ اپنے پورے سوال کے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔
اور دوسری طرف وہ لہر بھی جو چہرے کی مسکراہٹ میں خاموشیاں بھر دیتی ہے۔

اس سے پہلے کہ دوپہر شام میں بدلتی ان کو کلینک پہنچنا ہوتا کیونکہ مریضوں کی لمبی قطار ان کا انتظار کرنی تھی۔
شہر کے بہت بڑے ماہر نفسیات میں ان کا شمار تھا۔
کسی کی کہادت یاد آئی۔

”نفسیات کو سمجھنے سے پہلے خود نفسیاتی ہونا پڑتا ہے۔“
اس لیے کسی بھی نفسیات دان کا نفسیاتی لگنا تعجب کی بات نہیں۔ چھپلی رات سے وہ کئی بار مہر کی چھپلی زندگی کے بارے میں سوچتے رہے۔ وہ پہلے سے بہت اچھے حالوں میں تھی۔

ماضی قریب سے ایک جھگڑتی ہوئی پر سوچ لگا ہوں والی چلتے چلتے لڑکھڑاتی ہوئے سے متعلق اور سمجھتے ہوئے حیرتوں میں ڈوب جانے والی حیرتوں سے چوتھے حال میں لوٹے منظر سے فرار ہو جانے والی مہر الگ تھی۔

اور یہ پراعتماد پڑھی لکھی ایک اچھے گھر کی مالک دو بچوں کی ماں ایک خوش مزاج شوہر کی بیوی ہونے کے باوجود کسی لہر کی ضد میں کیوں آ جاتی تھی۔

آنچل کی جانب سے ایک امانت

حجاب کراچی

شائع ہو گئی

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلہ وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے راست ایک مکمل جزیہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود ہے آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور صرف ”حجاب“ آج ہی ہمارے کمرے کراچی کا بک کر لیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

اب کی بار انہوں نے پکا سوچ لیا بس فون کر کے خوب سارا ڈانٹا ہے اور سمجھاتا ہے کہ اتنی نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی یہ انجمن ایک ناشکری نہیں تو اور کیا ہے۔ ناشکری سے نعمتیں جمن جاتی ہیں۔ اور شکر کی تسبیح نعمت کو بڑھا دیتی ہے۔ کلینک سے باہر پارکنگ ایریا میں گاڑی تھی۔

وہ نماز کے وقفے کے بعد مسجد سے کلینک ہی جا رہے تھے جب رستے میں قدم رک گئے تھے۔

یہ تو دی لڑکا تھا جسے ایک خاتون زبردستی ان کے پاس لائی تھیں۔ لڑکا خاصا کمزور مزارع تھا بارگاہ رہا تھا کہ مجھے کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں ہے اور ماں کی الگ یہی تکرار کے اس کی سوچوں نے اسے کہیں کانٹیں چھوڑا۔

انہیں نسخہ لیتے ہوئے اندازہ ہوا رہا تھا کہ وہ باہر نکلتے ہی پرچی بھاڑ کے ڈسٹ بن کے حوالے کر دے گا نہ پھاڑی تو دو دائیں لے گا۔ لے بھی لی تو کھائے گا نہیں اور اگر ماں نے زبردستی کھلا بھی دی تو اثر نہیں کرے گی۔ اس کے چہرے پہ وہی اکڑ سے تاثر مزاج کی گرمی ظاہر تھی اور جملہ وہی کہ دیکھو کون کہتا ہے میں نفسیاتی ہوں میں تمہیں نفسیاتی لگتا ہوں؟ لہجہ تیز تھا۔ ٹیکھا۔

وہ بیچ پر بیٹھ گئے لڑکا اپنی گفتگو میں مگن تھا۔ انہوں نے اسے زیادہ دیکھنے سے گریز ہی کیا کہ نظر کی شش انسان کو اثر کر دیتی ہے۔ بس سننے پہ اکتفا کیا۔

”دیکھو وسیعہ میری بات سنو۔ بات دراصل یہ ہے کہ مسائل کئی ہوتے ہیں کئی چھوٹے مسائل ایک بڑی غلطی سے نکلتے ہیں اور پھر چھوٹے چھوٹے دشمنوں کی طرح رستے لگتے ہیں۔ مگر تم نہیں سمجھو گی۔“ لڑکا کسی لڑکی کو سمجھاتے ہوئے ہلکان تھا۔

”دیکھو بہت سادہ سی مثال ہے مجھے نفسیاتی کہنے والے سن لیں۔“ لڑکے نے کہا اور ان کے کان کھڑے ہو گئے۔

”ہم دو ایک جگہ بیٹھے ہیں کوئی اپنی قیمتی چیز امانت لے آتا ہے۔ وہ تمہارے بجائے مجھے دیتا ہے اس اعتماد

کے قابل وہ مجھے سمجھتا ہے۔ چاہے وہ تم سے پیار کرے ہو۔ چاہے تمہاری پروا بھی کرتا ہو۔ مگر اہمیت اور بھروسے کے قابل تمہیں نہ سمجھتا ہو۔ اہمیت کا حصہ میرے حصے میں آتا ہے تم پر کیا گزرے گی۔“ ایک لڑکے نے صرف ایک لہر جو مہر کے چہرے پہ آکر ٹھہری تھی اس کے مفہوم کے درکھنے کا لمحہ تھا۔

”دیکھو میں سب سے چھوٹا تھا۔ مجھے ہر اہم فیصلے سے نکال دیا جاتا تھا۔“ لڑکا بول رہا تھا اور انہیں یاد آیا۔

مہر گھر میں سب سے چھوٹی ہے۔ بچی ہے نا سمجھ ہے شرمیلی بھی ہے سمجھتی ہے اس لیے۔

”میرا جھگڑنا ڈرنا چاپ رہنا اور کم ہمتی، جو بھی سمجھو اس میں ردیوں کا قصور ہے نا کہ میرا۔ میں اس گھر کا چھوٹا بچہ ہوں جہاں خود میرے نصیب کا فیصلہ بھی مجھ سے ہو رہا ہے بغیر صرف بتا کر دیا جاتا ہے اور تم کہتی ہو میں لڑنا ہوں۔ یا چاپ رہتا ہوں، سوچتا رہتا ہوں، رنگ کیوں اڑ جاتا ہے چہرے کا۔“

وہ اٹھے حالانکہ لڑکا اب بھی بول رہا تھا۔ انہیں اپنے اچھے ہوئے سوال کا بہت آسان جواب مل چکا تھا۔ ذہن کی اسکرین پر کل کا دن فلم کی طرح چل رہا تھا۔

وہ ٹیکسٹ جو انہوں نے مہر کو کرنا تھا اس کی نوعیت اب بدل گئی تھی۔

ان کی نظر میں بس ایک منظر تھا جب ملازم میسے کے لئے بی بی کے بجائے صاحب سے بات کر رہا ہے۔ بچہ پیار تو ماں سے کرتے ہیں مگر اجازت بابا سے لے رہے ہیں۔ شوہر کتنا خیال رکھتا ہے کہ بغیر بتائے گھر سے نکل جاتا ہے۔

اور ہر پارکھرو سے اور اہمیت کے کچلنے پر جو لہر اس کے چہرے پر آتی ہے۔ وہ بے وجہ نہیں ہے۔



لڑکا ہوا نالا
سمیرا اشرف ظہیر

مسئلے تو پچھلے سال کے اپنی جگہ رہے

سب سوچتے رہے کہ نیا سال آ گیا

خوشیاں جو بانٹتا تو کوئی نئی بات تھی

گزر رہا یہ سال بھی عمریں بڑھا گیا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز درویش کی مدد سے شہزاد اور مصطفیٰ کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے میں کامیاب رہتا ہے جب ہی شہزاد مصطفیٰ کے روپے سے خائف ہو جاتی ہے۔ اسی دوران ایاز اسے کالج سے واپسی کے دوران اسلحہ کے زور پر کڈنیب کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ڈرائیور اور امجد خان کی بروقت مدد سے شہزاد خود کو چھڑانے میں کامیاب رہتی ہے جبکہ اس حادثے کے دوران درویش ایک ہی منظر سے غائب ہو جاتی ہے ایاز اپنی اس ناکامی پر شدید متحیر ہوتے فرار ہو جاتا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر مصطفیٰ شدید کرب میں مبتلا ہوتا ہے اسے یہ سب باقاعدہ کسی پلان کے تحت انجام ہونا محسوس ہوتا ہے۔ سکندر اپنی اسٹوڈنٹ لالہ رخ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط رویے سے کافی متاثر ہوتا ہے دوسری طرف لالہ رخ بھی اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے جبکہ افشاں کے لیے یہ سب ناقابل برداشت ہوتا ہے وہ سکندر کو پسند کرتی ہے۔ ہیضاء کے پروپوزل پر صاف انکار کر دیتی ہے دوسری طرف سکندر کا جھکاؤ لالہ رخ کی طرف ہوتا ہے اسی دوران لالہ رخ اپنے تمام حالات سے اسے آگاہ کرتے اپنے گاؤں لوٹ جاتی ہے۔ اس کا تعلق ایچھے گھرانے سے ہے مگر اس کا باپ جائیداد کی خاطر اس کی شادی اپنے اباؤاں سے کر دیتا ہے۔ ایچھے گھرانے کے کہنے پر لالہ رخ اپنا پروپوزل اس کے سامنے رکھ کر اسے حیران کر دیتی ہے یہ سب جان کر سکندر کی بے چینی اڑھ بڑھ جاتی ہے وہ کسی بھی طور لالہ رخ سے رابطہ کرنا چاہتا ہے۔ کاشفہ ولید کی عبادت کی غرض سے اسپتال پہنچتی ہے، جبکہ ولید اسے دیکھ کر شدید اشتعال میں آ جاتا ہے دوسری طرف وہ انا کو بھی اپنی دشمنی آمیز رویے سے خائف رکھتی ہے۔ مصطفیٰ اس حادثے سے متعلق درویش سے استفسار کرتا ہے جس پر وہ شہزاد کی ذات کے حوالے سے کافی تحقیر آمیز لہجے میں بات کرتی ہے جبکہ درویش کا یہ انداز مصطفیٰ کو شدید غصے میں مبتلا کر دیتا ہے جب ہی وہ اسے سخت سناتا ہے دوسری طرف ایاز ایک مرتبہ پھر درویش کی مدد سے اپنے نئے پلان پر عمل درآمد کرنے کی کوشش جاری رکھتا ہے۔ فیضان رابعہ کے پروپوزل کے سلسلے میں عباس سے ملتے ہیں اور عباس کو رابعہ کے رشتے پر صاف انکار کر دیتے ہیں یہ صورت حال عباس کے لیے قطعی غیر پسندیدہ ہے جب ہی وہ اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا ہے لیکن فیضان اس کی ہر بات کو رد کر دیتے ہیں۔ لالہ رخ کے گاؤں پہنچنے پر اس کی ماں اسے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانا کا کہتی ہے دوسری صورت میں ظالم باپ اور مایوں جیسے شخص ساتھ وہ بھی نہیں چاہتی۔ جب ہی خان بابا کے بیٹے امجد خان کے بیوی بچوں کے ساتھ وہ شہر آ جاتی ہے دوسری طرف امجد خان اسے ہاسٹل میں چھوڑ کر سکندر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرنے کی غرض سے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے



دروازہ کھولنے والی خالدہ بی بی تھیں اپنے سامنے اجنبی لوگوں کو دیکھ کر چونک گئی تھیں چونکہ تو افشاں بھی گئی تھی۔

”آپ کون لوگ ہیں؟“ افشاں نے پوچھا۔

”مجھے سکندر صاحب سے ملنا ہے۔“ امجد خان نے کہا تو افشاں نے اچھے کران کو دیکھا۔ ایک عورت ساتھ ایک بچہ اور

مرد تھا۔

”وہ ادھر ہی رہتے ہیں نا؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”مگر آپ ہیں کون؟“ افشاں نے پھر پوچھا۔

”سکندر صاحب سے ملو ادیں اپنے بارے میں ان سے ہی بات کروں گا۔“ افشاں نے اچھے کرانہ بی کو دیکھا۔

”میں بلا کر لانی ہوں۔“ خالدہ بی اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھیں۔ کچھ دیر بعد سکندر امجد خان سے

ہاتھ مل رہا تھا۔

”میں معذرت چاہتا ہوں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ وہ لوگ ابھی بھی دروازے پر ہی کھڑے تھے۔

”آپ لالہ رخ کو تو جانتے ہوں گے نا۔“ سکندر کے ساتھ ساتھ افشاں بھی چونک گئی تھی۔

”لالہ رخ.....؟“ سکندر پکارا تھا۔

”میں ان کے ملازم کا بیٹا ہوں لالہ رخ اس وقت ویمن ہاسٹل میں ہے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ آپ سے

ملنا چاہتی ہے۔“ سکندر ایک دم چونکا۔ افشاں ناچھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”وہ ٹھیک ہیں نا؟“ سکندر نے بے اختیار ی میں پوچھا۔

”ابھی تک تو ٹھیک ہی ہیں لیکن آئندہ کیا حالات ہوتے ہیں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“ امجد خان ایک سلجھا ہوا مرد تھا اس

کی گفتگو بھی مہذبانہ تھی۔

”اوکے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔“ سکندر نے فوراً فیصلہ کیا افشاں نے حیرت سے دیکھا۔

”تم کہاں جاؤ گے؟ تم بھلا ان لوگوں کو کیسے جانتے ہو۔“

”لیکن میں لالہ رخ کو تو جانتا ہوں میں کچھ دیر میں آ جاؤں گا ڈونٹ وری۔“ وہ افشاں کو تسلی دے کر واپس اپنے

کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ لباس بدل کر کچھ دیر بعد امجد خان کے ساتھ چل دیا تھا۔

وہ ہاسٹل پہنچا تو لالہ رخ داروں کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ داروں لالہ رخ کے حالات سے باخبر تھی وہ نیک دل

عورت تھیں ان کو لالہ رخ سے خصوصی لگاؤ تھا سو کسی کو بھی خبر ہونے سے پہلے وہ خاموشی سے لالہ رخ کو اپنے کمرے

میں لے آئی تھیں۔ سکندر وہاں پہنچا تو لالہ رخ کو دیکھ کر چونکا تھا۔ عجیب کمزور حال پڑمردہ کی لگ رہی تھی چہرے

کی تازگی نہ ہو رہی تھی۔ لالہ رخ سے مل کر اس کی ساری کھانسنے کے بعد سکندر کافی دیر تک خاموش رہا تھا۔

”دیکھیں آپ اگر ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں بتادیں ورنہ ہمارے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ صبح کی

روشنی ہوتے ہی لالہ رخ بی بی کی حویلی میں ان کی کم شدگی کی خبر پھیل جائے گی اور سب سے پہلے ان کو تلاش کرنے وہ

لوگ یہاں ہی آئیں گے۔ مگر آپ ان کی مدد کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ پھر میں ان کو لے کر نہیں اور چلا جاؤں گا۔“ امجد

خان کا اس انداز تھا سکندر نے چند لمحوں میں سوچا تھا۔ ایک نگاہ کم صحت مند لڑکیاں جن کا لالہ رخ پر ڈالی اور پھر ایک دم ایک

فیصلہ کیا تھا۔

”آپ لوگوں کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں آپ لوگ ہمارے ساتھ گھر چلیں۔“ سکندر کے الفاظ پر لالہ رخ نے بے

اختیار سے دیکھا تھا سکندر مسکرا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ان لوگوں کو لے کر اپنے گھر آ گیا تھا۔ افشاں ان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

”تم ان کو یہاں کیوں لائے ہو؟“ وہ اس سے الجھ پڑی۔ جو اب سکندر نے اسے لالہ رخ کی ساری کہانی سنائی تھی۔
”اب تم کیا چاہتے ہو؟“ افشاں نے خوف زدہ نظروں سے سکندر کو دیکھا۔
”ایک لڑکی میرے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئی ہے وہ اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہے اسے میں ایسے تہا نہیں چھوڑوں گا۔“ افشاں حیرت سے دیکھ گئی۔

”اوپر والے پورشن میں ان لوگوں کے رہنے کا انتظام کرو میں نے ہاسٹل سے ہی ضیاء کو کال کر دی تھی وہ کچھ دیر میں صبحی اور وقار کو لے کر پہنچ رہے ہوں گے۔ میں کل لالہ رخ سے نکاح کر لوں گا۔“ انداز میں اور فیصلہ کن تھا وہ کہہ کر پانی اور افشاں بالکل ڈھسے گئی۔

اس کے رخساروں پر بے اختیار آنسو بہ رہے تھے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں بیٹھ گئی تھی۔ خالد بی نے لالہ رخ احمد خان اور اس کی بیوی کے لیے اوپر والے حصے میں آرام کرنے کا انتظام کر دیا تھا کچھ دیر میں صبحی ضیاء اور وقار بھی پہنچ گئے تھے۔ فجر کے بعد ضیاء ایک مولوی صاحب کو لے آئے تھے دو تین اور لوگوں کی موجودگی میں سکندر اور لالہ رخ کا نکاح ہو گیا تھا۔ احمد خان سب معاملے میں پیش پیش تھا۔ لالہ رخ کو لگ رہا تھا کہ جیسے ایک دم اس کی زندگی بدل گئی ہے۔ وہ کل کیا ہی اور اب کیا ہے افشاں تم صدم اور چپ چاپ تھی صبحی بہت خوش تھی۔ وقار نے سکندر کو اس کے اس نیک عمل پر بہت سراہا تھا۔

سکندر خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔ اگلے دن احمد خان دوپہر میں اپنے باپ کو فون کرنے گیا تھا وہ فون کر کے واپس آیا تو بہت افسردہ تھا۔

”بڑی تنگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب تھی سب ملازمین کو علم ہو چکا تھا کہ لالہ رخ حویلی میں نہیں ہے اور ملازمین نے اشفاق احمد اور بھائیوں کو بھی اطلاع کر دی تھی وہ دونوں کسی وقت بھی حویلی پہنچ سکتے تھے۔“ سکندر احمد خان کی زبانی وہاں کے حالات سن کر افسردہ ہوا تاہم اس نے لالہ رخ سے ذکر کرنے سے منع کر دیا خواہ وہ بے چاری پریشان رہتی۔

اسی دن احمد خان اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رخصت ہو گیا تھا۔ سکندر کا ابھی تک نکاح کے بعد لالہ رخ سے سامنا نہیں ہوا تھا خواتین ہی اس کے پاس موجود تھیں۔ شام ہوئی تو صبحی وقار اور ضیاء سے ڈچھروں نیک خواہشات سوچنے رخصت ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد خالی بی لالہ رخ کے پاس موجود رہی تھی جبکہ افشاں ان لوگوں کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شاید سارے دن کی اس مصروفیت سے وہ تھک گئی تھی۔ سکندر نے اسے ڈسٹر ب کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی بچن میں آ کر اپنے لیے چائے بنائی تھی۔ کھانا شام ہی سب کھا چکے تھے۔ ”ارے بیٹا تم نے کیوں زحمت کی؟ مجھ سے کہا ہوتا میں بنا دیتی۔“ خالد بی لالہ رخ کے پاس سے اٹھ کر پیچھے گئیں تو اسے کہوں میں چائے ڈالتے دیکھ کر ٹوکا۔

”کوئی بات نہیں خالد بی!“ سکندر نے ایک کپ اٹھا کر نہیں تھمایا۔

”ماشاء اللہ بہت ہی پیاری بچی ہے لالہ رخ! سارا وقت ماں کو یاد کرتے روتی رہی ہے۔ تم اس سے زرا نرمی سے پیش آنا کسی نیک ماں کی اولاد لگتی ہے۔“ خالد بی نے نصیحت کی سکندر مسکرا دیا۔

”لاؤ میں دکن کو چائے دے دوں بلکہ تم بھی آؤ کل کر پی لینا۔“ خالد بی نے کہا انہوں نے اپنا کپ رکھ کر چھوٹی سی

زمرے میں دو کپ رکھے تھے۔

سکندر بھی ان کے ہمراہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا لالہ رخ آج سارا دن اس کے کمرے میں ہی رہی تھی۔ سادہ سے لباس میں بغیر کسی ہار سنگھار کے بستر پر اپنی ہی سوچوں میں گم نشینی لالہ رخ سکندر کی دہن بھی۔ سکندر نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

”چلو بیٹا چائے پی لو کھانا بھی تم نے بس برائے نام ہی کھایا تھا۔“ خالد بی نے کہا تو لالہ رخ نے ٹھٹھک سر ہلایا تھا۔ خالد بی اس سے ایک دو باتیں کر کے چلی گئی تھیں۔

لالہ رخ کچھ ٹیفیوڈی تھی سکندر اس کے سامنے بیٹھا تو وہ اپنی ذات میں کچھ اور سمٹ گئی تھی۔

”یہ چائے لیں۔“ سکندر نے کپ اٹھا کر اسے تھمایا جسے اس نے شکریہ کہہ کر تھام لیا تھا۔ دونوں نے بہت خاموشی سے چائے پی لی سکندر رگہ رگہ ہوا ہے اسے دیکھتا رہا تھا۔

وہ بہت ہی خوب صورت اور دل موہ لینے والی لڑکی تھی۔ پلوں کی گھنی جھار ٹھٹھکی گرتی اسے کچھ اور ہی روپ بخش رہی تھی۔ چائے پینے کے بعد سکندر نے دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر ٹرے ایک طرف رکھ دی تھی۔ سکندر لالہ رخ کے پاس بیٹھا تو انداز میں استحقاق تھا۔

”مجھ سے شادی کر کے مطمئن ہیں۔“ مسکرا کر پوچھا تو لالہ رخ نے پلکیں اٹھا کر دیکھا۔

”مگر غیر مطمئن ہوتی تو میں کبھی بھی احمد خان کو آپ کے پاس نہ بھیجتی۔“ جیسے لہجے میں اس نے دل کی بات کہہ دی سکندر مسکرایا۔ محبت سے اس کا ہاتھ تھامتا تو لالہ رخ کا ہاتھ لرزنے لگا۔

”کیا بتا سکتی ہیں کہ مجھ میں ایسی کیا بات اچھی لگی تھی جو مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔“ نرمی سے دونوں ہاتھوں میں لالہ رخ کے ہاتھ کو سہلاتے سکندر نے پوچھا۔

”دل کے محالات کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہوتے سر!“ سکندر ہنسا۔

”اب بھی سر؟“ لالہ رخ کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔

”سرکار شتم میرے لیے بہت محترم ہے اور آپ ہمیشہ محترم رہیں گے آپ نے جس طرح میری مجبوری سمجھ کر میرا ساتھ دیا ہے میں شاید عمر بھر آپ کا یا احسان نہ بھلا پاؤں۔“

”لالہ رخ.....“ سکندر نے ٹوک دیا لالہ رخ نے آنکھوں میں دھنسا جانے والی نمی کو ہنسی سے روکا تھا۔

”یہ احسان والی بات مت کریں اصل میں کچھ لوگ زندگی میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو جہلی نگاہ سے اچھے لگتے ہیں، مجھ آپ سے کوئی محبت کا دعویٰ نہیں ہے لیکن آپ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز نے ہمیشہ آپ کے کردار کو میری نگاہ میں بہت معتبر بنا کر پیش کیا تھا۔“ لالہ رخ مسکرا دی۔

”آپ نے اپنے بارے میں تو بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن میرے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتیں۔“ لالہ رخ کی رنجیدگی ختم کرنے کو سکندر نے بات بدلی۔

”آپ نے جس طرح میری مدد کی ہے وہ سب آپ کی ذات کو میرے سامنے آشکار کرنے کے لیے کافی ہے۔ میں یہاں اپنی ماں کے مجبور کرنے پر آئی تھی مجھے قطعی امید نہ تھی کہ آپ اس طرح میرا ساتھ دیں گے بھی یا نہیں لیکن آپ نے میرے تمام دوسروں کو غلط ثابت کر دیا میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔“ لالہ رخ کی رنجیدگی جوں کی توں گئی۔ سکندر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامنا تھا۔

”زندگی کے بارے میں میرے کوئی لمبے چوڑے خواب نہیں ہیں سادہ سی عامی ترجیحات ہیں۔ میں پوری کوشش

کروں گا کہ آپ جس بھروسے کو لے کر میری طرف بڑھی ہیں وہ بھروسہ ہمیشہ قائم رہے۔ میں آپ کو اپنے بارے میں مختصر اہتمام دیتا چاہتا ہوں میری ماں ایک غریب گھرانے سے تھیں، میرے والد ایک جاگیردار تھے۔ میری والدہ ان کی دوسری بیوی تھیں، میرے والد کے خاندان نے میری والدہ اور پھر مجھے قبول نہ کیا، میری والدہ کے انتقال کے بعد میرے نانے نے مجھے ایک یتیم خانے میں چھوڑ دیا جہاں کچھ سال بعد میرے والد نے واپس لے لیا تھا اور پھر مجھے سحان صاحب نے اڈاپٹ کر لیا تھا۔ بچپن کے علاوہ میں نے زندگی میں اپنے اصلی باپ کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی ملا البتہ تصاویر ضرور دیکھ رکھی ہیں۔ سحان صاحب اور ان کی بیگم نے میرا بہت خیال رکھا، حقیقی بیٹے کا سایہ دیا اور میں نے بھی ان کو ہمیشہ والدین سمجھا۔ میری ولدیت کے خانے میں ہمیشہ سحان احمد لکھا گیا، ان دونوں کی وفات کے بعد مجھے ان کے خاندان نے بے پالک کہہ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ میں چاہتا تو مقدمہ کر سکتا تھا لیکن مجھے دولت جاسنید اور کسی بھی چیز سے کوئی غرض نہ تھی۔ امریکہ میں میرے نام کچھ پراپرٹی موجود ہے لیکن میں فوراً یہاں سے نہیں جاسکتا تھا بجوراً مجھے کالج میں جاب کرنا پڑی۔ میں مالی لحاظ سے اس وقت بہت مضبوط نہیں ہوں وقت کے ساتھ ساتھ میں شاید اسٹیکلش ہو جاؤں لیکن اس وقت میں جس گھر میں رہتا ہوں یہ بھی افشاں کے نام ہے۔ افشاں میری سگی خالہ زاد ہے۔“ سکندر نے اپنے بارے میں سب بتا دیا تھا۔

”مجھے آپ کی دولت اور جائیداد کسی سے کوئی غرض نہیں، وہ سب کچھ جو آپ لے کر آئی ہیں وہ سب صرف اور صرف آپ کا ہے۔ البتہ میں آپ سے یہ ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی میں جہاں تک بھی بن پڑا میں ہر موڑ اور ہر معاملے میں آپ کی مدد کروں گا۔“ سکندر کا انداز بے عزم اور اعتماد بخشہ والا تھا محبت جتنا احساس دلاتا لالہ رخ مسکرا دی۔ رنجیدہ ہی مسکراہٹ تھی جو سکندر کے دل میں ایک چراغ بن کر دکھنے لگی تھی۔ سکندر نے گرم جوش سے اس کا زہم ہاتھ دبا کر اس کی مسکراہٹ کو مزید اعتماد بخشا تھا۔

ولید دو ہفتوں بعد گھر شفٹ ہو گیا تھا، مصطفیٰ کئی بار عیادت کو آچکا تھا لیکن شہوار نے ایاز کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ آج کئی دنوں بعد مصطفیٰ کے ساتھ ولید کی طرف آنے کو تیار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ آج جلدی گھر آ گیا تھا۔

وہ مغرب سے پہلے ولید کے ہاں آچکے تھے۔ ولید اپنے کمرے میں تھا روشنی ان کو اس کے کمرے میں ہی لگائی تھی۔ انا شہوار اور مصطفیٰ کے لیے چائے بنانے لگی تھی ولید کے زخم تو ابھی بھی برقرار تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی اب مندل ہونے لگے تھے تاہم وہ آج کل مکمل طور پر بیڈ ریسٹ پر تھا۔ وہ مصطفیٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا وہ ساما سارا ون بیڈ ریسٹ سے اب آکٹا چکا تھا لیکن اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس کی ایک بھی نہیں چل رہی تھی۔

”کیسا ٹھیک کر رہے ہو؟“ مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

”بہت بیڈ..... میں اس جبری قید سے سخت اکتا گیا ہوں سب نے مجھے ایک چھوٹا سا بچہ سمجھ لیا ہے۔ حتیٰ کہ کمرے سے نکلنے پر بھی پابندی ہے۔“ وہ سخت خفا تھا بہت خفگی سے، بہن کو بھی دیکھا تھا روشنی نہ دی۔

”یہ سب آپ کی بہتری کے لیے ہی تو کر رہے ہیں ہم۔“

”میں بالکل بے کار پرزہ بن کر رہ گیا ہوں بار!“ ولید کے چہرے پر از حد بے چارگی کی تحریر تھی۔

”چند دن کی بات ہے پھر آپ کے ٹیسٹ کروالیں گے ڈاکٹر نے اجازت دے دی تو آپ باہر نکل سکتے ہیں۔“ روشنی نے سخت گیر بہن کا کردار ادا کیا تھا۔

Decora
Hankies
KITCHEN
TOWELS
Luxury Size

Hankies

”ایک دفعہ مجھے کمرے سے باہر نکلنے دو، تمہیں تو میں اچھی طرح پوچھوں گا۔“ ولید نے دمکی دی جو روشنی نے ہنس کر ٹال دی۔ وہ شہوار سے باتیں کرنے لگ گئی جبکہ مصطفیٰ ولید کے ساتھ اس کے بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد انہی چائے کے لوازمات لیے اوجھڑا گئی تھی مصغراں ہمراہ تھی۔ دیگر لوازمات وہ دونوں منجمل پر سجانے لگیں تھیں۔ مصطفیٰ سے بات کرتے ولید نے ایک ناگوار سی نگاہ انا پر ڈالی تھی۔ ہسپتال سے صبحی تنیم کے ڈسپانچر ہونے کے بعد وہ دوبارہ وہاں نہیں گئی تھی اور گھر آنے پر بھی وہ اتنے دنوں میں نہیں نظر نہ آئی تھی لیکن آج اسے یہاں دیکھ کر اس کی کنپٹیوں کی رکیں ابھرنے لگیں۔ مصغراں چل گئی تھی انا خود ہی گلوں میں چائے انڈیل کر سب کو سرور کر رہی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کو کپ تھمایا تو اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا۔

”ولید بھائی آپ بھی چائے پیئیں گے نا؟“ روشنی نے پوچھا۔

”ہاں دے دو۔“ ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

”انا بھائی کو بھی چائے دے دو۔“ روشنی نے انا کو کہا اور پھر شہوار کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ انا ایک دم جڑ بڑھ گئی تھی۔ اس نے ولید کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر از حد سنجیدگی تھی۔ اس نے خاموشی سے کپ میں چائے اٹھ لی اور ساسر میں کپ رکھ کر اسے ولید کی طرف آئی۔

اس نے قریب آ کر چائے والا کپ ولید کی طرف بڑھایا جبکہ ولید تو جو دیئے بغیر مصطفیٰ سے گفتگو کر رہا تھا۔ مصطفیٰ نے دونوں کو دیکھا تھا دونوں کے انداز عجیب سے تھے اس نے بغور نوٹ کیا تھا۔

”یار چائے لے لو۔“ مصطفیٰ نے انا کی طرف اشارہ کیا تو ولید نے انا کی طرف دیکھا۔ انداز میں بہت گرمی تھی۔ اس نے انا سے کپ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا انا کا ہاتھ ٹوٹ کر لیا تھا یا ولید نے بہت غصے سے ہاتھ بڑھایا تھا۔

ولید کا ہاتھ ساسر سے ٹکرایا نتیجتاً چائے کا کپ انا کے ہاتھ پر اٹھا بستر پر گرنا تھا جو انا کے ہاتھ کو جلاتا بستر کی چادر کو بھی داغ دار کر گیا تھا۔

”آف.....“ انا نے ایک دم باتیں ہاتھ سے اپنا دیاں ہاتھ تھا تھا کبھی پریشان ہو گئے تھے۔

”اوہ نو.....“ روشنی ایک دم کپ پاس آئی تھی۔ ولید نے مطمئن سا بستر کی بیک سے کمر نکا کر سنجیدگی سے انا کو دیکھا تھا۔ جواب دہائے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ تھا سے ہوئے تھی، مصطفیٰ نے خاموشی سے ساری کارروائی نوٹ کی تھی۔

شہوار بھی انا کے پاس آ گئی تھی۔

”یہ تو جمل گیا ہے اس پر کوئی آئینہ لگا میں فوراً.....“ شہوار نے انا کا ہاتھ تھام کر دیکھتے فکر مند سی سے کہا۔ انا نے ہونٹ دانت تلے دبا لیے تھے اس نے ایک نگاہ ولید پر ڈالی تھی۔ ولید کے چہرے پر از حد سنجیدگی تھی تاہم اس کی آنکھوں میں عجیب سی گرمی تھی۔

”میں لگالوں گی تم کو لوگ چائے پیو۔“ وہ سنجیدگی سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی، شہوار بھی اس کے ساتھ فوراً کمرے سے نکلی تھی۔ روشنی نے ایک گہرا سانس لیا وہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ انا اپنے بیڈ کی سائیڈ کی درازیں کھٹکال رہی تھی اور پھر ایک دراز سے کریم نکال کر اس نے اس کا ڈھکن کھولا تھا شہوار نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کریم لے کر اس کے ہاتھ پر لگانا شروع کر دی تھی۔

روشنی کمرے میں آئی تو انا بے انتہا دانتوں تلے دبائے بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی شہوار اس کے پاس خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

”زیادہ زخم تو نہیں؟“ اس نے فکر مند سی سے پوچھا۔

”نہیں بس ٹھیک ہے۔“ انا نے سنجیدگی سے کہا۔ آج کل وہ ویسے بھی بہت سنجیدہ تھی روشنی نے ایک گہرا سانس لیا۔

مصغراں چائے لے گئی تھی۔

شہوار نے کچل اور اسٹڈی کی باتیں چھیڑ دی تھیں وہ خود کاج لٹنیں جاری تھی لیکن انا ضرور دوسرے تیسرے دن اس کے ہاں آ جاتی تھی اور دونوں مل کر اینگزائیز کی تیاری کر رہی تھیں۔ شہوار کاج جانے پر تو آمادہ نہ ہو سکی تھی تاہم اینگزائیز دینے پر ضرور راضی ہو گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد روشنی برتن سمیٹ کر چلی گئی تھی۔

”نکل پھو پھو آئی تھیں ہماری طرف۔“ شہوار نے روشنی کے جانے کے بعد کہا تو انا چوکی۔

”بتا رہی تھیں کہ وہ اب ڈائریکٹ شادی ہی کریں گی حماد کا فرپ بڑھ گیا ہے وہ جیسے ہی پاکستان آتا ہے تمہاری رخصتی کرالیں گی۔“ انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

مصطفیٰ کی پھوپھو برسوں ان کی طرف بھی آئی تھیں اور سب باتیں طے کرنے کے بعد جاتے وقت انا کو ساتھ لپٹا کر ایک دم بیک سے ایک ٹکٹ نکال کر انا کا ہاتھ تھام کر اسے پہنایا تھا۔ انا نے گھبرا کر سب کو دیکھا تھا سبھی خاموش اور سنجیدہ تھے ولید کے سوا سبھی وہاں موجود تھے۔

”ہم باقاعدہ کوئی رسم نہیں کر سکے لیکن ہماری طرف سے یہی رسم کی نشانی ہے ان شاء اللہ شادی پر ہم کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔“ انا کی پیشانی چومتے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگاتے انہوں نے حاضرین سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے تھے لیکن اس کے بعد وہ سبھی لوگ ساکت سے تھے خاموش گم صمم اور انا اس کو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دھیرے دھیرے کسی گہری کھائی میں خود کو گرائی جا رہی ہو۔ وہ چیخنا چاہتی تھی چلانا چاہتی تھی لیکن بے بس تھی۔

”انا.....“ اسے گم صمم دیکھ کر شہوار نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے اسے دیکھا۔

”تم کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لے رہی ہیں تم سب کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا تھا وہ سب



انچل کی سہیلی آنجل کی بھولی

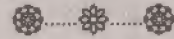
آنجل

الحمد للہ
شائع ہو گیا ہے
آج ہی اپنے قریبی ایجنٹ یا
ہا کر سے طلب فرمائیں
اور
پرچانہ ملنے کی صورت میں ان نمبرز پر رابطہ کریں
03008264242+02135620771-2

ڈرامہ تھا کلاخہ سے بچنے کے لیے۔“ شوہار نے سنجیدگی سے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ولید کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے رخ بدل لیتا ہے میں نے خود سب کو بدظن کیا ہے اب کچھ بتاؤں گی تو سب مجھے برا بھلا کہیں گے اور ولید وہ تو شاید عمر بھر میری شکل بھی نہ دیکھنا چاہے۔ کلاخہ کی ذات کو کر میں نے اسے اس قدر مشکل بنا کر کیا تھا۔ میں خود سب کو اس مقام پر لے کر آئی ہوں اور اگر اب سب کو بچ کر ہوں تو سب کا اعتبار کھو جائے گا اور ولید سے شاید اب عمر بھر سامنا نہ کر پاؤں اس کی نفرت اس کا براہ رویہ سب حق بجانب ہوگا اور میرے اندر اتنی اہمیت نہیں کہ میں سب کی نظروں میں اپنے لیے لعنت ملاؤں دیکھوں۔“

”تو کیا خاموشی سے چپ چاپ حماد کے ساتھ رخصت ہو لو گی؟“ شوہار نے نئی سے کہا۔
”جو بویا ہے وہ اب کاٹا تو ہے نا شاید یہی اب میری سزا ہے۔ تا عمر اپنی ہی چلائی شک کی آگ میں جلیں۔“
کی آواز رنجیدہ ہوئی تو وہ اپنے ہی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔
”میں بہت بری ہوں شوہار..... بہت بری.....“ شوہار نے بہت سنجیدگی سے اسے یوں دیکھا تھا۔



سکندر کے ساتھ گزرنے والے یہ دو دن بہت خوب صورت تھے زندگی کے سب سے حسین دن تھے لیکن اچانک سکندر کو اپنے کالج کے نمبر پر امجد خان کی کال ریسیو ہوئی تھی۔ امجد خان نے لالہ رخ کی والدہ کے انتقال کی خبر سنائی تھی سکندر کو اڑھائی افسوس ہوا تھا۔ اس نے افشاں کو بتایا تھا افشاں آج کل بہت سنجیدہ سنجیدہ سی اور ریزہ روی سی تھی۔ اپنی نئی زندگی کی رونقوں کو نکسید کرتے سکندر کو افشاں کے مزاج کی یہ تبدیلی نظر نہ آ سکتی تھی۔
”میرے ساندرو تو ہمت نہیں لالہ رخ کو اس کی ماں کی انتقال کی خبر سننے کی پلیر تم بتا دیتا۔“ افشاں کو کہا تو افشاں بہت سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔

”گزرے دنوں میں سکندر اس قدر خوش دکھائی دیتے لگا تھا کہ اب تک اس نے اسے اس قدر خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔“ اس نے خاموشی سے سر ہلادیا تھا۔ گھر آ کے افشاں نے خالدہ بی کو بتایا تھا اور خالدہ بی نے لالہ رخ کو۔ لالہ رخ کا مارے صدمے کے برا حال تھا اور وہ اس نے اپنی حالت خراب کر لی تھی۔

وہ ماہی بابت کی طرح تڑپ رہی تھی اور بد قسمتی یہ تھی کہ وہ ماں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اس تک پہنچ بھی نہیں سکتی تھی اس کا آخری بار چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ سکندر خالدہ بی افشاں صبح بھی اس کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ ضیاء کا وقار بھی پکڑ لگا لیتے تھے اور سبھی لالہ رخ کی دل جوئی کرتے رہتے تھے۔

دن خاموشی سے سرکنے لگے تھی ضیاء کے باہر جانے کی ڈیٹ قریب آ رہی تھی۔ صبحی ایک بار پھر ضیاء کا رشتہ لے آئی تھی۔ لالہ رخ اپنے کمرے میں بھی خالدہ بی کی جن میں جبکہ سکندر باہر کی کام سے گیا تھا۔

”آ خر تم کب تک سکندر کا جوگ لیے بیٹھی رہو گی سکندر شادی کر چکا ہے۔ میں بھی نہ آتی لیکن تمہیں اس حالت میں دیکھ کر دل دکھتا ہے میرا میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتی۔“ صبحی نے کہا تو افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
”میں سکندر کے نام کا جوگ نہیں لے رہی لیکن ابھی اتنی جلدی کسی اور کے لیے فیصلہ کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے پلیر مجھے بار بار ڈسٹرب مت کرو۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہے لیکن یہ بھی تو سوچو ضیاء بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔“

”پلیر صبحی مجھے ڈسٹرب مت کرو پلیر مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں بے بس ہوں۔“ وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

دوسرے اندر تا سکندر افشاں کے کمرے کی طرف کسی کام سے ہی بڑھا تھا لیکن اندر سے آنے والی آوازوں نے اسے دوسرے دالینز پر ہی روک لیا تھا۔

”سکندر کو تو شاید ہی تمہاری تڑپ اور محبت کی خبر تک نہ ہو گی۔“

”میری ماں نے ہمیشہ مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ دنیا کے کسی کو نے میں ایک شخص سانس لے رہا ہے وہ میرا خالہ زاد ہے اور وہی میرا ہم سفر ہوگا۔ اماں دن رات بس یہی باتیں کیا کرتی تھیں پھر ماں مر گئی پھر پوچھا ساتھ لے آئیں اب مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر پوچی میری کل کا نکات تھیں یا سکندر کا ان دیکھا وجود۔ مجھے اماں ان کا رابطہ دے گئی تھیں اور پھر برسوں بعد سکندر سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد سے ہی میں نے جان لیا تھا کہ وہ ہمارے رشتے سے بے خبر ہے۔ میں نے بھی چپ سا دلہ کی شاید کبھی نہ کبھی تو اسے علم ہو ہی جائے گا لیکن مجھے نہیں بتا تھا کہ میری خاموشی یہ رنگ لائے گی۔ لالہ رخ کا آنا اور پھر سکندر کی زندگی کا حصہ بن جانا میں نے بس ہوں یا رضیاء کو کوا بھی انتظار کرے سکندر کا وجود برسوں سے میری سوچوں کا محور رہا تھا اب ایک دم اپنے محور سے نکل کر کسی اور محور میں جانا بہت مشکل امر ہے۔ مجھے ابھی خود کو سنبھالنا ہے شاید وقت کے ساتھ ساتھ میں سنبھل جاؤں۔“ افشاں کے انداز پر صبحی خاموش ہو گئی تھی بے حس و حرکت تو سکندر بھی ہو گیا تھا۔ افشاں اس کو چاہتی تھی لیکن بھی اس نے اسے احساس ہی نہ ہونے دیا تھا وہ تو ہمیشہ اسے ایک خالہ زاد سمجھ کر ہی ملا تھا۔

وہ ان کے گھر میں شفٹ ہو چکا تھا تب بھی کبھی بھی افشاں کی ذات سے یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے کیا سمجھتی ہے؟ اور اب یہ اتنا بڑا انکشاف جبکہ وہ لالہ رخ کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ سکندر کے اندر شہید دکھ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ افشاں اور اس کی زندگی ایک جیسے حالات اور ایک جیسے واقعات کے تحت گزری تھی اور وہ اس کے دکھ سمجھ سکتا تھا اس کے احساسات اور جذبات لیکن وہ افشاں کی زندگی کا یہ پہلو بھی نہ جان پایا تھا۔

انہما نے میں وہ افشاں کی ذات کے لیے ایک بہت بڑے دکھ کا سبب بن گیا تھا۔ سکندر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا چند دن مزید سر کے تو لالہ رخ کا غم بھی ڈھلنے لگا تھا وہ اب سنبھلنے لگی تھی افشاں مزید سنجیدہ ہو چکی تھی۔

ضیاء کے جانے میں بس چند دن باقی تھے وہ سکندر کے پاس آیا تھا اور اپنا پر پوزل کا بتاتے افشاں کو منانے کا کہا تھا۔ سکندر جو انجانے میں ہی افشاں کے دکھ کا سبب بن چکا تھا وہ اب افشاں کو خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا تھا اس نے ضیاء سے افشاں کو منانے کی ہامی بھری اور پھر اس نے اسی شام افشاں سے بات کی اور افشاں نے ہمیشہ کی طرح فوراً انکار کر دیا تھا۔

”افشاں! میں تقدیر پر یقین رکھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں جو بھی ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ لالہ رخ کا پیری زندگی میں داخل ہونا اللہ کی طرف سے طے شدہ تھا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو تو میں شاید نہیں دکھ دینے سے پہلے ضرور سوچتا لیکن میں بالکل بے خبر تھا۔“ افشاں ایک دم حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

”تم..... تم جانتے ہو؟“ اس نے سر جھکا کر پوچھا تھا۔
”ہاں کچھ دن پہلے ہی علم ہوا تھا جب تم صبحی سے ذکر کر رہی تھیں اور میں نے لاعلمی میں سب سن لیا تھا۔“
”اوہ.....“ افشاں خاموش ہو گئی تھی۔

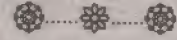
”ضیاء ایک بہت قابل اور محنت کش انسان ہے میں نے اس میں زندگی کی لگن اور جوش دیکھا ہے اور پھر وہ تم سے محبت کرتا ہے وہ تمہارا مطلب گارہے وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے۔“

”لیکن ابھی میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے سکندر! میں نے تمہارے بارے میں اسی دن سے سوچنا

بند کر دیا تھا جب لالہ رخ تہماری زندگی میں داخل ہوئی تھی لیکن ضیاء کی زندگی کا حصہ بننے کے لیے مجھے ابھی بہت کچھ بھولنے اور بہت کچھ قبول کرنے کی ضرورت ہے اور اس سب میں بہت وقت لگ جائے گا۔“ سکندر نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”اماں بتاتی ہیں کہ خالہ اور ان کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ اماں اپنی بیٹی کی شادی ان کے بیٹے سے کریں گی۔ خالہ نہ رہیں لیکن اماں نے خالو سے یہ بات ضرور کی تھی اور جب انہوں نے تمہیں سجان انکل کے حوالے کیا تھا تو سجان انکل کو بھی بتا دیا تھا لیکن وقت گزرتا رہا اماں نہ رہیں اور خالو نے بھی پلٹ کر رابطہ نہ کیا اور تم چلتے چلتے میں سمجھتی رہی کہ شاید وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں خبر ہو جائے گی میں خاموش رہی اور میری خاموشی ہار کی اور وقت کی چال جیت گئی۔ تم لالہ رخ کا مقدر بن گئے اور میں نے اسی دن سے تمہیں سوچنا چھوڑ دیا لیکن یہ دل و دماغ ہیں کہ کچھ بھی قبول کرنے کو ابھی تک تیار ہی نہیں۔“ سکندر نے ایک گہرا سانس لیا تھا دھیرے سے افشال کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

”جو ہوتا تھا ہو چکا ہے لیکن اب تمہیں اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال برباد نہیں کرنے دوں گا میں نے ضیاء سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں اس کے لیے راضی کر لوں گا اور پھر تم میری خاطر میرے اس وعدے کو مت ٹوٹنے دینا چلیج افشال!“ افشال نے ڈڈبائی آنکھوں سے سکندر کو دیکھا تھا۔ جس کی آنکھوں میں مان جانے کی التجا تھی۔ افشال کی آنکھوں سے آنسو بہہ تو اس کی سسکیاں گونج اٹھیں سکندر نے اذیت سے لب دانٹوں تلے دبا لیے تھے۔



چائے پینے کے بعد ولید کے اصرار پر مصطفیٰ اسے سہارا دیتا ہارلان میں لے آیا۔ آج بہت دنوں بعد وہ مکمل فضا میں سانس لے رہا تھا۔ وہ پہلے سے کافی بہتر تھا اس کے بازوؤں، کندھوں، ٹانگوں کی چوٹیں بھی کافی بہتر تھیں تاہم ہیر کی چوٹ ابھی درد کر رہی تھی۔ ٹی ٹیٹ ہو چکے تھے برابر ٹریٹمنٹ چل رہا تھا۔ صبحی بھی اب بہتر تھیں ان کے ہاتھ کا فربہ چر ابھی بھی موجود تھا تاہم وہ اب اپنے بونیک جانا شروع کر چکی تھیں۔

”تم نے انا کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟“ دونوں آہستہ آہستہ لان میں ٹہل رہے تھے جب ہی مصطفیٰ نے اچانک پوچھا۔

”کیا کیا ہے میں نے؟“ وہ دونوں رک گئے تھے۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔“ مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں ملائی انداز میں دیکھا تو وہ ہنسا۔

”میں نہیں جانتا میں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے تم پلیر بتا دو۔“

”تم نے جان بوجھ کر اس کے ہاتھ پر چائے گرائی تھی۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ولید طنز یہ مسکرایا۔

”تمہاری نظر کاٹھو کہ ہے ورنہ سب دیکھ رہے تھے کہ وہ محض اتفاق تھا۔“ ولید مطمئن تھا۔

”سو چیپ یار! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا وہ بے چاری تمہیں محض چائے دے رہی تھی اور تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ جواباً ولید خاموش رہا۔ وہ پھر دھیرے دھیرے چلے گا تھا مصطفیٰ کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔

”تم دونوں کے درمیان جو بھی ہو رہا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حماد پاکستان سے باہر ہے اسے واپس آنے میں دو ماہ تو لگ ہی جائیں گی۔ شہزاد تیار ہی تھی کہ پھوپکا کا ارادہ حماد کی واپسی کے فوراً بعد رخصتی کا ہے۔“ ولید تنجید کی بولا۔

”یار انا اگر بے وقوفی کر رہی ہے تو کم از کم تمہیں تو اسٹینڈ لینا چاہیے تھا نا۔ تم گھر والوں کو روکے“ حماد بے شک ہیرا کزن ہے لیکن وہ شرم سے زیادہ مجھے عزیز نہیں ہو سکتا۔ میں تم دونوں کو اس طرح دور ہونے نہیں دیکھ سکتا امپابل۔“

”زیادہ ایہ مشغل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود یہ چوکشن کری ایٹ کرنے کا سبب بنی تھی آپے شکی مزاج کی وجہ سے اسے مجھ پر یقین ہی نہ تھا۔ نجانے کس کس کو لے کر وہ مجھ سے بدظن ہوئی رہی شک کرتی رہی اور پھر اس نے خود ہی اپنی راہیں الگ کی تھیں حماد کو درمیان میں لا کر۔“ ولید کا انداز تپا ہوا اور دو ٹوک تھا۔

”تو تم نے کیا کیا..... تم نے بھی نہ جانے کی کوشش کی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی کیا وجہ تھی اگر وہ شک کر رہی تھی تو کیوں؟“ مصطفیٰ نے اس کو ٹوکا تو وہ طنز یہ مسکرایا۔

”ہاں کوشش تو کی تھی وہ کاشفہ کو لے کر اس حد تک بدظن ہو گئی تھی کہ اس نے کاشفہ کی باتوں پر یقین کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں کیا تھا؟ میرا کریئر میری ذات ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی جو کاشفہ نے اسے کہا اس نے اس پر یقین کیا جو اس نے بتایا یہ ایمان لے آئی۔ میری ذاتی قدر کچھ بھی کام نہ آ سکی وہ اس قدر بدظن تھی کہ اس نے اپنی راہیں الگ کر لیں اب میں بے اہمیت انسانوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتا اس کی منتیں کرتا اپنی صفائیاں پیش کرتا ایم سوری مجھ سے یہ سب نہیں ہو پایا تھا۔ یہ سب میری انا میرے وقار کے خلاف تھا اور مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ سب سے زیادہ عزیز تھی۔“

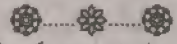
”لیکن یہ سب جو ہو رہا ہے یہ بھی کچھ اچھا نہیں ہو رہا۔“ مصطفیٰ نے دکھ سے کہا تو ولید نے غصے سے سر جھٹکا۔

”وہ اپنے ہر نفع و نقصان کی خود ہی ذمہ دار ہے وہ جو کرتی ہے جو کرنا چاہتی ہے وہ اس کا دوسرا ہے۔ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں۔“

”لیکن غیر جانبدار تو تم اب بھی نہیں ہو پا رہے اگر تم بالکل بالخلق ہو جاتے تو کچھ دیر پہلے تم نے جو حرکت کی تھی وہ نہ کرتے۔“ مصطفیٰ کے لہجے میں گرمی تھی ولید ہنس دیا۔

”چھوڑو کوئی اور بات کرو تم سناؤ جا ب جیسی چل رہی ہے تمہاری۔“ ولید نے موضوع بدلا۔ مصطفیٰ نے بہت تنجید کی سے اسے گھورنا تو وہ مسکرا رہا تھا عجیب اشحال بھری مسکراہٹ تھی۔

مصطفیٰ کے دل کو اس مسکراہٹ نے عجیب سے انداز میں چھوا تھا اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیتے قدم آگے کی طرف بڑھائے۔



افشال مان گئی تھی ضیاء کے باہر جانے سے پہلے دونوں کا نکاح کر دیا گیا تھا۔ لالہ رخ بھی اب ماں کے غم سے نکل کر سکندر کے ساتھ زندگی کو مطمئن انداز میں گزار رہی تھی۔ ضیاء باہر چلا گیا تھا وہاں جا کر سکندر کی پر اپری اس نے سنبھال لی تھی۔ سکندر کا اپارٹمنٹ اب ضیاء کی رہائش گاہ تھا تاہم وہاں ابھی بھی دیگر لوگوں کے پاس تھیں ضیاء نے بھی وہاں جا ب کر لی تھی وہ آہستہ آہستہ سنبھل ہو رہا تھا۔ اس نے باہر جانے سے پہلے افشال سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد سنبھل ہوتے ہی اسے بھی اپنے پاس بلائے گا اور وہ اسی سلسلے میں دن رات کوشش کر رہا تھا۔ سکندر کالج کی جا ب چھوڑ چکا تھا اس کے پاس اب کچھ رقم بھی ہو گئی تھی وہ چاہتا تو لالہ رخ کے ساتھ امریکہ چلا جاتا لیکن وہ کچھ عرصہ اسی ملک میں گزارنا چاہتا تھا۔ صبحی اور وہ قادر بھی اکثر چکر لگا لیتے تھے۔

لالہ رخ مستقل گھر میں رہتی تھی وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی اس نے خالد بی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا شروع کر دیا تھا۔ زندگی بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ جب ایک دن کالج سے واپسی پر افشال اپنے گھر کے سامنے ایک بہت بڑی چمکتی گاڑی کو دیکھ کر کھٹکی تھی گاڑی میں موجود شخص کو دیکھ کر وہ چوکی تھی یہ چوہدری حیات علی تھا سکندر کا حقیقی باپ۔

افشال کو یاد تھا کہ جب تک اس کی ماں زندہ رہی تھی یہ شخص ان سے رابطہ نہ کرتا تھا لیکن پھر ماں مرنے اور سب رابطے بھی

ختم ہو گئے تھے۔ آج برسوں بعد دکھائی دیئے تھے۔ چوہدری حیات علی گاڑی سے نکل کر دروازے تک آئے تھے اور پھر خالہ بی نے دروازہ کھولا تھا افشاں وہیں کچھ قاصلے پر رک گئی تھی۔

”مجھے سکندر سے ملنا ہے۔“ انہوں نے خالہ بی سے کہا اور خالہ بی انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر اندر چلی گئی تھیں اور پھر کچھ دیر بعد وہ باہر آئی وہ ان کو اندر لے گئی تھیں۔ افشاں بھی گھر میں داخل ہوئی تھی سکندر اور پردالے حصے سے بیڑھیاں اتر با تھا جبکہ چوہدری حیات علی کو خالہ بی اندر بٹھک میں بٹھا چکی تھیں۔

”کون آیا ہے؟“ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

”چوہدری حیات علی۔“ افشاں نے دیکھ کر کہا سکندر ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔

”لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں؟“ اب کی بار سکندر کے لہجے میں از حد تعجبید گئی تھی۔

”یہ تو ان سے مل کر ہی پتا چلے گا تم مل لو میں اسنی دیر میں چائے بنوائی ہوں۔“ وہ اسے کہہ کر ساتھ والے کمرے میں گھس گئی۔ بیگ اندر رکھ کر باہر آئی تو ساتھ والے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں وہ خالہ بی کو چائے بنانے کا کہہ کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی دروازے کی جھری سے دیکھا دونوں باپ بیٹا آئے سانسے کھڑے تھے۔ سکندر کا انداز لڑا تعلق اور بچے تھا جبکہ حیات علی غم زدہ غم حال سے تھے۔

”تم اپنے باپ سے خفا ہو میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ میں نے کچھ اچھا نہیں کیا لیکن تم میرے حقیقی بیٹے ہو اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔“

”نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا۔“ سکندر کا انداز ایک دم پھر اہوا تھا۔

”یاد کریں میں وہی وجود ہوں جسے آپ نے یتیم خانے سے نکال کر اپنے دوست کے حوالے کیا تھا اب کیا لینے آئے ہیں۔“ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں جن کے حوالے آپ نے مجھے کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی مرتے ہیں۔“ سکندر کے انداز میں بہت سختی تھی۔

”میں مجبور تھا میں خود بھی تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن سہان نے کہا کہ تمہارے مستقبل کے لیے یہ بہت ضروری ہے میں خوش نہیں تھا لیکن تمہاری بہتری کے لیے مجھے تمہیں سہان کو سونپنا پڑا۔“ میں تمہاری جدائی کا کرب سہتہ ایک پلی بھی خوش نہیں رہ سکا تھا۔“ انہوں نے غم زدہ لہجے میں کہا تھا سکندر نے غمی سے نہیں دیکھا۔

”میری جدائی کا کرب کیا اتنا گہرا تھا کہ آپ نے بھی پلٹ کر میری خبر تک نہ لی تھی۔“

”ایسی بات نہیں۔“ انہوں نے بھلانا چاہا تھا۔

”میں سہان سے مسلسل رابطے میں رہا تھا سہان نے مجھے منع کر رکھا تھا کہ تم سے نہ ملوں ورنہ تم ڈسٹرب ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا سی لیے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ دو سال سے سہان نے کوئی رابطہ نہ کیا تھا میں نے کئی بار کوشش کی۔ سہان کے پاکستان والے گھر بھی جاتا رہا کوئی کچھ بتانے کو تیار ہی نہ تھا اور پھر ایک دن ایک ملازم نے بتایا کہ سہان اور اس کی بیوی کو وفات پانے کی مبینہ ہو چکی ہیں۔ مجھے تمہاری بہت فکر تھی لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ تم کہاں ہو؟ چند دن پہلے مجھے کسی سے خبر ملی تھی کہ سہان کا بیٹا اس گھر میں رہ رہے ہیں اطلاع ملتے ہی چلا آیا۔“ وہ رنجیدگی سے کہتے سکندر کی طرف بڑھے تھے۔ سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا لیکن سکندر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

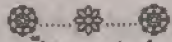
”جو بھی ہے بہر حال مجھے آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔“ سکندر کا انداز قطعی تھا۔

”میں نے زندگی میں ایک غلطی کی تھی مجھے اس بات کی سزا موت دو اب تم جانتے ہو میں وہ سب کرنے پر مجبور تھا۔ تم میرے ساتھ چلو اب سب کچھ بدل گیا ہے میں تمہیں اپنے خاندان میں تمہاری حیثیت اور تمہارا مقام دلاؤں گا۔“

اب ایسا کوئی باقی نہیں رہا جس کی وجہ میں تمہیں خود سے دور رکھنے پر مجبور ہو جاؤں۔ میرے سب بیٹے اور بیٹیاں بہت فرماں بردار ہیں تم ایک بار میرے ساتھ چلو تم دیکھنا وہ سب تم سے بہت محبت سے پیش آئیں گے۔“ ان کا انداز آخر میں احتجاجیہ ہو گیا تھا سکندر نے سنجیدگی سے ان کو دیکھا تھا۔

”جب مجھے آپ کی آپ کے خاندان کی ان رشتوں ناطوں کی ضرورت تھی تب تو آپ نے کبھی میری خبر تک نہ لی تھی حتیٰ کہ میں یتیم خانے میں پلٹا رہا بھی آپ نے پلٹ کر نہ دیکھا اور جب آپ نے کوشش کی بھی تو بھی مجھے ایک ناکارہ عضوی طرح خود سے کاٹ کر کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تب مجھے آپ کے وجود کی آپ کے خاندان اور آپ کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اب مجھے کسی رشتے کسی حوالے کسی بھی تعلق کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کا بیٹا فیضان حیات علی تھا جبکہ میں سکندر سہان احمد ہوں۔ میری شناخت میرا حوالہ سب کچھ بدل چکا ہے میں اپنے آپ کے قدموں پر مضبوط ہو چکا ہوں میری پہلی بی بی اب میرا اصل حوالہ ہے۔ مجھے اب آپ سے نہیں ملنا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں رکھنا پلیز آپ یہاں اب دوبارہ آنے کی زحمت مت کیجئے گا۔“ سکندر بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ افشاں کے سامنے سکندر کی شخصیت کا یہ ایک نیا ہی روپ تھا۔ سکندر غصے اور غم کی شدت سے سب کہہ کر وہاں سے نکل کر باہر آیا تھا افشاں کو دیکھ کر رکھا اور پھر لب لہجہ کر اوپر جانے کی بجائے گھر سے ہی باہر نکل گیا تھا۔

افشاں نے جھری سے دیکھا چوہدری حیات علی بارے ہوئے انداز میں سر جھکائے رومال سے اپنے آنسو صاف کر رہے تھے۔ افشاں کو ان پر ایک دم شدید رحم آیا تھا لیکن وہ ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی سو وہ خاموشی سے پلٹ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔



واپس پر مصطفیٰ بہت خاموش تھا دوسری طرف شہوار بھی خاموش تھی۔ دونوں کی سوچوں کا مرکز ولید اور ان کی ذات تھی لیکن دونوں ہی ان کے لیے کچھ کرنے میں بے بس تھے۔ گھر آ کر کھانا کھا کر کچھ وقت سب کے ساتھ گزر کر شہوار نماز پڑھنے کمرے میں آ گئی تھی مصطفیٰ کمرے میں آیا تو بستر پر ایک فائل لے کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نماز پڑھ کر آئی تو مصطفیٰ اچھی بھی فائل میں مصروف تھا۔

”بات سنیں۔“ کچھ سوچتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟“

”پتا نہیں مجھے آپ سے یہ سب کہنا بھی چاہیے یا نہیں لیکن آج انا کو دیکھ کر مجھے لگا کہ ان دونوں کے درمیان دن بہ دن بڑھتے فاصلوں کا صرف ایک ہی حل ہے کہ میں آپ کو بتا دوں۔“ شہوار کا انداز عجیب سا تھا مصطفیٰ چونکا۔

”کوئی خاص بات ہے؟“ جواباً شہوار نے سر ہلایا۔

”بات یہ ہے کہ۔“ اس نے بتانا شروع کر دیا تھا انا کی ولید سے شدید محبت اس کی بدگمانیاں ولید پر شک کرنا کلہفہ کا اس سے ملنا اس کی کائنات کلہفہ کا زبردستی اسے ساتھ لے جانا بلیک میل کر کے تحریر لکھوا لینا اور پھر واپس چھوڑ کر بلیک میل کرنا ہر بات۔“ مصطفیٰ حیرت سے سب سن رہا تھا۔

”مائی گاؤ۔“ مصطفیٰ حیرت زدہ ہوا۔

”نان سنیں۔“ کس قدر باگل ہے یا نا۔“ سب کچھ سن کر مصطفیٰ کو ایک دم شدید غصہ آیا۔

”عقل نام کی کوئی چیز بھی نہیں اس لڑکی میں۔ اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟“ مصطفیٰ نے ایک دم شاکی انداز سے اسے دیکھا۔

”مجھے کب خبر تھی اس سب کی۔“ اس نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔
”تو پھر؟“

”یہ تو انا نے جس دن ولی بھائی اور انہی کا ایکسڈنٹ ہوا تھا اس کے بعد سب بتایا تھا وہ اب خود بھی پچھتا رہی ہے لیکن شرمندہ ہے۔ خود کو ولید بھائی کے قابل نہیں سمجھتی، کہتی ہے حماد سے شادی ہی اس کی سزا ہے اور وہ اپنی سزا اچھیلنے کو تیار۔۔۔۔۔“

”ایڈیٹ۔۔۔۔۔ ٹائپس۔“ مصطفیٰ کو سب سن کر ایک دم شدید تاؤ آیا تھا۔ ”زندگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے اپنی جذباتیت کی بدولت وہ اتنے لوگوں کی زندگی اور جذبات سے کھیل رہی ہے۔“

”وہ بہت شرمندہ ہے۔“ شہوار نے انا کا دفاع کرنا چاہا۔

”اس کی شرمندگی سے کسی کو کیا حاصل ہوگا، کتنے لوگ اس کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں اس نے کبھی یہ سوچا ہے۔ اس کے لیے اپنی شرمندگی اپنے جذبات اپنے احساسات اہم تھباتی سب جائیں بھاڑ میں۔“ مصطفیٰ کا انداز بے حد کیلھا تھا شہوار تو ایک دم ساکت ہوئی۔

”کس قدر احمق لڑکی ہے یہ حیرت ہو رہی ہے مجھے اس دنیا میں اس قدر بے وقوف اور کم عقل لوگ بھی ہو سکتے ہیں کیا؟“ شہوار چپ رہی تھی۔ ”اور تم۔۔۔۔۔ تم نے اسی وقت کیوں نہیں بتلایا جب انا نے تم سے ذکر کیا تھا؟“
”میں بس انا کی وجہ سے خاموش رہی تھی اس نے منع کر رکھا تھا بس اسی لیے کسی سے ذکر نہ کر سکی تھی۔“ مصطفیٰ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا تو وہ غمت کا شکار ہوئی۔

”ایسے کیوں دکھ رہے ہیں۔۔۔۔۔ اس میں بھلا میرا کیا قصور؟ مجھے تو خبر تک نہ تھی۔“

”سوچ رہا ہوں کس قدر عقل مند خواتین ہوتی دوں دوئیں، تم جو تھیں سو تھیں وہ تو تم سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے۔“ مصطفیٰ بہت سنجیدہ تھا۔

”مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہیں میں نے بھلا کیا کیا ہے؟“ وہ ایک دم خفا ہوئی۔

”ماضی میں ایسے واقعات ہیں جو میں اس وقت اگر اٹھوں تو پتا چل جائے گا کہ تم محترمہ اپنی اس عقل مند دوست سے بھی کئی ہاتھ آگے تھیں۔“ شہوار نے ایک دم منہ بنالیا۔

”غصہ تو مجھے انا محترمہ پر بہت آ رہا ہے اور اس سے زیادہ تم پر کہ تم اپنی اس کم عقل کل دوست کو سمجھا نہیں سکتی تھیں کیا؟“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا شہوار نے بہت غصے سے دیکھا۔

”خبردار مجھے کچھ کہا تو۔۔۔۔۔ مجھے جب علم ہوا تو حالات بہت بگڑ چکے تھے اور انا کی ذہنی کیفیت اس وقت جو ہے وہ شرمندگی کے احساس سے اس قدر مجبور ہو گئی ہے کہ میرا کچھ بھی سمجھنا سمجھانا اس پر کچھ بھی اثر نہیں کر رہا۔“

”تمہارے جیسی عقل مند دوست اگر سمجھائے گی تو یقیناً یہی نتیجہ نکلے گا۔“ مصطفیٰ کا مسلسل طنزیہ انداز تھا شہوار نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

”ڈس از ٹو چی۔۔۔۔۔“ مارے ضبط کے وہ بس یہی کہہ سکی تھی۔ بہت غصے سے مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ انہی اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے واک آؤٹ کر جاتی، مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گھورا۔

”آرام سے ادھر بیٹھ کر بات کر، خبردار یہاں سے علی تو۔“ مصطفیٰ نے گھورا۔

”ہاں تاکہ ادھر بیٹھ کر آپ کی مزید کڑوی سلی سن کر دل جلاؤں۔“ مصطفیٰ نے اسے دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

سپینس آئڈس سے لہرے ایک ماقابل فراموش کہانی

محباوید کے قلم کا شاہکار ناول

عورت زاد

اس حسینہ کی کہانی جسے اس ظالم معاشرے نے جنم دیا

عورت زاد

اس عورت کا احوال جس نے ظالم معاشرے میں علم بغاوت بلند کیا

عورت زاد

آہنی ارادوں والی ریشم بدن کی روداد جس نے وقت کی لگام کو تھام لیا

عورت زاد

حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں پر چلنے والی ایک نازک اندام

عورت زاد

آگ و خون سے گذر کر منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دلربا

عورت زاد

ایک صنف نازک کی سرگزشت جو باغی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔

عورت زاد

بہت جلد نئے افق کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے

نئی افق کے سالانہ خریدارین کو اپنی اپنی آج ہی محفوظ کرالیں

”میرا رد عمل فطری ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ اس وقت ولید کس قسم کی توڑ پھوڑ کا شکار ہے ایسے عالم میں سب سے زیادہ جس وجود کی سپورٹ اسے درکار ہونا چاہیے تھا وہ انا تھی لیکن ولید کے ساتھ جو کیا ہے اندازہ لگا سکتی ہو ولید اس وقت کس موڑ پر ہے۔“ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھ سکتی ہوں میں“ لیکن جب انا ہی کچھ رسپانس نہیں دینے پر آمادہ تو ہم کیا کر سکتے ہیں بھلا؟“ اس نے بے چارگی سے کہا۔

”تم ابھی بھی بہت کچھ کر سکتی ہو بشرطہ کہ تم حقیقت میں اس کی خیر خواہ ہو تو۔“ مصطفیٰ کے جملے نے شہوار کے وجود میں ایک دم گہری لگادی تھی۔

”آپ کا مطلب ہے میں انا کی خیر خواہ نہیں ہوں دشمن ہوں اس کی۔“

”میں نے ایسا کب کہا ہے؟“ مصطفیٰ نے فوراً متنبہ کر دیا۔

”لیکن مطلب تو یہی نکلتا ہے نا۔“ اس نے غصے سے دیکھا مصطفیٰ ہنس دیا۔

”بس ثابت ہوا کہ تم دونوں دو تئیں ایک جیسی عقل مند ہو۔“ شہوار منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

”اب خود ہی دیکھ لو یہ بات تم پہلے ہی بتا سکتی تھیں“ خیر اب کیا کرنا ہے میں دیکھ لوں گا۔“ اس کے منہ پھلا کر بیٹھ جانے پر مصطفیٰ نے کہا۔

”کیا واقعی اب سب ٹھیک ہو جائے گا؟“ مصطفیٰ کے نارمل ہونے پر شہوار نے بھی بخیرگی سے پوچھا انداز میں فکر مندی تھی۔

”معاملہ تو بہت بگڑ چکا ہے پھوپھو ایک طرح سے رشتہ طے کر چکی ہیں انا کی فیملی بھی راضی ہے لیکن کوشش کروں گا اب مکمل طور پر انحصار ولید پر ہے۔ ولید جیسا انا پرست شخص اب مشکل سے ہی ماننے والا ہے۔“ مصطفیٰ نے بخیرگی سے ساری صورت حال واضح کی تھی۔

”کیا آپ یہ سب اب ولید بھائی کو بھی بتائیں گے؟“ شہوار نے فکر مندی سے پوچھا۔

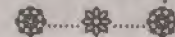
”بتانا تو پڑے گا شاید سب سن کر ولید صورت حال کو سمجھتے ہوئے کوئی اسٹینڈ لے لے۔“

”اور اگر انہوں نے اسٹینڈ ہی نہ لیا تو؟“

”تو پھر تمہاری دوست کی قسمت.....“ مصطفیٰ نے کندھے اچکائے۔ شہوار کے چہرے پر یک دم پریشانی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

”ویسے تمہاری دوست نے معاملہ لگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی دیکھو کیا بنتا ہے۔ اب سب سے پہلے ولید سے بات کروں گا وہ اگر نہ مانا تو انا کے والدین سے اگر ان لوگوں کے دماغ میں معاملہ سلجھانے کی بات آئی تو پھر پھوپھو کو قائل کرنے اور رشتہ ختم کرنے کی بات کروں گا“ نتیجہ کیا نکلتا ہے ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے دعا کرو اللہ بہتر ہی کرے۔“

”ان شاء اللہ۔“ شہوار نے سر ہلایا تھا تاہم اندر ہی اندر وہ فکر مند تھی۔ انا اسے بہت عزیز تھی انا کے وجود میں اس نے ایک بہن کی کمی پوری کی تھی۔ بے شک دونوں ہمیشہ بہت سے معاملات میں ایک دوسرے سے کچھ بھی ڈسکس نہیں کر پاتی تھیں لیکن دل سے بندھا دونوں میں جو تعلق موجود تھا وہ ایسا تھا کہ دونوں بھی نہ ایک دوسرے سے غافل رہ سکتی تھیں اور نہ ہی ایک دوسرے کی تکلیف سے بے پروا۔



وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا سوائے امجد خان کے کسی کو بھی علم نہ تھا کہ لالہ رخ کہاں ہے سکندر بھی اب ایک دوست کے ساتھ لکرا پورٹ ایکسپورٹ کا ایک چھوٹا سا کاروبار شروع کر چکا ہے۔ لیڈر سے بنی مصنوعات ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا مختلف چیزیں فیکٹریز سے خرید کر مختلف ڈیلرز کو سپلائی کرنا وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھا، ضیاء بھی امریکہ میں اپنے قدم جما رہا تھا۔

اس نے یکجہ سے اپنا کاروبار شروع کر لیا تھا۔ چھ ماہ بعد اس نے افشاں کو بھی امریکہ بلوایا تھا۔ افشاں کا کبھی کبھی کوئی خطا جاتا تھا وہ اپنی زندگی میں بہت خوش تھی۔ لالہ رخ کو بھی شادی کے محض ایک ماہ بعد ہی اللہ نے خوشی کی امید چگادی تھی۔ وقت گزرتا چلا جا رہا تھا شادی کے محض دس ماہ بعد لالہ رخ نے ایک بہت ہی خوب صورت بیٹے کو جنم دیا تھا جو بھوپا نے باپ سکندر کی کاربن کالی تھا۔ بیٹے کا نام دونوں نے عیسیٰ رکھا تھا عیسیٰ بہت ہی پیارا بچہ تھا۔

دقار کی والدہ کی ڈیوٹی تھ کہ بعد صبحی اکثر لالہ رخ کے پاس آ جاتی تھی دونوں کا وقت بہت اچھا گزرتا تھا۔ سکندر کو اکثر کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ جاتا تھا خالہ بی اور ان کا قد نکالتا بیٹا ایسے میں بہت بڑا آسرا تھا لالہ رخ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھی۔

عیسیٰ ابھی ایک سال کا ہی ہوا تھا کہ لالہ رخ ایک بار پھر سے امید سے ہو گئی تھی۔ وہ اتنی جلدی یہ سب ہونے پر بھلا گئی تھی تو کبھی نے اسے بہت پیار سے سمجھایا تھا۔

چوہدری حیات علی اس کے بعد بھی ایک دوبار ان کے گھر آئے تھے اور ہر بار کی طرح وہ پھرنا کام لوٹے تھے۔ سکندر ان کے پاس جانے کو رضامند نہ تھا وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھا۔ اس دولت و جائیداد کی بھی چیز کی اسے کوئی ہوس نہ تھی۔ سو حیات علی کے معاملے میں اس کے دل کا دروازہ نہ کھل سکا تھا اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ ہر بار ان کی لالہ رخ سے ملاقات نہ ہو سکتی تھی۔ لالہ رخ سکندر کے بارے میں صرف وہی جانتی تھی جو نکاح کی رات سکندر نے بتایا تھا تا اس نے مزید جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی نے بتایا۔ اس بار بھی وہ سکندر سے ملنے آئے تھے اور اتفاقاً گھر پر ہی تھا رات میں ہی وہ مال کی ڈیلنگ کر کے گھر پہنچا تھا۔

لالہ رخ صبحی کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھی وہ اب کبھی بکھار بوقت ضرورت گھر سے باہر نکلنے لگی تھی۔ اشفاق احمد اور ہمایوں کا خوف اب کسی حد تک کم پڑ گیا تھا ابھی بکھار امجد خان کی بھی کال آ جاتی تھی اب ان لوگوں نے گھر میں ٹیلی فون بھی لگا لیا تھا۔ خالہ بی نے سکندر کو اٹھا کر بیٹھک میں بٹھایا تھا ہمیشہ کی طرح سکندر حیات علی کو دیکھ کر سرد پڑتا تھا۔

”جی فرمائیے۔“ سلام دعا کے بغیر وہ ان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور دکھائی دے رہے تھے انہوں نے مسکرا کر اپنے جوان بیٹے کو نگاہ بھر کر دیکھا خوب صورت تو نا جہم..... مسئلہ بازو جو بغیر کسی ٹیبل کے بنان ٹکس سے جھانک رہے تھے۔ سرخ و سفید چہرہ گھنے سیاہ بال وہ بہت حسین جوان تھا۔ وہ بالکل اپنی ماں پر لگتا تھا زمین کی کاربن کالی۔ ان کے وجود میں اس قدر خوب صورت وجود کو دیکھ کر طاقت سی بھر گئی۔

”کیسے ہو؟“ انہوں نے ملاحت سے پوچھا تھا۔

”آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟“ سکندر کے انداز میں ان کی ملاحت نے کوئی فرق نہ ڈالا تھا۔ وہی ہمیشہ والا سرد انداز تھا۔

”میں اپنی کچھ جائیداد تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں میں نے شہر میں ایک کوٹھی خرید لی ہے وہ بھی تمہیں دینا چاہتا ہوں تم میرے ساتھ کورٹ چلنا کچھ بیانات ہوں گے اور کچھ اور ضروری کام ہوں گے۔“ سکندر رشید حیران ہوا تھا۔

”کیوں..... میرے نام کیوں کرنا چاہتے ہیں؟“

”تم بھی باقیوں کی طرح میرے بیٹے ہو اس جائیداد کے شراکت دار۔“ انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔

”نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا.....!“ سکندر ان کے ہاتھ رکھنے سے پہلے ہی کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔

”میرا کسی جائیداد کسی جائیداد سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔“ اس کا انداز قطعی تھا۔

”لیکن بیٹا.....!“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا جب خالد بی کا بیٹا چھوٹے سے روتے ہوئے عیسیٰ کو اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”سکندر بھائی یہ بہت دور رہا ہے میرے سے چپ ہی نہیں ہو رہا ہے۔“

”یہ..... یہ.....“ حیات علی پیارے سے بچے کو دیکھ کر چونکے تھے سکندر نے بچے کو تھام لیا تھا۔

”سکندر بھائی کا بیٹا ہے۔“ خالد بی کا بیٹا کہہ کر کمرے سے بھاگ گیا تھا۔ حیات علی نے از حد فرحت محبت سے بچے کو دیکھا تھا۔

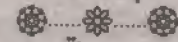
”ماشاء اللہ بہت ہی پیارا بچہ ہے۔“ انہوں نے عیسیٰ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ نجائے کیا ہوا تھا کہ روتا ہوا بچہ ایک خاموش ہو گیا تھا۔

”ادھر آؤ بیٹا! میں تمہارا دادا ہوں میرے پاس نہیں آؤ گے۔“ انہوں نے محبت سے بازو دایکے تھے۔ بچہ بھی ہلکے ان کی طرف لڑکھا تھا۔

”کوئی تعلق نہیں آپ کا مجھ سے یا میری اولاد سے میں کتنی بار آپ کو منع کر چکا ہوں کہ براہ کرم آپ یہاں تشریف مت لایا کریں میں آپ سے کوئی رابطہ کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔“ تیزی سے پیچھے ہٹتے سکندر نے کہا تھا انداز میں از حد حق کی اور لا تعلقی تھی۔ حیات علی کا دل کٹنے لگا تھا۔

”پلیز آپ میری زندگی میں مداخلت کرنا بند کر دیں میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں اپنی بیوی بچے کے ساتھ بہت خوش گزار زندگی گزار رہا ہوں پلیز آپ بار بار آ کر میری زندگی میں دخل اندازی کرنا بند کر دیں۔“ مجھے آپ سے کوئی بھی واسطہ کوئی بھی لین دین نہیں رکھنا بڑی مہربانی ہوگی مجھ پر۔“ وہ بڑی سی سے کہہ رہاں سے چلا گیا تھا۔ حیات نے بڑی افسردگی سے ہاتھوں سے سکندر کو جاتے دیکھا تھا۔

وہ بڑے زخم خوردہ اور تنہا انداز میں جھکے کندھوں سے سکندر کے گھر سے نکل آئے تھے ان کا ملازم بخشو ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ تھا۔ یہ ان کی سکندر کے ساتھ آخری ملاقات تھی اس کے بعد انہوں نے ہمیشہ سکندر کی خبر گیری رکھی تھی لیکن پھر کبھی اس کے سامنے جانے کی ہمت نہ کر پائے تھے۔



احسن ولید کو باہر لاؤنج میں لے آیا تھا انا بھی وہاں موجود تھی۔ ولید احسن کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھا جبکہ صوفے کے بائیں طرف قاتلین پرانا بیٹھی ہوئی تھی وہ بظاہر ہی وی دیکھ رہی تھی لیکن انداز میں از حد افسردہ تھی۔ ولید نے دیکھا اس کے دائیں ہاتھ پر مرہم لگا ہوا تھا اور مرہم کے نیچے سے جھانکائی گلابی جلد جو جلنے کی وجہ سے مزید گلابی ہو گئی تھی۔

ایک بل کو ولید کے دل میں ایک ملال سا جاگا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سر جھٹک کر خود کو اس خود ساختہ مائل سے آزاد کر لیا تھا۔ ولید کو اچھی طرح یاد تھا جب اس نے روشی کے بار بار کہنے پر انا کے سیل نمبر کی انکوائری کروائی تھی اور پھر اسے جو نمبر ملا تھا جس سے سب سے زیادہ کالز نہیں وہ نمبر ولید کو بہت دیکھا بھالا لگا تھا اور اپنے رابطہ کی لسٹ چیک

کرنے کے بعد یہ راز بھی کھل گیا تھا کہ وہ نمبر کس کا تھا۔ انا اس پر شک کرتی تھی، کلافہ کو نا پسند کرتی تھی لیکن ولید نے کبھی بھی نہ سوچا تھا کہ وہ کلافہ سے رابطہ بھی رکھے ہوئے ہے۔ کلافہ کا نمبر انا کے پاس ہونا تعجب کی بات نہ تھی تعجب کی بات تو یہ تھی کہ انا کلافہ نہ صرف کالز اینڈ کرتی رہی تھی بلکہ وہ اس کو خود سے بھی کالز کرتی رہی تھی، کالز کی نوعیت کیا تھی وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔ یقیناً کلافہ انا کو بھڑکاتی رہی ہوگی اور انا جیسی عقل مند خاتون آسانی سے اس کا آلہ کار بنتی رہی ہوگی۔ اگر درمیان میں یہ سیکینڈنٹ نہ ہو جاتا تو یقیناً وہ ایک دودن میں انا اور کلافہ کی کالز کی وائس ڈیٹیکٹر بھی حاصل کر چکا ہوتا لیکن اب اس کے دل میں انا کے خلاف سوائے غصے اور ملامت کے اور کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔

وقار نکل حماد کا رشتہ نہ صرف قبول کر چکے تھے بلکہ بات شادی تک آ پہنچی تھی۔ حماد کی والدہ انا کو اپنی بیٹی بنا چکی تھیں اب تو بس شادی جیسی رسم باقی تھی باقی بڑوں کے درمیان سب کچھ فائل ہو چکا تھا۔ ولید نے بہت جی سے انا کو دیکھ کر نگاہ پھیر لی تھی روشی صوبی کا موبائل لیے ادھر چلی آئی تھی۔

”انا تمہاری کال ہے۔“

”کون ہے؟“ انا سیل تو ڈوبنے کے بعد انا نے دوبارہ کوئی سیل نہیں لیا تھا، شہوار زیادہ تر روشنی کے نمبر پر کال کر لیا کرتی تھی یا گھر کے پانی سی ایل والے نمبر پر۔ صوبی کے نمبر اس کے لیے یہ پہلی کال تھی۔

”حماد بھائی کی والدہ ہیں۔“ انا ساکت ہوئی تھی اس نے تم صم انداز میں ولید کی طرف دیکھا تو اس نے جی ہے اس پر ایک نگاہ ڈال کر چہرہ پھیر لیا تھا۔ انا خاموشی سے انھی روشی کے ہاتھ سے موبائل لے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ ولید نے بہت برہمی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔

”السلام علیکم نئی!“ باہر آ کر انا نے کہا۔

”علیکم السلام! جیتی رہو تھیک ہو؟“ انہوں نے محبت سے پوچھا۔

”جی آئی۔“

”تمہاری ماما سے میں بات کر چکی ہوں بھلے ہم منگنی کی رسم نہیں کر رہے لیکن تمہارے لیے ہماری طرف سے کپڑوں وغیرہ کا حق تو بنتا ہے۔ تم مجھے اپنی پسند وغیرہ بتا دو اور نا پ بھی تاکہ ہم تمہارے لیے کچھ نہ کچھ خرید سکیں۔“

انہوں نے محبت سے کہا۔ انا کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کا اندر بالکل خالی ہو گیا ہے۔

”اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی آئی!“ جواباً اسے کچھ کہنا تو تھا ہی دوسری طرف وہ مسکرائی تھیں۔

”لو تکلف کی بھلا کیا بات ہے اب تم ہماری بیٹی ہو تم تمہارے لیے جتنا بھی کریں کم ہوگا بلکہ شائستہ تو کہہ رہی ہے کہ تم فارغ ہو کسی دن بتا دو ہمارے ساتھ چل کر اپنی پسند کی اشیاء لے لینا۔“ ان کی محبت جوں کی توں تھی۔ انا کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

”اس کو آئی!“ میں اپنے ایگزیزیکوٹو وجہ سے بہت بڑی ہوں آپ جو بھی پسند کر لیں گی ٹھیک ہوگا۔“ خود کو سنبھال کر اس نے کہا۔ یہ اب ایک دودن کی بات نہیں تھی عمر بھر کا جوگ تھا۔ وہ خود کو سب کی نظروں سے گرا چکی تھی اور حماد کے علاوہ اب اس کے پاس دوسرا کوئی آپشن بھی نہ تھا۔

ولید کی نفرت اور خود سے برتی جانے والی بے گانگی سب کچھ واضح تھا۔ وہ جو کر چکی تھی اس کے سامنے حماد کو بطور ٹریک حیات قبول کرنا مشکل ضرور تھا لیکن شاید ناممکن نہ تھا۔

”ماشاء اللہ جیتی رہو اور بھی جو پسند ہے ہمیں بتاؤ ہم تمہاری پسند کے مطابق ہی شاپنگ کریں گے۔“ ان کی محبت جوں کی توں تھی۔ انا کی ان سے کچھ دیر اور بات ہوئی آئی کے علاوہ شائستہ بھابی نے بھی بات کی تھی۔

شاکستہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش اخلاقی سے بات کرتی رہی تھی۔ ان کا انداز بہت فرشتگی تھا ان سے بات کر کے انا کو خود پر چھایا جو کچھ حد تک پگھلتا محسوس ہوا تھا۔ وہ بات کر کے کال بند ہونے پر واپس لاؤنچ میں آئی تھی وہاں کبھی مرد حضرات موجود تھے روش بھی وہیں تھیں وہ خاموشی سے اپنی بکس سمیٹ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

”انابت سننا“ صوبی بیگم نے اپنے کمرے سے آواز دی انا خاموشی سے ان کے کمرے میں آگئی تھیں دونوں بستر پر بیٹھی تھیں۔ صوبی بیگم نے کچھ لمبے مزید اسے دیکھا اور پھر محبت سے اس کا ہاتھ تھا۔

”ابھی حماد کی ماما کی کال آئی تھی۔“ انہوں نے کہنا شروع کیا تھا انا نے محض سر ہلایا۔

”تمہارے پاپا مکمل طور پر اس رشتے کے لیے رضامند ہو گئے ہیں جبکہ میں ابھی تک اس رشتے کو قبول نہیں کر پائی۔ دیکھو بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں حماد کا خاندان بہت اعلیٰ و ارفع ہے لیکن ولید کا سوچوں تو مجھے سب کچھ بے معنی لگتا ہے۔ تم ایک بار پھر سوچ لو ولید بہت اچھا انسان ہے مجھے لگتا ہے کہ تم نے محض جذباتیت میں یہ فیصلہ کیا ہے یہ نہ ہو بعد میں تم پچھتاؤ۔“ انہوں نے محبت سے انا کو دیکھا جو خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

”بیٹا اساری زندگی کا سوال ہے تم ایک بار اگر اس رشتے کے بارے میں انکار کر دو گی تو باقی سب کچھ سنبھالنا پینڈل کرنا میرا کام ہے بس تم ایک بار مجھ سے اپنے دل کی اصل بات شیئر تو کرو۔“ ان کا انداز بہت محبت آمیز تھا۔ انا کا کچھ جا پا کہ ان کی گود میں سر چھپا کر سب کچھ کھدے۔ بہت روئے اپنی غلطیوں کا ذکر کر دے لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ بس خاموشی سے ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ صوبی نے بہت ضبط سے اسے دیکھا تھا۔

”انا.....“ انہوں نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن انا نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

”ماما جو عور ہا ہے اسے ہونے دیں، میں اس رشتے سے خوش ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔“

”اگر تم خوش ہو تو پھر تم مجھے خوش دکھائی کیوں نہیں دیتیں۔ سب کچھ تمہارے مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق ہو رہا ہے لیکن تمہارے چہرے سے کوئی خوش نہیں نکلتی نہ ہی تمہارے کسی انداز سے کوئی اطمینان دکھائی دیتا ہے۔ صوبی بیگم ماں تھیں۔ وہ بیٹی کو ایک ماں کی نظر سے دیکھ رہی تھیں اور ان کو اپنی بیٹی کسی بھی لحاظ سے نہ خوش دکھائی دے رہی تھی اور نہ ہی مطمئن۔

”ایسی کوئی بات نہیں ماما میں خوش ہوں اور بہت مطمئن بھی۔“ انا کو مسکرا کر ماں کو مطمئن کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

”میں پڑھ لوں پہلے ہی بہت حرج ہو گیا ہے، اب تو کچھ ہی دن رہ گئے ہیں ایگزامز میں۔“ انہوں نے سر ہلا دیا۔ انا وہاں سے نکل آئی انہوں نے صرف خاموشی سے اسے کمرے سے نکلنے دیکھا۔

سکندر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی بیٹی کو دیکھ کر سکندر بہت حیران ہوا تھا سکندر کو اپنی بیٹی کی شکل میں چوہدری حیات علی کی شبیہ دکھائی دی تھی وہ شکل و صورت میں اپنے ماں باپ کے بجائے اپنے دادا پر لگی تھی۔ سکندر اور لالہ رخ دونوں اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھے بھی ان دونوں ضیاء کی کال آگئی تھی۔ ضیاء اور افشاں کے ہاں بھی بچی نے جنم لیا تھا انہوں نے اپنی بچی کا نام روشان رکھا تھا۔

زندگی بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ حیات علی نے پھر دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا لیکن ان کا ذرا بچہ اکثر سکندر کو اپنی گلی میں آتا جاتا دکھائی دیتا تھا۔ ضیاء وہاں بہت مطمئن تھا اس کا کاروبار ترقی کر رہا تھا ایک دن ضیاء نے کال کی تو بتایا کہ سکندر کی شاپ جس غیر ملکی کے پاس بھی وہ ماہانہ کرائے کی اجرت ادا کرنے میں اکثر ٹال مٹول کرنے لگا

ہے۔ ایک طرح سے وہ شاپ کا مالک بن بیٹھا تھا اکثر اس کے ساتھ ضیاء کی بھاری ہوتی رہتی تھی۔ سکندر نے اسے اس غیر ملکی سے آرام و سکون سے معاملہ پینڈل کرنے کی تلقین کی تھی۔

لالہ رخ جو رقم اور زور ساتھ لائی تھی وہ چاہتی تھی کہ سکندر سب کاروبار میں استعمال کرے لیکن سکندر لالہ رخ سے کچھ بھی لینے پر آمادہ نہیں تھا۔ لالہ رخ بہت اصرار کرنے لگی تو سکندر نے لالہ رخ کے نام پر کچھ زمین خرید کر اس پر گھر بنوانا شروع کر دیا تھا۔ ایک دن لالہ رخ صوبی کے ہمراہ بچوں کی شاپنگ کے لیے نکلے تھی وہ اب اکثر گھر کی ضروریات اور چیزیں خود ہی خریدتی۔ ہمایوں اور اپنے باپ کا خوف اب خاصا کم پڑ چکا تھا۔ گزے سالوں میں صرف ایک دو بار ہی امجد خان سے رابطہ ہوا تھا سنا تھا کہ امجد خان کی دوسرے صوبے میں جاب کے لیے چلا گیا ہے اس نے پولیس کی جاب کر لی تھی باقی کسی بات کا علم نہ تھا۔

اس دن صوبی کے ساتھ شاپنگ کرتے وہ صوبی کو کچھ دیر میں آنے کا بتا کر ایک اور دکان کی طرف بڑھی تھی جہی دکان کے اندر سے باہر آتے شخص سے وہ بری طرح ٹکرائی تھی۔ وہ اچھی طرح چادر میں لپیٹی ہوئی تھی، ٹکرانے سے چادر سر سے پھسل گئی تھی۔

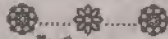
”تم.....!“ سامنے والا وجود اسے دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔ لالہ رخ بھی ایک دم اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر کھم ی گئی تھی۔

”ہمایوں.....!“ اس کے لب خوف سے کانپے تھے۔ اس نے فوراً اپنی چادر سر پر کھینچی لی تھی۔

”لالہ رخ۔“ ہمایوں نے اسے آواز دی تھی۔ لالہ رخ ایک دم ہلٹی تھی اس کا سامان وہیں گر گیا تھا جس کی اسے قطعی پروا نہیں تھی اگر فکر تھی تو ہمایوں سے بچ کر بھاگ جانے کی تھی۔ وہ سر ہٹ بھاگ رہی تھی۔ اسے اپنے پیچھے آتے قدموں کا خوف اتنے جھوم میں بھگا رہا تھا۔ اسے نہیں علم تھا کہ وہ صوبی کو کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر آئی ہے، وہ تو بس سڑک کی طرف بڑھی تھی اور پھر وہاں سے آتے ایک رکشے کو دیکھ کر اس نے فوراً ہاتھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس تک پہنچتے وہ تیزی سے رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔

”بھائی جلدی چلاؤ۔“ وہ چلائی تھی۔ رکشے والا بھی شاید صورت حال سمجھ گیا تھا۔ اس نے فوراً تیزی سے رکشہ چلایا تھا۔ ہمایوں کی گاڑی بہت پیچھے رہ گئی تھی اس نے از حد برہمی سے خود سے دور ہوتے رکشے کو دیکھا تھا۔

”آخر تک مجھ سے بچو گی لالہ رخ آخر ایک نہ ایک دن تو میں تم تک پہنچ ہی جاؤں گا۔“ دور ہوتے رکشے کو دیکھ کر اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار تے وہ نفرت سے بڑبڑاتا تھا۔



وہ کالج سے لوٹی تو سخت تھکی ہوئی تھی صفراں اسے بلانے آگئی تھی۔

”ضیاء صاحبہ بلارہے ہیں۔“ وہ جو آرام کرنے کا سوچ رہی تھی دوپٹہ سنبھالتی کمرے سے نکل آئی۔

”کہاں ہیں ماموں؟“ اس نے صفراں سے پوچھا۔

”وہ ولید صاحب کے کمرے میں ہیں۔“ وہ بتا کر یہ جاوہ جاہوں تھی۔ انا اپنی جگہ دکھائی تھی۔

ماموں ولید کے کمرے میں تھے تو پھر اس کو کیوں بلایا تھا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ ایک دل چاہ رہا تھا کہ چلی جائے دوسرا جی کہہ رہا تھا کہ انکار کر دے۔ ماموں نے خود بلوایا تھا ماموں اب اسے بہت کم مخاطب کرتے تھے کبھی کبھار سامنا ہونے پر بھی خاموش رہتے تھے۔ نجائے کیوں بلوایا تھا۔ وہ سوچتی ولید کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ حسب توقع ولید اپنے بستر پر اڑا تھا۔ چہرے پر برہمی کے تاثرات تھے یوں جیسے وہ ضیاء صاحب سے کسی بات پر سخت برہم ہوا تھا لیکن انا کو

دیکھ کر اس کے چہرے کے عضلات کھینچ گئے تھے۔ ضیاء صاحب اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

”آؤ انا بیٹا۔“

”السلام علیکم ماموں! آپ نے بلایا تھا۔“

”ہاں یہ ذرا ولید کے زخم دیکھو دروگر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو کال کی تھی کہتا ہے وہ آؤٹ آف سٹی ہے کسی اور کو چیک کروالو۔“

”جی۔“ انا تو ایک دم حیران ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ولید کو دیکھا وہ چہرے پر برہمی کی کیفیت لیے دائیں طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں ڈی ڈاکٹر کو کال کرنے ہی والا تھا کہ صفراں نے بتایا کہ تم آگئی ہو دیکھو تو سہی۔“ ماموں نے پھر کہا تو وہ اپنے دل اور سوچوں کو منجھاتی ولید کے بستر کی طرف آئی ماموں اٹھ کر پاؤں کی طرف بیٹھ گئے تھے آج کل ولید کے روم میں بینڈ تیج کا سارا سامان میڈیسن وغیرہ موجود رہتا تھا۔

”اوپر بیٹھ جاؤ۔“ ماموں نے ولید کے پہلو میں بستر کے کنارے پر خالی کی گئی اپنی جگہ انا کو پیش کی تھی۔ انا خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

وہ غلطی سے بھی ولید کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ اگر ایک بار دیکھ لیتی تو اس کی آنکھوں سے نکلنے والے اشعاروں کو دیکھ کر جل کر جہنم ہو جاتی۔

”بازو دیکھو زیادہ درد دار رہی ہو رہا ہے۔“ ماموں نے کہا۔

”بابا! میں آپ کو کبھی چکا ہوں کہ مجھے کسی بھی قسم کے ٹریٹمنٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ انا کو کھاجانے والی نگاہوں سے دیکھتے اس نے ضیاء صاحب کو غلطی سے دیکھا۔

”تم دیکھو انا۔“ ضیاء صاحب نے تو سرے سے ہی ولید کی کسی بھی دہائی پر کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ انا نے خاموشی سے ولید کے بازو کو کھاما۔

کہتی ہے اوپر ایک گہرا زخم تھا جس کی بینڈ تیج کرائی جا رہی تھی چھوٹے موٹے زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے مگر بے زخموں کا ابھی بھی ٹریٹمنٹ کیا جا رہا تھا۔ ولید بغیر بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ انا نے آنکھوں سے زخم پر کی گئی پٹی کھولی شروع کر دی تھی۔ ولید کی منگنی چینی ہوئی تھی جیسے وہ خود پر شدید ضبط کر رہا ہو۔ انا نے پٹی اتار کر زخم دیکھا۔ پھر روٹی لے کر ڈینول میں ڈپ کر کے اس نے زخم صاف کیا۔ زخم میں ہلکی سی پیپ پڑی تھی شاید اس لیے زخم درد کر رہا تھا۔ اس نے روٹی اور ڈینول کے ساتھ سارا زخم صاف کیا تھا۔ یہ زخم شاید وڈا سکرین کا شیش ٹوٹنے سے لگا تھا کافی گہرا زخم تھا اس لیے تو ریکور ہونے میں کچھ وقت لے رہا تھا۔ انا نے زخم پر ہر ہم لگا کر زخم کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔

”اس کو کھلا رہنے دیں، بینڈ تیج مت کرائیں ورنہ پیپ بڑھ جائے گی۔ کھلا زخم خشک ہو کر کھرند آنے سے جلدی مندر ہواگا۔“ اس نے ماموں کو کہا۔

ولید نے برہمی سے اس کی گرفت سے اپنا بازو نکالا تھا۔ وہ جو دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی ایک دم اسے دیکھا تھا۔ ولید کی نگاہوں میں شدید لپک تھی۔ غم و غصے کی گہری کیفیت تھی، وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی۔

”کمر کے پیچھے جو زخم ہے وہ بھی دیکھ لو اور سر کا زخم بھی۔“ ماموں کو تو جیسے بیٹے کے غصے کی غلطی کوئی پروا نہ تھی۔ آرام سے ایک اور بیان جاری کیا۔

”بابا!۔۔۔۔۔“ ولید نے باپ کو گھور کر شدید احتجاج کرنا چاہا۔

”خاموش، مریض نہیں بولتے۔“ ماموں کا انداز ایسا تھا کہ انا کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ چلی تھی جسے اس نے بشکل ہونٹ بھیج کر روکا تاہم اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا تاثر بڑی شدت سے ابھرا تھا۔ ولید اس کے چہرے کو دیکھ کر ایک دم پھر اٹھا انا کی مسکراہٹ نے تو گویا اس کے اندر آگ ہی لگادی تھی۔

”بابا! پیاز اب میں اتنا بھی معذور نہیں ہوں کہ مجھے ہر ایرے غیرے کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ شہر میں ڈاکٹروں کی کمی نہیں پڑ گئی کہیں بھی جاسکتا ہوں آپ گاڑی نکلوائیں بس۔“ اس کا انداز بہت برہم تھا خصوصاً جیسے الفاظ انا نے لب بھیج گئے تھے۔

”بہت بری بات ہے ولید۔“ ماموں نے سخت تنبیہی انداز میں بیٹے کو دیکھا وہ لب بھیج کر غصے سے گردن موڑ گیا۔

”انا تم دھیان سے زخم دیکھو۔“ ماموں پر جیسے بیٹے کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ انا نے سنجیدگی سے ولید کے کندھے اور سر کے زخم کو چیک کیا دونوں کی بینڈ تیج کی وہ سارا وقت سنجیدہ سنجیدہ رہی تھی اور ولید بھی بغیر بولے کوئی چوں چوں اس کی خاموشی سے ٹریٹمنٹ کر رہا تھا۔

اپنا کام مکمل کر کے انا نے بینڈ تیج کا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ سامان سمیٹ کر سائیڈ پر رکھتے اس نے ولید کی میڈیسنز چیک کرنا شروع کی اور دو گولیاں نکال کر اس نے ماموں کی طرف بڑھائی تھیں۔

”یہ ایک درد کی گولی ہے اور دوسری زخم میں اگر پیپ وغیرہ ہو جائے تو اس کو کور کرنے کی ہے آپ یہ دونوں کھلا دیں۔“

”تم ہی کھلا دو۔“ ماموں جیسے آج اپنے بیٹے کا سارا ضبط آزمایا جا چکے تھے۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کی موجودگی ولید کے لیے کس قدر گراں گزر رہی ہوگی اس نے گلاس میں جگ میں سے پانی اٹھ لے کر ولید کی طرف بڑھایا۔ ولید نے بہت غصے سے گلاس اٹھا تھا۔ انا نے خاموشی سے اس کی طرف ہتھیلی بڑھا دی تھی۔ ولید نے دیکھا صاف شفاف نرمی ہتھیلی پر دوہلور تھی ہوئی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سب اسے بہت اچھا لگتا اور شاید وہ بڑھا ہوا تھا تھام لیتا لیکن اس وقت سب کچھ بہت برا لگ رہا تھا دل کر رہا تھا کہ انا کے وجود سمیت ہر چیز کو آگ لگا دے۔ اس نے بہت تیزی سے دونوں ہتھولے کی منہ میں رکھیں اور سارا گلاس ایک ہی سانس میں پی گیا تھا۔

گلاس خالی کر کے اس نے ٹیبل کی طرف پھینکا جا چکا جب انا نے ہاتھ بڑھا کر گلاس تھام لیا۔

”میں رکھ دیتی ہوں۔“ اس نے گلاس لے کر سائیڈ پر رکھا۔ گلاس رکھ کر اس نے ماموں کو دیکھا۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ میں اب جاؤں۔

”تم اب گھر پر ہی ہو کچھ زخم ولید کے پاس بیٹھو کافی دیر سے بور ہو رہا تھا مجھے ایک دوست کو کال کرنی ہے صبح سے اس کی کئی کالز چلی ہیں۔“ ماموں نے مسکرا کر کہا اور انا نے گہرا کر ولید کو دیکھا۔ وہ کھاجانے والی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

”بابا!۔۔۔۔۔“ وہ احتجاجا چلا یا۔

”کیا ہے بارتھ روم سے تمہارے پاس تھا اب ایک کال تو کر لوں۔“ ماموں نے جوابا بیٹے کو گھورا۔

وہ انا کو اشارہ کرتے وہاں سے چلے گئے اور انا وہ جھپٹا جی جگہ چوری بن گئی تھی۔

”میں روش کو بھیجتی ہوں ابھی کالج سے آئی تھی بھوک لگی ہے کھانا کھالوں۔“ ولید اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ اس نے بہتر یہی جانتا تھا کہ اٹھ کر یہاں سے چلی جائے۔

”تمہاری طرف میرے اتنے حساب نکلتے ہیں کہ اگر بدلے پر آؤں گا تم بہت بری طرح چھٹوگی بہتر یہی ہے کہ تم میرے سامنے مت آیا کرو تمہیں دیکھتا ہوں تو نفرت محسوس ہونے لگتی ہے تم سے تمہارے جیسی شکی مزاج لڑکی جس کے نزدیک رشتوں کا تقدس محض شک کی ایک نگاہ پر منحصر ہے اس کی شکل دیکھنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ گیٹ لاسٹ آئندہ میرے سامنے آئیں تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔“ ولید کا انداز بہت انسٹلنگ تھا۔ احساس توہین سے زیادہ ذلت کا احساس تھا اور سب سے بڑھ کر ولید کی آنکھوں میں دکھائی دی جانے والی نفرت۔ انا کو لگا کہ جیسے اس کا وجود کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا ہو۔ ولید نے بھی اس سے اگر محبت کا اظہار نہیں کیا تھا تو اس سے اس طرح نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا اور یہ بھی وہ اس کے ساتھ اس قدر بے برے انداز میں پیش آیا تھا۔ انا نے ایک بار پھر ولید کو دیکھا اس کی آنکھوں میں خفگی و نفرت کے احساس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ انا لب بھجج کر تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید کے کمرے کی طرف آتی روشی بے اختیار ایک طرف ہوئی تھی ورنہ بے اختیار تیزی سے بھاگتی انا سے ضرور ٹکرا جاتی۔ انا بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ روشی نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ حیرانی کا سبب انا کے پیچھے لب اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو تھے۔ وہ کچھ سوچتی انا کے پیچھے جانے کی بجائے ولید کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ ولید بہت غصے سے کھڑا اٹھا اٹھا کر زمین پر پھینک رہا تھا روشی کو دیکھ کر کا۔

”کیا ہوا بھائی؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔
 ”کیوں؟“ ولید نے بہن کو گھورا تو اس نے سنجیدگی سے بھائی کے چہرے کے غصیلے تاثرات کو دیکھا۔
 ”ابھی انا روئی ہوئی آپ کے کمرے سے نکلی ہے اور اب یہ آپ جس طرح کھڑے پھینک رہے ہیں لگتا تو یہی ہے کہ یہاں ایک میدان جنگ گرم رہا ہے۔“ بہن کی بات پر ولید ایک لمبے لمبے سوسا کرت ہوا۔
 پھر سر جھٹک کر خود کو ناہل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ روشی نے آگے بڑھ کر کھڑا اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھے تھے۔
 ”دیسے میری سلی بتائیں ہوا کیا ہے۔“ بھائی کے پاس بیٹھ کر اس نے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں۔“

”آپ جیسا مرد اس طرح ہا پیر ہو کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔“ روشی ٹٹنے والی نہ تھی وہ بھی اتنی آسانی سے۔ ولید نے گھورا۔
 ”مجھ پر نظروں کے تیر چلانے کی قطعی ضرورت نہیں جو بات ہے وہ صاف صاف بتائیں۔“ روشی کا انداز دو ٹوک تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ولید نے شروع سے لے کر اب تک کی ہر بات روشی کو کہہ سنائی اور روشی حیرت سے سب سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انا ایک چھوٹی سی بات کو لے کر اس حد تک چلی جائے گی۔
 ”مائی گاڈ۔“ روشی مسلسل بے یقین اور ولید وہ روشی کو سب بتا کر اور زیادہ ڈپر پریسڈ ہو گیا تھا۔
 ”میں انا سے بات کرتی ہوں بھلا یہ کیا بات ہوئی؟“

”کوئی ضرورت نہیں وہ اپنے ہر عمل میں آزاد ہے اور ایک بار تجھ تک ہونے کے بعد میں دوبارہ انا بی بی کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ میری انا اور وقار کے خلاف ہے۔ اب کچھ بھی ہو میں انا سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہوں گا۔“ ولید کا انداز بہت حتمی تھا۔ روشی نے بہت دکھ اور تاسف سے اسے دیکھا۔

عباس آفس میں تھا جب فیضان صاحب کی کال اس نے ریسیو کی اور انہوں نے اس سے جواب کی تھی عباس وہ سن کر ہی حیران رہ گیا تھا۔
 ”آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں۔“ عباس نے پھر پوچھا۔
 ”ہاں، تم اپنے والدین کو آج رات ہمارے گھر لے کر آنا باقی بات پھر وہیں ہوگی۔“ ان کا انداز حتمی اور دو ٹوک تھا۔

کال بند ہو گئی تھی۔ عباس کتنی دیر تک شادی مرگ کی کیفیت میں بیٹھا رہا تھا۔ اس دن وہ فیضان صاحب کے جواب پر اطمینان ہو کر پلٹا تھا لیکن انہوں نے اسے پھر روک لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کچھ دن سوچیں گے اور پھر جواب دیں گے۔ اور تب سے عباس انتظار کی صلیب پر لٹک رہا تھا اور آج فیضان صاحب نے کال کر کے گویا مزہ جان سنا دیا تھا۔ عباس نے اسی وقت شاہزیب کی سیکرٹری کو کال کر کے ان کی موجودگی کنفرم کی اور پھر اپنے آفس سے نکل آیا تھا۔ وہ شاہزیب صاحب کے آفس میں آیا تو وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ اس سے بات کر کے انہوں نے اپنی فیکٹری کے پروڈکشن منیجر سے بات کی تھی۔ تب تک عباس بڑے صبر سے بیٹھا رہا تھا۔ انہوں نے کال بند کی تو عباس ان سے نئے پروڈکٹ کے بارے میں بات کرنے لگا تھا بات کئی تو عباس نے سنجیدگی سے اپنے والد کو دیکھا۔
 ”بابا جان میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ شاہزیب صاحب ایک دم چومکے تھے۔ ایک دم بزنس امور سے ہٹ کر عباس نے ایک نئی بات کہہ دی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا۔ عباس کا انداز سنجیدہ اور اہل تھا۔
 ”غیریت؟ یہ ایک دم اچانک شادی کا خیال کیسے آ گیا؟“ انہوں نے بظاہر سرسری انداز رکھا لیکن اندر ہی اندر وہ چونک ضرور گئے تھے۔

”اچانک نہیں میں بہت عرصے سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔“
 ”اوکے بہت اچھا فیصلہ ہے۔“ انہوں نے ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ سے بیٹے کو دیکھا تھا۔ ”برخودار ابھی صرف شادی کر لینے کا سوچا ہے یا پھر مزید بھی کچھ پلاننگ کر رکھی ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
 وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ بیٹا ان کے بانی دونوں بیٹوں سے قدرے مختلف ہے۔ عباس بڑا ایسا ہونے کے سبب بہت رعایت لے جاتا تھا وہ اپنا ہر فیصلہ خود کیا کرتا تھا پہلی شادی سے لے کر طلاق اور نیا فیصلہ۔
 ”لڑکی سیلیکٹ کر چکا ہوں یقیناً آپ کو بھی پسند آئے گی۔“ عباس نے بتایا تو انہوں نے سنجیدگی سے دیکھا۔
 ”بس مسئلہ یہ ہے کہ اس کے اور ہمارے آئینوں میں بہت فرق ہے۔ وہ ایک ٹڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہے گھر داری اور اخلاقی لحاظ سے بہت اچھی لڑکی ہے۔“ عباس نے مزید بتایا۔
 ”دیکھو عباس تم نے زندگی میں عادلہ کو سیلیکٹ کرنے کی ایک غلطی کی تھی اس کا خیمہ آج تک ہمارا خاندان بھگت رہا تھا یہ مت بھولو کہ تم ایک بچے کے باپ بھی ہو قاف لے شک بہت توجہ اور پرسکون ماحول میں پل رہا ہے لیکن سوئٹلی ماں سوئٹلی ہی ہوتی ہے اور یہ لڑکی ٹڈل گھرانے کی لڑکیاں بعض اوقات پیسہ دیکھ کر بدل جاتی ہیں۔“
 ”اے کی کوئی بات نہیں ہے بابا میں نے ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔“ عباس نے کہا تھا شاہزیب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔
 ”کون ہے وہ لڑکی؟“

”راہجہ۔“ شاہزیب صاحب چومکے۔
 ”کون سی راہجہ؟“

”یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ عرصہ میرے کیمپوٹیشن میں کام کرتی رہی تھی پھر اس نے یہ باب چھوڑ دی تھی۔“
 ”لیکن اس لڑکی کی تو شادی ہو رہی تھی تب۔“ شاہزیب صاحب اب اتنے بھی بے خبر نہ تھے۔
 ”جی لیکن پھر نہ ہو سکی۔“

”کیوں؟“ انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”اس کی جس لڑکے سے شادی ہو رہی تھی وہ کہیں اور انوالو تھا پھر اس لڑکے کا کہیں اور نکاح ہو گیا تھا۔“

”اوہ۔“ شاہزیب صاحب کو یہ جان کر حقیقتاً خسوس ہوا تھا۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی تھی۔

انہیں یاد تھا کہ اسے انہوں نے ہی اپائنٹ کیا تھا عباس کو اعتراض تھا پھر وہ باب کرنے لگی تھی اور عادلہ کی وجہ سے وہ بے چاری کافی زیادہ پریشان بھی رہی تھی۔ تصادف وغیرہ کے مسئلے میں وہ بھی انوالو ہوتی تھی۔

”لڑکی تو بلاشبہ واقعی بہت اچھی ہے لیکن اس کا گھرانہ بلوگ کیا کہیں گے وہ ہماری ایک عام سی املائی تھی بیٹا۔“

”بابا ایسی باتیں مت کریں میں جانتا ہوں آپ سے ہمیشہ انسان کے کردار اور اس کی خوبیوں کو اہمیت دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ بھی اپنی سب سے چیتے بیٹے مصطفیٰ کی شادی شہوار جیسی لڑکی سے نہ کرتے کہ جس کے خاندان تک کی کسی کو خیر نہیں، جبکہ رابعہ کا ایک خاندان ہے والدین بہن بھائی ہیں۔ بھلے مالی لحاظ سے وہ لوگ ہم سے کم تر ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے میں نے ان لوگوں کو خود سے بہت بلند تر پایا ہے۔ میں عادلہ کی طرف سے ایک بار دھوکہ کھا چکا ہوں میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اس پر کوئی اوٹیشن ہوگا۔“ عباس کا انداز تھی اور فیصلہ کن تھا۔

”لیکن بیٹا خاندان میں بھی کچھ لڑکیاں موجود ہیں میں دریہ کے بارے میں سوچ رہا تھا ہمارے خاندان کی ہے ہماری بیٹی ہے۔“

”دریہ، بابا وہ دوسری عادلہ ہے آپ نے اس کے بارے میں کیسے سوچ لیا۔“ عباس کو شدید دھچکا لگا تھا۔

”وہ عرصہ دراز سے بیرون ملک میں رہی ہے وہیں پیدا ہوئی ملی بوجی ہے شاید کچھ عرصہ ہمارے درمیان رہے تو بدل جائے۔“

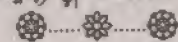
”میں مفروضوں کی بنیاد پر اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا بابا، وہ کئی ماہ سے ہمارے درمیان ہے ایک اچھی بھی اس کی ذات میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا مزید کی کیا امید رکھوں، ایم سوئی بابا۔“ شاہزیب صاحب نے خاموشی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

”آپ ایک بار میرے ساتھ چل کر ان لوگوں سے مل لیں آئی ہو آپ کو سب لوگ پسند آئیں گے مالی لحاظ سے کمزور ضرور ہیں لیکن کرداری لحاظ سے بہت بلند ہیں آج رات کا ٹائم دیا ہے رابعہ کے ماموں صاحب نے آپ کو اس جی کو لے کر ان کی طرف جانا ہوگا۔“ عباس نے مزید بتایا تو شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”اوکے لی پی پی، ہم ضرور جائیں گے کس وقت پہنچنا ہے تنفرم کر کے ہمیں بتا دینا۔“ بیٹے کا کندھا تھپتھا کر حوصلہ افزائی کی تو عباس ایک دم مسکرا دیا تھا۔

”تھینک یو سوچ بابا۔“

”جیتے رہو، یہ ایک دو فائلز ہیں ان کو دیکھ لو، میں ایک میٹنگ میں انوائنڈ ہوں کچھ وقت لگے گا۔“ انہوں نے موضوع بدلا۔ عباس نے سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے حکم پر سر ہلایا تھا۔



آج فیضان صاحب جلدی گھر آ گئے تھے۔ ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان تھا وہ تمام چیزیں انہوں نے بھابی کو تھا دی تھیں اور خود ہا آ پ کے پاس کرسی پٹا بیٹھے تھے۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ اماں نے سہیل بھابی کو بھی آواز دے دی تھی۔ وہ روم میں سو رہے تھے اماں کی پکار پر ان کے پاس ہی آ بیٹھے تھے۔ رابعہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ تینوں کی میٹنگ کافی دیر تک چلی اور پھر ماموں کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ شام سے پہلے ایک فلی کے کچھ لڑکوں کو ٹیوشن دیا کرتے تھے ان کی ٹیوشن کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اماں نے بھابی کو بلا کر بتایا تھا۔

”رابعہ کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں کافی امیر فلی ہے تم رابعہ کو ساتھ ملا کر کھانے پینے کا اچھا سا انتظام کر لینا۔“ بھابی سن کر ایک دم ایکسٹنڈ ہوئی تھیں۔

”کون لوگ ہیں؟“

”رابعہ کے آفس کے لوگ ہیں جن کے ہاں وہ نوکری کرتی تھی۔“

”ہائے اللہ وہ لوگ تو بہت امیر ہیں۔“ بھابی تو ایک دم حیران ہوئی تھیں۔

”رابعہ کے ماموں سے لڑکے نے کئی بار بات کی ہے وہ راضی ہیں آج شام میں آنے کا وقت دیا ہے ان لوگوں کو۔ اب وہ آئیں گے دونوں طرف ملنا ہوتا ہے تو فیصلہ کریں گے۔“

”ہماری رابعہ تو بہت لگی ہے پھر اتنے امیر لوگ..... اس کی تو قسمت کھل گئی۔“ بھابی واقعی بہت خوش تھیں۔

”قسمت تو مقدر سے نکلتی ہے دولت روپیہ پیسہ بھلا کیا قسمت کھولتا ہے، دعا کرو جو بھی ہو ہماری بچی کے حق میں بہتر ہو ورنہ امیری دیکھ کر کون خوش رہ سکتا ہے۔“ اماں کے الفاظ پر بھابی نے سر ہلایا۔

بھابی نے رابعہ کو کھانا کرب بتایا تو وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ تو گزرے دنوں میں ماموں اور سر عباس کی خاموشی سے یہی سمجھتی تھی کہ اب اس رشتے سے انکار ہو چکا ہے لیکن اب یہ نیا فیصلہ وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔

اماں کے کہنے پر اس نے بیٹھک کی حالت درست کی تھی، بھابی گھر کی حالت بھی سنوا رہی تھی۔ اس نے سر عباس کا گھر نہیں دیکھا تھا لیکن وہ جس آفس میں کام کرتی تھی اس کو دیکھ کر وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ ان لوگوں کا لیونگ اسٹائل کیا ہوگا۔ اور پھر ان کے بھائی کی شادی پر ان کے گاؤں جانے پر وہ لوگ جس حویلی میں ٹھہرے تھے اس کی خوب صورتی اور شان و شوکت دیکھ کر ان لوگوں کی امارت کھول کر سامنے آئی تھی۔ گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر وہ بھابی کے ساتھ چکن

میں ان کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔

مغرب کے بعد ان لوگوں نے آنا تھا ماموں مغرب کے بعد بھی گھر نہیں لوٹے تھے۔ مغرب کے بعد اماں کے کہنے پر رابعہ ایک سادہ لیکن کافی اچھا سا سوٹ پہن کر نہادھو کر فارغ ہو چکی تھی بھابی کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے میک اپ نہیں کیا تھا۔ رات سات بجے ان لوگوں کی گاڑی ان کے دروازے پر آ کر رکی۔ بھابی گھر پر ہی تھے۔ عباس نے ڈرائیور کو اچھی طرح سارا ایڈریس سمجھا کر بھیجا تھا سو ڈرائیور کو کوئی دقت نہ ہوئی تھی۔ سہیل بھابی اور اماں نے ہی مہمانوں کو رہا کر دیا تھا۔

مہر النساء بیگم کا بڑا پروقار انداز تھا شاہزیب صاحب بھی آفس ڈیرنگ میں تھے دونوں کی مالی حیثیت ان کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی تاہم دونوں بڑے خلوص اور خوش دلی سے ملے تھے۔ اماں اور سہیل بھابی دونوں سے بات

چیت کر رہے تھے۔

”عباس نے مجھے آپ کے ماموں کا بتایا وہ کہاں ہیں؟“

”میں نے ان کے ماموں کو بتایا وہ کہاں ہیں؟“

”ماموں نیٹوں پڑھاتے ہیں وہ آج کچھ لیٹ ہو گئے تھے میں نے کال کی تھی کہہ رہے تھے کہ وہ پہنچ جاتے ہیں کہ دیر میں۔“ شاہزیب صاحب نے سر ہلادیا تھا۔

مہر النساء بیگم بظاہر خوش دلی سے ثریا بیگم سے مخاطب تھیں لیکن اندر ہی اندر ان لوگوں کی مالی حیثیت دیکھ کر ابھی ہوئی تھیں۔

گھر آ کر شاہزیب صاحب نے بس یہی کہا تھا کہ عباس کے رشتے کے سلسلے میں ایک جگہ چلنا ہے تیار ہو جائے اس سے زیادہ نہ انہوں نے بتایا تھا اور نہ ہی پوچھنے کا وقت ملا تھا فوراً وہ تیار ہو کر ان کے ساتھ آ گئی تھیں۔

”بیٹا راجہ کو کہو چائے لے آئے۔“ ثریا بیگم نے کچھ دیر بعد کہا تھا سہیل باہر چلا گیا تھا۔ وہ پیغام دے کر پھر واپس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ شاہزیب صاحب سے باہر گزارے گئے تجربے کو شیئر کر رہا تھا وہ بھی خوش اخلاقی سے سن رہے تھے۔

راجہ کے ساتھ بھائی بھی آ گئی تھیں آج سر شام ہی انہوں نے گڑیا کو سلا دیا تھا راجہ نے سلام کیا تھا مہر النساء بیگم نے کھڑے ہو کر محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔

”یہ میری بیٹی راجہ ہے۔“ ثریا بیگم نے بتایا تھا۔

پھر مہر النساء بیگم نے بھائی کو ساتھ لگایا تھا انداز خوش اخلاقی لیے ہوئے تھا۔ ثریا بیگم کے اندر اعتماد بڑھا تھا انہوں نے بھائی کا بھی تعارف کرایا تھا۔ راجہ نے چائے بنا کر شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم دونوں کو دی تھی۔

بھائی دیگر لوازمات لائی تھیں کچھ گھر میں بنایا تھا اور کچھ بڑی میڈان لوگوں نے کافی کچھا کھٹا کر لیا تھا۔

”ان سب چیزوں کے تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔“ مہر النساء بیگم نے ٹوکا تھا۔

”یہ سب تو آئی آج کل مہمان داری کا حصہ ہے یہ کیسے لیں میں نے خود بنایا ہے۔“ بھائی نے خوش دلی سے پلیٹ میں کیک کا پیس ڈال کر ان کی طرف بڑھایا تھا تاہم راجہ خاموشی سے ثریا بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ باقی چیزیں بھائی ہی سرور کر رہی تھیں۔ مہر النساء بیگم نے کئی بار راجہ کو دیکھا تھا۔

نجانے کیوں انہیں راجہ کا چہرہ دیکھا بھلا لگ رہا تھا۔ عجیب سی کشش تھی جو انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ تبھی ڈور تیل ہوئی تھی سہیل بھائی اٹھ کر چلے گئے تھے ان کا خیال تھا کہ ماموں ہوں گے لیکن ماموں کے بجائے ابو بکر تھا۔ ابو بکر گزشتہ دنوں اپنے گھر شفٹ ہو چکا تھا تاہم ابھی کھاروہ اکثر شام میں اصرار ہی چکر لگایا کرتا تھا۔ سہیل ابو بکر کو بھی وہیں لے آئے تھے۔

ابو بکر ایک بڑھا لکھا نوجوان تھا اس کی کمپنی میں شاہزیب صاحب بہت خوش ہوئے تھے۔ راجہ اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ مہر النساء بیگم بھی اٹھ کر آیا اور بھائی کے ساتھ باہر آ گئی تھیں۔ انہوں نے سرسری گھر پر نگاہ ڈالی تھی۔

چند کمرے، ایک چکن ایک ڈرائنگ روم اور ایک چھوٹا سا چکن۔ ان کے گھر کے سامنے یہ گھر کچھ بھی نہ تھا۔ وہ سوچیں تو اس سے بہتر ان کے ملازمین کے گھر تھے لیکن اس گھر کے کمینوں کی جو بات سب سے زیادہ اثریٹ کی تھی وہ ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی تھی۔

وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی تھیں فیضان صاحب نہیں آئے تھے، سہیل بھائی نے کئی بار کالز کی تھیں اور وہ ہر بار کچھ دیر میں پہنچ رہا ہوں کہہ کر کال بند کر دیتے تھے۔ ساڑھے نو بجے شاہزیب صاحب اکتا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”یار زندہ صحبت باقی سہیل بیٹا اپنے ماموں کو سلام کہیے گا بہت وقت ہو چلا ہے ہم چلتے ہیں۔“

سہیل بھلا اور کیا کہہ سکتا تھا۔ مہر النساء بیگم اور ثریا بھی وہیں آ گئی تھیں۔ ان لوگوں نے بعد اصرار ان دونوں کو ڈنر

کر کے جانے کا کہا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

”اگر رشتہ داری رہی تو ان شاء اللہ ہم نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ یہاں رکیں گے بھی لیکن فی الحال دیر ہو رہی ہے رخصت چاہتے ہیں اب ہم۔“ شاہزیب صاحب نے کہا تو اماں نے سر ہلادیا تھا۔

شاہزیب صاحب نے سہیل کا نمبر لے لیا تھا گھر جا کر بیگم سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہہ کر وہ لوگ چلے گئے تھے۔

ابو بکر اور سہیل ان کے ساتھ باہر مین روڈ تک ان کو گاڑی تک چھوڑنے گئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ واپس آ گئے تھے۔ اماں بھائی سہیل بھائی اور ابو بکر سب ہی اسی رشتے پر ہی گفتگو کرنے لگ گئے تھے۔ جب ان لوگوں کے جانے کے 5 منٹ بعد ماموں گھر آ گئے تھے۔

”بہت دیر لگا دی ماموں آپ نے وہ لوگ ابھی نکل کر گئے ہیں۔“ سہیل نے شکوہ کیا تھا۔

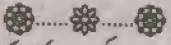
”کیا کرتا بار بوی مشکل سے گھر پہنچا ہوں پہلے رکشہ لیا اس کا رکشہ خراب ہوا اس نے جس رکشے پر بٹھوایا وہ ٹریفک کے اڈھام میں پھنس گیا تھا اللہ اللہ کر کے ٹریفک کھلا اور میں گھر پہنچا ہوں۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”ان لوگوں نے کافی دیر انتظار کیا تھا پھر چلے گئے تھے۔“ ماموں وہیں کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

سبھی مہمانوں کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم میں ہی تھے۔

”رشتے سے متعلق کوئی بات کی ان لوگوں نے۔“

”مجھ سے ہی بات کی تھی ان کی بیگم صاحبہ ساتھ تھیں وہی ہمارے خاندان، رشتہ داروں، کہاں سے ہیں سب کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں بظاہر تو اچھے لوگ ہیں اب اللہ مدد کرنے والا ہے۔“ ماموں نے سنجیدگی سے سر ہلادیا تھا جبکہ سہیل شاہزیب صاحب سے ہونے والی گفتگو بتانے لگ گیا تھا اور ماموں سنجیدگی سے سن رہے تھے۔



”کیسا لگا آپ کو یہ رشتہ؟“ گھر میں ان دونوں نے کسی سے بھی ذکر نہ کیا تھا کھانا کھا کر شاہزیب صاحب کمرے میں آ گئے تھے مہر النساء بیگم بھی فارغ ہو کر آئیں تو انہوں نے پوچھا تھا۔

”اگر مالی حیثیت سے سہٹ کر دیکھا جائے تو بہت ہی اچھا ہے یہ رشتہ لڑکی بھی پیاری سلجھی ہوئی اور تعلیم یافتہ ہے سارا گھر انہی سلجھا ہوا ہے لیکن آپ کو اس رشتے کا کس نے بتایا کون لوگ تھے یہ؟“

”یہ لڑکی ہماری فرم میں جاب کرتی تھی پھر اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔“

”اچھا۔“ مہر النساء بیگم حیران ہوئی تھیں۔

”عباس نے مجھے خود اس لڑکی کا کہا تھا اور کہا تھا کہ آج اس کے ہاں جاؤں۔“

”اوہ۔“ مہر النساء بیگم کے لیے مزید حیرانی کی بات تھی۔

”عباس نے خود کہا تھا۔“ وہ واقعی حیرت زدہ تھیں۔

شاہزیب صاحب نے راجہ اور عباس سے متعلق جو کچھ علم تھا مہر النساء بیگم سے کہہ دیا تھا مہر النساء بیگم سنجیدگی سے سنتی رہی تھیں انہوں نے عادل اور راجہ کا قصہ بھی سنا دیا تھا اور آخر میں عباس کا موقف بھی۔

”ناشا اللہ لڑکی تو مجھے بہت ہی پیاری لگی ہے بالکل شہوار جیسی۔“ اچانک ان کے ہونٹوں سے نکلا تھا اور پھر وہ خود بھی حیران ہو گئیں۔

”کیا انہیں واقعی وہ لڑکی شہوار جیسی لگی تھی؟“ وہ ابھیں۔

”اچھا کیا سوچا ہے پھر آپ نے عباس چاہتا تھا کہ میں آج ہی رشتے کی بات بھی کر کے ڈال لیکن مجھے فوراً یہ سب مناسب نہیں لگا میں نے سوچا کہ پہلے آپ کو دکھا لوں، خواتین میں خواتین کو کونج کرنے کی صلاحیت بہتر انداز میں موجود ہوتی ہے۔“ مہر النساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ان کی ابھی سوچ کو شاہزیب صاحب کی بات نے کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں دولت، جائیداد کسی کی ہمیں کوئی کمی نہیں عباس کی خواہش بھی ہے تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیں آپ۔“

”ٹھیک۔“ شاہزیب صاحب نے ہنکارا بھرا تھا۔
”میں کل بابا صاحب سے مشورہ کروں گا پھر وہ جو جواب دیں میں وہی کروں گا۔“ انہوں نے کہا تو مہر النساء بیگم نے فوراً اثبات میں سر ہلادیا۔

”یہ زیادہ مناسب ہے وہ خاندان کے بڑے ہیں بے شک عباس لڑکی پسند کر چکا ہے لیکن بابا صاحب کی مرضی اور مشورے سے فیصلہ ہوتا زیادہ بہتر ہے۔“ مہر النساء بیگم نے شوہر کے فیصلے پر فوراً اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

☆☆☆☆☆

عباس سخت پریشان تھا۔ اس نے شاہزیب سے تو نہیں لیکن اگلی صبح مہر النساء بیگم کو جالیا تھا۔
”کیا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے؟“

”لڑکی تو اچھی ہے۔ فیملی بھی اچھی ہے، رہ گئی مالی حیثیت نہ میں نے پہلے اس کو اہمیت دی ہے اور نہ ہی اب دوں گی، تمہارے والد صاحب سے بات کر لی ہے رات ہم تمہارے بابا صاحب سے مشورے کریں گے پھر جو فیصلہ ہوگا دیں گے۔“ عباس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

باقی سارا دن اس کے لیے بڑا ٹھن گزرا تھا اور شام میں بھی وہ جلد آفس سے آ گیا تھا۔ اس نے ماں جی سے بابا صاحب سے مشورہ کرنے کا پوچھا تو انہوں نے کچھ دیر بعد بات کرنے کا کہا تھا۔

کھانا کھا کر کبھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم بابا صاحب کے پاس آ گئے تھے۔ کھانا وہ کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ کتاب ایک طرف رکھ دی گئی۔

شاہزیب صاحب نے بغیر تمہید باندھے بابا صاحب کو پو پوئل کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ انہوں نے کافی دیر سوچا تھا اور پھر سر ہلادیا تھا۔

”لظاہر اس رشتے میں کوئی خامی نظر نہیں آ رہی لیکن جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں تو تم اچھی طرح جانتے ہو میں ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتا، عباس کی اگر خواہش ہے وہ خود اس جگہ شادی کرنا چاہتا ہے تو تم دونوں سوچ بچار کر کے فیصلہ کرو۔“

”میں بتا چکا ہوں تاکہ لڑکی ہمارے آفس میں جاب کرتی رہی ہے ہر لحاظ سے بہت اچھی ہے اصل میں عادلہ کی طرف سے جو نقصان ہم اٹھاتے ہیں اس کے بعد عباس کی ذات کے حوالے سے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ میرے سامنے آفاق کی ذات ہے اور آفاق کو میں کسی سوتیلی ماں کے تجربے سے نہیں گزرا سکتا۔“ شاہزیب صاحب نے اپنے خدشات بیان کیے تھے۔

”رسک تو لینا ہی ہوگا خاندان میں کرتے بابا ہر سے لڑکی لاتے دونوں صورتوں میں رسک تو لینا ہی تھا عباس آفاق کا باپ ہے اور کوئی بھی باپ اپنی اولاد کے لیے ہر باتیں سوچتا کچھ سوچ سمجھ کر ہی عباس آگے بڑھا ہوگا۔“ بابا صاحب کے

الفاظ پر شاہزیب صاحب نے سر ہلا کر اپنی بیگم کو دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں ہم ان کو کال کر دیتے ہیں ہم لوگ تو وہاں کا چکر لگا چکے ہیں کسی دن ان لوگوں کو بھی انوائس کر لیتے ہیں پھر آپ بھی مل بیجیے گا اس کے بعد بات آگے بڑھاتے ہیں شادی یا کتنی جو بھی وہ لوگ چاہیں گے ہم طے کر لیتے ہیں۔“ شاہزیب صاحب نے فوراً حتمی فیصلہ کیا تھا۔

”اچھی رائے ہے یہ بھی، بسم اللہ کرو، اچھے کام میں مزید تاخیر نہیں کرو، باقی اللہ برکت ڈالنے والا ہے۔“ بابا صاحب مطمئن تھے۔ بابا صاحب کے سامنے ساری عمر کا تجربہ تھا۔ عباس ایک پیچور مرد تھا۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ عباس نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہوگا اور وہ عباس کی چوٹ پر مطمئن تھے۔ سو وہ اس ٹاپک پر شاہزیب صاحب سے مزید ڈسکس کرنے لگے تھے۔

مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب انہیں رالعب اور اس کی فیملی کے بارے میں تفصیل سے بتاتے رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

مصطفیٰ نے آفس ٹائمنگ سے اسٹوڈنٹس کے لیے وقت نکالا تھا۔ وہ اس کی طرف آتا تو وہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر لینا کوئی بزنس میگزین دیکھ رہا تھا وہ ابھی تک بیڈریسٹ پر تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے ذہن کالی بھر چکے تھے تاہم ابھی تک اس نے آفس جو آئن نہیں کیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر ولید کا موڈ ایک دم خوش گوار ہوا تھا۔ مصطفیٰ بھی کچھ فرصت سے آیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے بھی مصطفیٰ نے ایک دم بات کا رخ بدلا تھا۔

”پچھو تو مکمل طور پر اس رشتے میں انوالو ہو چکی ہیں وہ ان کی پسند کے مطابق شاپنگ تک کر رہی ہیں۔“ ولید جو بہت فرلش ہو گیا تھا ایک دم سنجیدہ ہوا۔

”ویسے جو بھی ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا۔“
”سوواٹ جواتا چاہتی ہے وہی ہو رہا ہے تمہارے ناچاہنے سے کیا ہو جائے گا بھلا؟“ ولید کا انداز چٹخا ہوا تھا۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔

”تمہارے لیے میرے پاس کافی خبریں ہیں۔“
”کیا؟“ ولید نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

تب مصطفیٰ نے اسے وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے شہوار نے بتایا تھا ولید نے بہت سنجیدگی سے وہ سب سنا تھا۔ بہت سی باتیں اس کے علم میں تھیں لیکن اب جو کچھ مصطفیٰ نے بتایا تھا وہ بہت حد تک تکلیف دہ تھا۔ اناس حد تک بھلا کیسے جاسکتی تھی کہ خود بخود اپنی ذات کو اس حد تک لے گئی تھی اور کاشفہ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک بار اس کے سامنے آ جائے تو وہ اس سے سارے حساب بے باق کر لے۔ اور ان ولید کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور اس کا چہرہ ہنسنے سے سرخ کر دے پھلا اسے کس نے اجازت دی تھی کہ وہ اس کی ذات کو اس طرح رگیدتی۔ کاشفہ ڈبل گیم کھیلنے کے چکر میں بہت برا کر چکی تھی۔ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا حشر نشر کر دے۔

”دھرج سے یار۔“ ولید کی حالت دیکھ کر مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
”بہت برا کیا ہے اتانے..... بہت برا..... آئی دل کل ہر۔“ وہ واقعی بہت زیادہ ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

”کول ڈاؤن یار۔“
”اور یہ کاشفہ چھوڑوں گا اسے بھی نہیں میں۔“ ولید کا ضبط کے مارے برا حال تھا۔ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر برابر تکی دی۔

”وہ یے یکافہ کون ہے، مثلاً اس کا بائو بیادہ انا کے ساتھ یہ سب کر چکی ہے مزید غلط متانج کی دھمکیاں دے رہی ہے ہر اسان کر رہی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو تو ایک منٹ بھی آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے، جب تک میں بے خبر تھا اور بات کسی اب انور نہیں کر سکتا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ولید نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

”نہیں، اس لڑکی سے میں خود بیٹوں کا اب ویسے بھی اس کی جانب میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔“ ولید کا انداز بہت زہریلا تھا۔

”مجھے حیرت ہوتی ہے تمہاری کب سے ایسی لڑکیوں سے دوستی ہونے لگی اور دوستی بھی اس حد تک آگئی اور میں بے خبر رہا۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں نے اس سے دوستی نہیں کی تھی محض اس کے باپ تک پہنچنے کے لیے راہ و رسم بنائے تھے لیکن چند ملاقاتوں میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکی کس ناپ کی ہے پھر جس طرح انا اسے دیکھ کر پریشان ہونے لگی تھی میں اس سے بچنے لگا تھا پھر حالات ایسے ہوئے کہ نہ ہی اس کے باپ تک پہنچ سکا اور نہ ہی اس لڑکی سے اچھی طرح جان چڑھایا۔“ ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے حیران ہو کر دیکھا۔

”تم اس کے باپ تک کیوں پہنچنا چاہتے تھے۔“
”تھی ایک بات لیکن تم چھوڑو، اس انا بی بی سے تو میں اب اچھی طرح بیٹوں کا، بات کھلی ہے تو اب دیکھنا کیا کرہ ہوں میں۔“ ولید کو ایک بار پھر انا پر حد سے زیادہ تاؤ آنے لگا تھا۔
”کیا کرو گے؟“

”یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ اب کیا کروں گا میں، اتنی جلدی میں انا بی بی اور اس کی سیاسی دوستی کا شفعہ صاحبہ کو معاف نہیں کرنے والا۔“ ولید کا انداز قطعاً اور دو ٹوک تھا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆.....

لالہ رخ ایک بار پھر ماں بننے والی تھی رابعہ ایک سال کی تھی جبکہ بیسی اب کافی سمجھدار ہو گیا تھا خالد بی کا کافی آسرا تھا ان کا گھر کافی حد تک کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ سکندر کا کاروبار بھی کافی حد تک انجمنش ہو چکا تھا۔ وقار کی والدہ کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے ضیاء کے کہنے پر باہر ویزے کے لیے اٹلائی کر دیا تھا اور خوش قسمتی سے ان کے دوستی و بیرون کی درخواست قبول ہو گئی تھی۔ ضیاء ان لوگوں کو سپورٹ کر رہا تھا اور کچھ وہ لوگ خود ان نظامات کر رہے تھے وقار کی کچھ زمین بھی اس نے وہ بیٹی بھی انہوں نے گھر کا بھی سودا کر لیا تھا خوش قسمتی سے گھر بھی اچھے خاصے داموں میں بکا تھا لیکن صبوحی بھی ایک بار پھر تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی سودہ لوگ بچے کی پیدائش کے منتظر تھے تاکہ بعد میں وہ لوگ جا سکیں وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا ہر سب کچھ ٹھیک تھا لیکن لالہ رخ اب اکثر خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

اس نے اتفاقاً ایک دو بار ہمایوں کو دیکھا تھا۔ اور ایک بار اس نے ہمایوں کے کچھ ساتھیوں کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ وہ اب گھر سے بہت کم نکلتی تھی۔ بیسی بہت سمجھدار اور باتوئی ہو گیا تھا۔ اکثر اس کے سوال لالہ رخ کو مصروف رکھتے تھے۔ سکندر کی وہی روشن تھی۔ بیسی اس شہر تو بھی اس شہر۔ انہی دنوں افشاں اور ضیاء بھی اچانک آ گئے تھے۔ افشاں اور ضیاء کی آمد ان سب کے لیے ایک بہت خوش گوار واقعہ تھی۔ افشاں بہت بدل چکی تھی۔ ضیاء کی محبت نے اسے بہت بدل دیا تھا۔ وہ اب انتہا خوش مزاج اور خوش اخلاق ہو گئی تھی۔

ضیاء اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ ان دونوں کو خوش دیکھ کر سکندر کے دل سے ایک بہت بڑا بوجھ اترتا تھا۔ افشاں کی آمد کے ایک ماہ بعد صبوحی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ خوب صورت خلیکے میں نقوش والی گڑیا جس

کا نام افشاں نے انا رکھا تھا۔ انا ایک بہت ہی پیاری بچی تھی۔
افشاں احسن اور بیسی اس بچی کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔ بیسی ان دنوں احسن کی برتھ ڈے گئی تھی۔ وہ سب ادھر اکٹھے تھے۔ بڑی دھوم دھام سے برتھ ڈے سلیم ریٹ کیا تھا۔ لالہ رخ کی ڈیلیوری میں بھی دو مہینے باقی تھے۔ بیسی وہاں تقریب کے اختتام پر صبوحی نے ضیاء سے ایک خواہش کر ڈالی تھی سبھی وہاں موجود تھے۔
”بھئی میرے احسن کی دلہن روشی بنے گی ضیاء بھائی بس یہ بات یاد رکھ لیں۔“ صبوحی نے بہت مان سے کہا تھا جبکہ افشاں ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

”مجھے تو کوئی انکار نہیں افشاں سے پوچھ لو۔“ ضیاء نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔
افشاں نے تمام بچوں کے ساتھ کھیلنے اپنی گول مشول گوری بچی سی روشانے کو دیکھا تھا وہ بچپن کے رشتوں کے حق میں نہیں تھی لیکن صبوحی کی محبت کے سامنے انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔

”ابھی کوئی بھی فیصلہ نکل اوقات ہے بڑے ہو کر بچے بچانے کیا فیصلہ کریں میں اس چیز کے حق میں نہیں ہوں میں سمجھتی ہوں کہ اس سے بچوں کی نفسیات پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑتا۔“ افشاں نے اپنی رائے دے دی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی، چلیں یہ بات ہم بڑوں میں طے پا چکی ہے میرا وعدہ ہے ہم بچوں کے سامنے ذکر نہیں کریں گے وہ بڑے ہو جائیں ان کے سامنے پروپوزل رکھیں گے اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آپ انکار نہیں کریں گے۔“ صبوحی کے الفاظ پر افشاں سکرا دی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ بیسی خاموشی بیٹھی لالہ رخ نے اپنی گود میں ہاتھ پاؤں مارتی انا کو دیکھا تھا اور پھر وقار کے ساتھ خوش گپوں میں مصروف شو ہو کر۔

”یہاں تو رشتہ داریاں طے ہو رہی ہیں۔“ لالہ رخ مسکرائی تھی۔

”ہاں بھائی تم بھی جگمگا میں ہاتھ ڈال لو تم بھی آخر کو بیٹے کی ماں ہو فائدہ اٹھاؤ۔“ صبوحی نے کھلکھلا کر کہا تھا۔

”روشانے تو بک ہو گئی۔“ گول مشول صحت مندی روشی لالہ رخ کو بہت پسند آتی تھی۔

”ارے تمہیں میں سمجھن کے طور پر بری لگی ہوں کیا؟“ صبوحی نے لالہ رخ کا ٹکھیں دکھائی تھیں۔

”آپ کا مطلب ہے یہ چھوٹی؟“ لالہ رخ نے گود میں پڑی انا کو دیکھا تھا۔

”بالکل۔“ صبوحی مسکرائی تھی۔

”میں نے تو اپنی دوستوں دوستوں سے رشتہ داریاں بنائی ہیں اگر اللہ نے اور بچے دیے تو ان کے رشتے بھی تم دونوں سے جوڑنے ہیں۔“ صبوحی نے زندہ دلی سے کہا۔ افشاں اور لالہ رخ ہنس دی تھیں۔

”اچھی زبردستی ہے یہ تو۔“ افشاں نے چھیڑا تھا۔

”بالکل۔“ صبوحی اترا بی تھی۔

”یہ تو زبردستی کی سمجھن بن رہی ہے، دیکھو ذرا ہم ماؤں کے کوئی ارمان ہی نہیں۔“ لالہ رخ نے بھی حصہ لیا تھا۔

”ارے کتنی ناشکری ہو تم دونوں، بیٹھے بٹھے تم دونوں کو رشتے مل رہے ہیں اتنا خوب صورت داماد اور اتنی پیاری

سی بہو کہیں اور سے ڈھونڈ کر دکھانا تم دونوں مجھے۔“ صبوحی کی باتوں پر وہ بھی ہنس دیے تھے۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ صبوحی اور وقار کے جانے کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے لالہ رخ کے ہاں پھر ایک بیٹی نے جنم لیا تھا۔

بہت ہی پیاری اور خوب صورت بچی تھی بالکل لالہ رخ کا پوتو، سکندر نے اپنی اس بیٹی کا نام عائشہ رکھا تھا۔ جس دن

عائشہ پیدا ہوئی تھی اس سے اگلے دن صبوحی اور وقار بچوں سمیت امریکہ کے لیے فلوریڈا کر گئے تھے روشانے بھی ان کے

بعد ایگزامز شروع ہو رہے تھے پھر اس نے صرف ایگزامز دینے آنا تھا۔ انا اس کی کافی ہیلپ کر رہی تھی وہ اکثر اس کے ساتھ آجاتی تھی یا فون پر ڈیٹیل سمجھا دیتی تھی اور نوٹس وغیرہ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیتی تھی کالج ٹائم ختم ہو گیا تھا۔ انا کا ڈرائیور لینے آتا تو اس نے بھی مصطفیٰ کو کال کی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے خود آئے اور وٹ کرنے کا کہا تھا۔ انا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ کو آدھ گھنٹہ لگا تھا وہاں پہنچنے میں انا مصطفیٰ کے آنے پر چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

”کیسا گزرا آج کا دن؟“ گاڑی ڈرائیور کے مصطفیٰ نے پوچھا۔

”بہت اچھا آج کافی دنوں بعد سب سے ملنا ہوا، اساتذہ سے ملی کافی، ہیلپ ملی ہے۔“

”چلو اچھا ہوا، تمہارے ایگزامز کی تیاری اچھی ہو جائے گی پھر.....؟“ شہوار مسکرا دی تھی۔

”اچھی وہ لوگ کالج روڈ پر ہی تھے شہوار کے نمبر پر گھر سے کال بھی ماں جی گھبرائی ہوئی تھیں۔“

”لائبہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اسے تین ہور ہا ہے تم کب تک کالج سے فارغ ہو رہی ہو، شاہزیب صاحب کو کال کی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ میں لائبہ کو لے کر کلینک چلی جاؤں وہ اور سجاد وہیں پہنچتے ہیں۔“

”جی میں ادھر ہی ہوں آپ بھابی کو لے کر آئیں میں ان کی اسپیشلسٹ کو کال کرتی ہوں۔“ اس نے

کال بند کی تھی۔

”کیا ہوا؟“ شہوار نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو مصطفیٰ پریشان ہوا تھا۔

”لائبہ بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

”نازل کیس تھا اللہ خیر کرے ابھی تو چند دن باقی تھے ڈیپوری میں۔“ مصطفیٰ نے گاڑی لائبہ بھابی کی گائنا

کالوجسٹ کے کلینک کی طرف موز دی تھی۔ کچھ دیر بعد ماں جی بھی غڑ حال ہی لائبہ کو لے آئی تھیں۔ ڈاکٹر لائبہ کو روم

میں لے گئی تھی، شہوار ساتھ ہی تھی۔

شاہزیب اور سجاد بھی آگئے تھے۔ ڈاکٹر نے سب کو تسلی دی تھی ماں جی مسلسل ورد کر رہی تھیں ڈاکٹر نے لائبہ کو ڈرپ

لگا دی تھی۔ جون جوں وقت گز رہا تھا ماں جی کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ شام سے کچھ پہلے مسکرائی ہوئی شہوار

کمرے سے نکلی تھی۔

”مبارک ہو ماں جی، بیٹا ہوا ہے۔“ وہ بے اختیار مہر النساء بیگم کے گلے لگی تھی۔

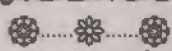
”تیرا شکر ہے مولا۔“ وہ ایک دم ہاتھ اٹھا کر شکر بجالا لی تھیں۔

”لائبہ کیسی ہے؟“ سجاد بھابی نے دریافت کیا۔

”الحمد للہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں کچھ دیر میں ڈاکٹر اجازت دیتی ہیں تو آپ لوگ مل بھی سکتے ہیں۔“ سبھی بہت

خوش تھے فاق کے بعد یہ جو ملی کا دوسرا وار تھا۔

ماں جی نے فوراً آمد قد وغیرات نکالا تھا کلینک کے سارے عملے کو دل کھول کر پیسے دیے تھے۔



دریہ نے اپنے موبائل میں موجود ایاز کا نمبر ڈائل کیا اور کال ملنے پر اس نے اسے شہوار کے بارے میں بتایا تھا اور

گھر والوں کے بارے میں بھی۔ ایاز کو کلینک کا ایڈریس اس نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ کال بند کر کے وہ بہت خوش

تھی۔ ایاز پچھلے کئی دنوں سے پاگل ہوا جا رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے شہوار اور مصطفیٰ نکل آئیں اور وہ ان

کو نیست و نابود کر دے۔ آج اسے ایک اچھا موقع ملا تھا۔ ان کی خوشیوں میں رنگ میں بھنگ ڈالنے کا۔ اس کے پاس

ایسی آنکھیں نہیں دیکھی، ایسا کاجل نہیں دیکھا
ایسا جلوہ نہیں دیکھا ایسا چہرہ نہیں دیکھا
اس کے سگن کا کھٹکنا جیسے بلبل کا چمکا
اس کی پازیب کی چم چم جیسے برسات کا موسم
ایسا ساون نہیں دیکھا ایسی بارش نہیں دیکھی
اس کی میٹھی ککلی سی ہے بولی، جیسے گیتوں کی رگولی
سرخ گالوں کا سینہ، جیسے ساون کا مہینہ
ایسی آنکھیں نہیں دیکھی ایسا کاجل نہیں دیکھا
رخسانہ اسایل..... تو نسہ شریف

بات چیت چل رہی ہے اور میں اس دوران بہت مختار رہنا چاہتی ہوں میں ٹڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور میں

نہیں چاہتی کہ کسی کو مجھ پر بات بنانے کا موقع ملے۔“ عباس مسکرا دیا۔

”اوکے آئی لائیک اٹ۔“ میں کوشش کروں گا کہ ہماری شادی کا سلسلہ جلدی ملے باجائے اور پھر آپ کو مجھ سے

بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہو۔“ عباس کی بات پر دوسری طرف موجود راجا ایک دم شپٹائی تھی۔

”ایم سوری آپ غلط سمجھے ہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”لیکن مجھے شادی کی بہت جلدی ہے راجہ، میں آپ کے ساتھ زندگی کو ایک نئے رنگ اور روپ میں جینا چاہتا

ہوں مجھے یقین ہے آپ ایک بہت اچھی بیوی بن سکتی ہیں۔“ میرے والدین راضی ہیں انہوں نے آپ کی

فیملی کو انوائٹ کیا ہے میں ماں جی کو صاف کہہ چکا ہوں کہ مجھے کوئی دھوم دھڑکا نہیں چاہیے میں سادگی سے شادی کرنا

چاہتا ہوں ٹھیک ہے نا راجہ۔“ عباس نے اس سے تصدیق چاہی تھی۔ دوسری طرف راجہ نشیور ہو رہی تھی۔

”جی سر..... مجھے بھابی بلا رہی ہیں، میں چلتی ہوں۔“ اس نے کال بند کرنا چاہی تھی۔

”رکیں تو سہی۔“ راجہ رگ گئی۔

”میں انتظار کے ان دنوں کو بہت مس کروں گا، میں آپ کے راستے میں امید کے چراغ روشن کیے بیٹھا ہوں مجھے

یقین ہے آپ مجھ تک آنے میں دیر نہیں لگائیں گی سن رہی ہیں نا؟“ عباس نے کہا لیکن پھر دوسری طرف بالکل

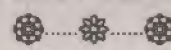
خاموشی محسوس کر کے پوچھا تھا۔

”اللہ حافظ سر۔“ راجہ نے کال بند کر دی تھی۔ عباس اس کی فیلنگز کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ لاکھ بار اعتماد سی لیکن تھی تو ایک

لڑکی محبتوں و جذباتوں سے گزرا ہوا وجود عباس کو یقین تھا لفظ ہر کچھ نہ کہنے والی اپنے محسوسات چھپا کر رکھنے والی یہ لڑکی

اس تک آتے آتے اس کی محبت میں ضرور رنگ چمکی ہوں گی اور عباس کو اس وقت کا شدت سے انتظار تھا جب راجہ عباس

کے نام پر اس کے گھر میں موجود ہوگی۔



شہوار آج بہت دن بعد کالج کی تھی۔ مصطفیٰ خود اسے چھوڑنے گیا تھا اور وہی پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر کا کوئی فرد

لینے گا ڈرائیور کو نہیں بھیجے گا۔ شہوار کا انا کے ساتھ سارا وقت بہت اچھا گزرا تھا۔ اسے اساتذہ سے ملنا تھا کچھ دن

وقت کم تھا اور سب کچھ کرنا تھا۔ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو کالز کی تھیں۔ یہ سب ساتھی اس نے پیسے دے کر اپنے ساتھ ملائے تھے ورنہ اس کے دوست تو کب کا اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ کلینک آیا تو وہاں بھی موجود تھے۔ شاہزیب صاحب ایک اہم مینٹنگ سے اٹھ کر آئے تھے وہ واپس چلے گئے تھے مصطفیٰ کو بھی آفس سے کال آگئی تھی وہ بھی چلا گیا تھا اب وہاں شہوار کے علاوہ مہر النساء بیگم اور سجاد ہی تھے۔ بچہ بہت پیارا تھا لایہ کافی دیک لپ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے دو تین دن اسپتال میں ایڈمٹ کرنے کا کہا تھا۔ سجاد ڈاکٹر کے کہنے پر لایہ کے لیے کچھ انجیکشنز لینے باہر نکلا تھا کلینک کے ساتھ والے اسٹور سے انجیکشنز نہیں ملے تھے وہ شہوار اور ماں جی کو بتا کر کسی اور میڈیکل اسٹور کی طرف نکلا تھا یہاں اچھا موقع تھا۔ ایاز کے لیے مکمل طور پر راہ ہموار تھی۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی، ماں جی وہاں کلینک میں موجود غسل خانے میں وضو کرنے چل دی تھیں۔ شہوار ڈاکٹر سے بات کرتی کمرے سے نکلی تھی تب ہی ایک طرف جیسے ایاز اور اس کے ساتھی فوراً نکل کر شہوار کی طرف آئے تھے۔ ”خبردار کسی نے حرکت کرنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو.....؟“ ایاز نے پٹل شہوار کی کپٹی پر تان دیا تھا۔

”کون..... کون ہو تم لوگ.....؟“ ڈاکٹر گھبرا گئی تھی جبکہ شہوار ایاز کو دیکھ کر ایک دم ساکت سی ہو گئی تھی۔

”ہمیں تم سے کچھ لینا دینا نہیں اگر زیادہ چوں چوں کی تو گولی حلق میں اتار دوں گا۔“ ایاز نے پٹل کی نوک ڈاکٹر کی کپٹی پر ماری تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شہوار کا وہ حال تھا کہ کانٹو بدن میں ابھرتیں۔

”بہت بھاگ لیا مجھ سے تم نے اب تمہاری باری ختم اور میری باری شروع چل۔“ ایاز نے پٹل کی سردنالی دوبارہ اس کے سر پر رکھی تھی۔

”میں نہیں جاؤں گی۔“ شہوار نے احتجاج کرنا چاہا تھا لیکن ایاز کا پتھر پلا ہاتھ ایک دم زناٹے سے شہوار کے گال پر پڑا تھا۔

”یونٹ.....؟“ وہ گالیاں دینے لگا تھا۔

”چل یہاں سے ورنہ پیچھے میں ساری گولیاں اتار دوں گا۔“ وہ زبردستی شہوار کا بازو پکڑ کر شہوار کو گھسیٹنے لگا تھا۔

اس وقت اس کلینک میں سوائے ڈاکٹر اور چھوٹے موٹے عملے کے کوئی نہ تھا۔ ماں جی بھی شور کی آواز سن کر باہر آئی تھیں۔ وہ چینی چلائی تھیں لیکن ایاز بے دردی سے شہوار کو گھسیٹتا باہر کی طرف لپکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



دل ہار دیتے ہیں

نادیہ فاطمہ حبیبی

چاہت میں ہم نے طور پرانے بدل دیے

جذبہ ہر اک سنبھال کے خانے بدل دیے

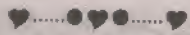
بے فائدہ ہے لوٹ کے آنا ہواؤں کا
ہم نے سبھی پرانے ٹھکانے بدل دیے

”امی پلیز مجھے روکنے کی کوشش مت کریں! میں یہاں سے بہت دور جانا چاہتی ہوں۔ لوگوں کی تسمخہ انداز نگاہوں اور طنزیہ رویوں سے بھاگ جانا چاہتی ہوں۔ میں اتنی بہادر و مضبوط نہیں ہوں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی رسوائی دے بس کی کا تماشہ دیکھ سکوں۔“ بولتے ہوئے مشال کی آواز رندھ کی آنسوؤں کا گولہ جیسے حلق میں پھنس کر رہ گیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے نچلے لب کو انتہائی بے دردی سے کھینچتے ہوئے آنکھوں میں آنی طغیانی کو روکنے کی سعی کرنے لگی۔ عشرت خانم نے اسے انتہائی دکھ و صدمے سے پرکھا ہوں سے دیکھا۔ مشال انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی وہ اس کا دکھ و پریشانی دیکھ نہیں پاتی تھیں اس وقت اسے اس حالت میں دیکھ کر ان کا کلیہ گویا کٹ کر یزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

”مشال میری گڑیا اچھی طرح سے روکومت روکواس سمندر کو جو تمہیں اندر ہی اندر ڈبو رہا ہے۔ امی کا اتنا کہنا تھا کہ مشال ان کے سینے سے بے اختیار انداز انداز میں لگ کر بری طرح رو رہی۔“

”یہ اچھا نہیں ہوا امی ڈیڈی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا مجھے بہت ہرٹ کیا ہے انہوں نے۔“ آج پہلی بار مشال کے منہ سے ڈیڈی کے لیے شکوہ نکلا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ مشال کے ساتھ بالانصافی اور بے رخی برتی تھی اس نے بھی اف بھی نہیں کی تھی مگر آج..... اپنی بکلی چٹک اور ٹھکرائے جانے کے احساس نے اس کے لبوں کو آزاد کر دیا تھا۔

”مجھے ان سے ہرگز یہ امید نہیں تھی اور..... اور علیحدہ اس



”تمہیں شرم آنی چاہیے علیحدہ اپنی بہن کے منگیتر میں دلچسپی لیتے ہوئے اور پھر اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کر کے تم نے مجھے بے حد شرمندہ کیا ہے مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔“

”افوہ ماما آپ خواتونہ میں اتنا ایسٹبل ہو رہی ہیں اور پہلی بات سالار میں دلچسپی میں نے نہیں بلکہ سالار نے مجھ میں لی ہے اس نے مجھے مشال کے مقابلے میں پسند کیا اب اگر مشال اسے متاثر نہیں کر سکی میں کیا کر سکتی ہوں۔ ویسے بھی مشال جیسی بورا اور ڈلڑی کو شاید ہی کوئی پسند کرے۔“ علیحدہ نے اپنے لیے لیے ناخنوں پر کیوکس لگاتے ہوئے انتہائی پر زخم اور زور لہجے میں کہا تو عشرت خانم نے اسے فہم آتی نگاہوں سے گھورا۔

”شباباش میری بیٹی شباباش ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔“ عشرت خانم کا کٹھنلا طنز اسے تو جیسے آگ ہی لگا یا تھا۔

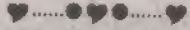
”واٹ ڈو یو مین ماما؟ میں نے کیا چوری کی ہے؟ ایک تو مجھے یہ کچھ میں نہیں آتا کہ آپ مشال کو ہمیشہ مجھ پر ترجیح کیوں دیتی ہیں میں آپ کی سگی بیٹی ہوں اور مشال آپ کی بھانجی ہے آپ یہ کیوں نہیں مانیں کہ مشال آپ کی سوتیلی بیٹی ہے۔“ علیحدہ انتہائی چڑکھچڑکھ کر بولی تو عشرت خانم کو بے تحاشا اشتعال آ گیا۔

”خبردار علیحدہ! اب تم میری مشال کے لیے ایک لفظ بھی مت بولنا اور کان کھول کر سن لو اگر آج کے بعد تم نے مشال کو میری سوتیلی بیٹی کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سمجھیں۔“ عشرت خانم بہت ٹھنڈے مزاج کی حامل خاتون تھیں انہیں غصہ شاد و نار ہی آتا تھا مگر جب آتا تو سب دم سادھ لیتے تھے علیحدہ اندر ہی اندر خائف ہو گئی۔

”میں بس آپ سے یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ اس سارے معاملے میں میرا کوئی قصور نہیں آپ پلیز مجھے کٹھنلا مت کروائیں۔“

”تمہارا واقعی کوئی قصور نہیں ہے قصور شاید میری تربیت و

خون کا ہے۔“ علیحدہ کی بات پر وہ پشیمانی سے بولیں پھر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ علیحدہ چند لمبے چپے سی رہ گئی پھر سر جھٹک کر کچھ گنگناتے ہوئے دوبارہ اپنے ناخنوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔



اس کا موبائل فون بج کر بند ہو چکا تھا اس پر وہ نماز میں مصروف تھی جو بھی اس نے رکعت ختم کی وہ جلدی سے اپنے موبائل فون کی جانب آئی مشال ایک ڈیمو ڈرائنگ کرسی سے لگا لگا کہیں ہسپتال سے کوئی ایمر جنسی کال نہ آگئی ہو یہی سوچ کر اس نے تیزی سے اپنے موبائل پر آئی مس کال کو دیکھا تو سالار کا نام دیکھ کر چو گئی۔

”یہ سالار مجھے کیوں فون کر رہا ہے۔“ وہ ابھی اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ یک دم دوبارہ سے سالار کی کال آنے لگی مشال نے خود کو کپڑا اور لیس کا بن دیا۔

”ہاں بولیں سالار کوئی کام تھا کیا؟“ وہ اپنے لہجے کو سرسری سا بناتے ہوئے بولی جب ہی سالار کے ادا کیے گئے جملے سخت طیش میں مبتلا کر گئے۔

”مشال ہم نے اچھے دوستوں کی طرح اس رشتے کو باہمی رضامندی سے ختم کیا تھا تا تو پھر تم علیحدہ کو کیوں برا بھلا کہہ رہی ہو اسے پریشان کر رہی ہو۔“

”آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے میں بھلا علیحدہ کو کیوں پریشان کرنے لگی؟“

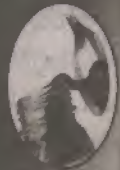
”تو پھر آئی علیحدہ کو کیوں ڈانٹ ڈپٹ کر رہی ہیں وہ بے چاری اتنی ہرٹ ہو رہی ہیں۔“ سالار اس کی بات پر بے اعتبار انداز میں بولا تو مشال نے بھی تمام لحاظ و مروت کو بالائے طاق رکھ کر اس کی طبیعت صاف کرنے کا فیصلہ کیا۔

”مسٹر سالار! فریدی ایک بات آپ اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھالیں کہ مجھے آپ ادا آپ کے بے چاری علیحدہ سے کوئی مطلب و واسطہ نہیں اور نہ مجھے آپ دونوں کے رشتے سے کوئی افسوس یا غصہ ہے لہذا آپ دونوں اس خوش فہمی سے باہر نکل آئیں کہ مشال احمد کوئی تم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے آپ نے منگنی توڑی اور میری بہن کو پسند کر کے اسے

اشرف لیبز اور لیبز

کنول

نزلہ، زکام اور کھانسی سے
تحفظ بھی علاج بھی



مکمل سکون
لوگ سپورٹ



041-8847601-2 Fax: 041-8847607
info@ashraflabs.com www.ashraflabs.com

وہ کرسی پر بیٹھے ورق بینی میں مصروف تھے جب ہی عشرت خانم بیڈ کی چادر درست کرتے ہوئے انہیں دیکھ کر گویا ہوئیں۔

”اگر یہ آپ نے اچھا نہیں کیا“ آپ کو علیحدہ کی بات نہیں مانی چاہیے تھی آپ کو کم از کم یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ اس فیصلے سے مثال کے دل پر کیا گزرے گی؟“

”عشرت تم اس بات کو بار بار کیوں دہراتی ہو؟ اگر میں علیحدہ کی بات ماننے سے انکاری ہو جاتا تو اس پر کیا گزرتی؟ اس بات کا بھی احساس ہونا چاہیے تم کو۔“ اصرار علی خان کتاب سے لگا نہیں ہٹائے بغیر کافی چڑ کر بولے تو عشرت خانم سہولت سے چلتی ہوئی ان کی مقابل کرسی پر بیٹھ کر بولیں۔

”مثال آپ کی اپنی بیٹی ہے آپ کا اپنا خون آپ کی پہلی اولاد آپ کی عفت خانم کا دوسرا وجود۔“

اس بار اصرار علی خان نے کتاب سے نگاہ اٹھا کر انہیں ساٹ نظر دے دیکھا پھر زور سے کتاب بند کر کے اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

”یہ باتیں میں پہلے سے جانتا ہوں تم کو بتانے کی کیا یاد دلانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔“

”مگر شاید آپ یہ چیز ہر بار بھول جاتے ہیں کہ مثال آپ کی اس بیوی کی بیٹی ہے جس کو آپ خود سے بھی زیادہ چاہتے تھے اور.....!“

”ہاں سبکی بات تو میں بھول نہیں سکتا کہ مثال میری اس عزیز از جان ہستی کی اولاد ہے جس کے آنے سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے ہر ناطہ تو ذکر بہت دور چلی گئی۔“

اصرار علی خان کٹیلتے انداز اور سخت لہجے میں عشرت خانم کی بات درمیان میں ہی ایک کر بولے تو بے ساختہ عشرت خانم سر تھام کر رہ گئیں کتنی کوشش کی تھی انہوں نے اس بات کو اصرار کے دل و دماغ سے نکلنے کی انہیں یہ سمجھانے کی کہ موت برحق ہے کوئی نفس اس سے بچ ہی نہیں سکتا اور یہ کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا یہ ایمان ہے کہ موت صرف اللہ کے حکم سے آتی ہے انسان چٹنی سانسیں لکھوا کر دنیا میں آتا

ہے وہ اتنی ہی سانسیں دنیا میں پوری کرتا ہے دراصل عفت خانم ان کی بڑی بہن تھیں جو اپنے ماموں زاد اصرار سے کم عمری میں ہی منسوب تھیں اصرار عفت کو دل و جان سے چاہتے تھے اور ان کی تمام بے قرار یوں اور بے تاب یوں کی گواہ عشرت خانم تھیں وہ اصرار علی خان کو خوب چھیڑتی تھیں پھر جب دونوں شادی جیسے خوب صورت بندھن میں بندھے تو ان کی محبت اور زیادہ پختہ اور مستحکم ہو گئی اور جب قدرت نے انہیں ایک پھول کے آنے کا عندیہ دیا تو گویا دونوں کی خوشیوں کا جیسے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا مگر تقدیر تو کچھ اور ہی رقم کیے بیٹھی تھی عین ڈیلیوری کے وقت سنگین پیچیدگیوں کی وجہ سے ماں اور بچے دونوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں اصرار علی خان ڈاکٹر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولے کہ ان کی زندگی عفت خانم کو کسی بھی طور بچائیں مگر شاید ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ وہ چاندی بیٹی کو جنم دے کر دار فانی سے کوچ کر گئیں اصرار علی کی حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی انہوں نے چھ ماہ تک اپنی بیٹی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی جسے عشرت خانم نے اپنے کلیجے سے لگا لیا تھا جو ان کے پاس ہی پل بڑھ رہی تھی۔ جب مثال ایک سال کی ہوئی تو گھر والوں نے مثال اور عشرت خانم کے بے پناہ جذباتی لگاؤ کو دیکھ کر اصرار سے عشرت خانم کو یہاں سے کافصل کیا جسے دونوں نے ہی خاموشی سے قبول کر لیا۔ وہ اصرار علی خان کی بیوی بن کر مثال سمیت ان کے گھر آ گئیں اور اگلے سال ان کی گود میں علیحدہ لے آ کر لکھوئی اصرار علی خان نے اپنی پدرانہ شفقت علیحدہ پر بے دریغ لٹائی وہ ان کی آنکھ کا تار اگھی جبکہ مثال سے ان کا سلوک انتہائی اجنبیوں جیسا لے گا نہ اور سر تھا یہ بات ان کے دل و دماغ میں شے گاؤ کر بیٹھ گئی تھی کہ اگر مثال کی دنیا میں آمد نہیں ہوتی تو آج عفت خانم زندہ ہوتیں ان کے ساتھ ہوتیں صرف مثال کے وجود کی وجہ سے عفت نے زندگی سے تعلق توڑا تھا۔

”تم ان فضولیات کو چھوڑو اور اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں دھیان دو جو دو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کی شادی میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی رہے۔“ اصرار علی خان کی آواز نے انہیں کسی گہری سوچ سے جو لگایا۔

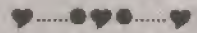
”آپ کی دوسری بیٹی یہاں سے جارہی ہے ایبٹ آباد کے کسی گاؤں میں چھوٹی سی ڈسپنری ہے جو اس کے پروفیسر چلا رہے ہیں انہیں اپنے گاؤں میں کچھ ڈاکٹر ز کی ضرورت تھی مثال سے کہا تو وہ وہاں جانے کو تیار ہو گئی۔“

عشرت خانم بغور احمد علی خان کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی انہیں لگا کہ شاید یہ خیران کے سپاہیوں پر کچھ اثر انداز ہو جائے مگر انہیں سخت ماموں کا سامنا کرنا پڑا جب احمد صاحب نازل لہجے میں بولے۔

”ہاں ٹھیک ہے چلی جائے۔“

”وہ علیہ کی شادی سے پہلے ہی جارہی ہے احمد۔“ انہوں نے ایک بار پھر کمزوری کوشش کی کہ شاید باپ بیٹی کو روک لے مگر بے سود۔

”یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ وہ کندھے اچکا کر بولے اور پھر اپنے بیڑے آرام کرنے کی غرض سے اٹھ کر چلے گئے۔ عشرت بیگم خاموشی سے صرف انہیں دیکھتی رہ گئیں۔



”نف اللہ سالار میرا تو ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا کوئی اتنا بھی بے خوف ہو سکتا ہے۔“ وہاں کی جانب آئی تو علیہ کی ہنسی سے بھر پورا داز اس کی سماعت سے گزر گئی اس وقت علیہ سالار کے ہمراہ وہیں براجمان تھی جبکہ امی چائے کی ٹرائی کی جانب متوجہ تھیں۔ مثال نے ایک سرسری سلام کیا اور جواب کا انتظار کیے بنا امی کی جانب متوجہ ہوئی۔

”میں ہسپتال جارہی ہوں امی آج میری نائٹ ہے صبح ان شاء اللہ جاؤں گی۔“

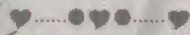
”مثال بیٹا ایک کپ چائے تو پیتی جاؤ۔“ امی محبت بھرے لہجے میں بولی جب ہی سالار نے علیہ کو مخاطب کیا۔

”تم جیلری وغیرہ بھی جلدی ڈیساؤ کر لو اچھا ہے وقت سے پہلے کام ہو جائیں۔“ سالار کی بات پر عشرت خانم خوشحالہ غنیف سی ہو گئیں جبکہ بیچ اور دانت دنگ کے سادے سے سوٹ میں دائٹ کوٹ پہنے مثال نے اپنی ماں کی

کیفیت کوٹ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”اچھا امی جلدی سے بناویں۔“ مثال علیہ سے کچھ فاصلے پر صوفے پر بیٹھی تو چائے کی پیالی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے عشرت خانم نے بے اختیار مثال اور پھر علیہ کی جانب دیکھا اس وقت علیہ بلیک فینٹک کی چیز میں لٹی ٹکر کی ڈبیلی ڈھالی ٹرٹ پہنے چہرے پر میک اپ کیے بہت خوب صورت لگ رہی تھی جبکہ انتہائی سادہ سے شلوار سوٹ میں بالوں کی چوٹی بنائے دھلے دھلائے چہرے سمیت مثال میک اپ کے نام پر آنکھوں میں کامل لگائے انتہائی دلکش و لفریب اور معصوم لگ رہی تھی۔

”سالار آج رات کی پارٹی میں نہیں کیا ڈریس اپ کروں تم پلیز میری ہیلپ کرو میں نے کچھ نئے ڈریسز لیے ہیں تمہیں دکھانی ہوں۔“ یہ کہہ کر علیہ وہاں سے اٹھی تو سالار نے سائیڈ کالرز میں رکھے میگزین کو اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ مثال نے خاموشی سے چائے کا کپ ختم کیا اور پھر عشرت خانم کو ”اللہ حافظ“ کہہ کر باہر نکل گئی جبکہ سالار اس کے جانے ہی میگزین اپنی جگہ پر رکھ کر عشرت خانم کی جانب متوجہ ہو گیا۔



مثال نے پوری طرح سے اپنی پینک مکمل کر لی تھی پروفیسر صلاح الدین اس کے کالج میں مثال کو پڑھاتے تھے ان کا تعلق ایبٹ آباد کے کسی گاؤں سے تھا جب تعلیم سے فارغ ہو کر مثال نے ایک مقامی ہسپتال میں جاب شروع کی تو پروفیسر صلاح الدین نے اسے اپنے گاؤں کی ڈسپنری میں بطور ڈاکٹر تعینات ہونے کی آفر کی اس وقت تو اس نے انہیں سہولت سے انکار کر دیا تھا مگر اب وہ خود بھی راہ فرار چاہ رہی تھی پروفیسر صاحب کی عراب کافی ہو چکی تھی لہذا انہوں نے کالج کی جاب کو خیر باد کہا اور اپنے آبائی گاؤں کی ڈسپنری میں خدمات انجام دینے لگے جب مثال نے خود ان سے وہاں آنے کو کہا تو وہ بے تحاشا خوش ہو گئے۔

”مثال بیٹا یہ تو بہت اچھی خبر ہے یہاں لوگوں کو علاج کی سہولتیں اتنی آسانی سے میسر نہیں میرے ساتھ ڈاکٹر

راجل کام کر رہے ہیں مگر بطور لیڈی ڈاکٹر تم یہاں آ جاؤ گی تو عورتوں کو علاج معالجہ کی سہولت فراہم ہو جائے گی۔“

”سر ہاں میری رہائش کا بندوبست تو ہو جائے گا نا۔“ مثال ان سے استفادہ کرتے ہوئے بولی۔

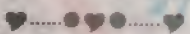
”ارے بیٹا تم اس کی بالکل فکر مت کرو یہاں میرا گیٹ ہاؤس ہے تم آرام سے یہاں رہو گی کسی بھی چیز کی ضرورت تمہیں ہوگی تو تم مجھ سے کہہ دینا۔“ پروفیسر صلاح الدین اسے اطمینان دلاتے ہوئے شفقت سے بولے تو مثال ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی۔

”ٹھیک ہے سر میں اگلے مہینے وہاں پہنچ رہی ہوں۔“

”پوسٹ ونگم بیٹا تم مجھے دن اور نام بتا دینا میرا ڈرائیور تمہیں پک کر لے گا۔ تم ڈائریکٹ ایبٹ آباد پہنچو گی؟“ آخر میں پروفیسر صاحب استفہامیہ لہجے میں گویا ہوئے تو مثال سہولت سے بولی۔

”نہیں سر میں یہاں سے اسلام آباد جاؤں گی وہاں میرے ماموں رہتے ہیں پھر ان کے بیٹے کے ساتھ باقی روڈ وہاں پہنچو گی۔“

”او کہ بیٹا جیسے تمہاری مرضی مجھے تمہارا انتظار رہے گا۔“ پروفیسر صاحب کی بات پر اس نے ان سے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔



مثال کے جاتے وقت بار بار عشرت خانم کی آنکھیں ہلکے ہلکے جاری تھیں اور مثال ان کو دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ بھلا کوئی سوتیلی ماں بھی اتنا پیار کر سکتی ہے جیسے وہ ان کی عزیز از جان بہن کی بیٹی تھی مگر اپنے شوہر کی پہلی بیوی کی بھی تو اولاد تھی نہ جانے کس مٹی کی بیٹی ہوئی تھیں عشرت خانم نہ انہیں عفت خانم سے کوئی حسد محسوس ہوتا اور نہ ہی مثال سے انہیں پر خاش تھی وہ تو علیہ سے زیادہ اس سے محبت کرتی تھیں جس پر علیہ ان سے سخت ٹالنا دیتی تھی۔

”مثال اگر تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے کوئی بھی پریشانی یا مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دینا بیٹا۔“ عشرت خانم بار بار اسی بات کی تاکید کر رہی تھیں مثال ان کی بے

قراری دیکھ کر مسکرا دی۔

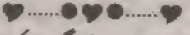
”آپ کیوں فکر کرتی ہیں امی میں کوئی بچی تو نہیں ہوں نا اور پھر کون سا سات سمندر پار جارہی ہوں۔“ وہ زخمی سے ان کے دھڑوں بازوؤں کو تھامتے ہوئے انہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

”میں ماں ہوں بیٹا اولاد چاہے کتنی ہی بڑی اور بھدرا رہی کیوں نہ ہو جائے ماں کا دل ہمہ وقت اپنے بچوں کی فکر و خیال میں الجھا رہتا ہے۔“

”امی میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ جیسی ماں ملی۔“ مثال ان کے سامنے دوڑا نو بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ کو تھام کر محبت بھرے لہجے میں بولی تو عشرت جہاں نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔

”میں بھی تو کتنی خوش نصیب ہوں جسے تم جیسی پیاری بیٹی ملی ہے۔“ پھر دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دینے لگی علیہ اندر داخل ہوئی بھی جانے کیوں یہ منظر اس کے اندر جیسے آگ سا لگا گیا تھا اسے لگتا تھا کہ مثال نے اس کی ماں پر جیسے قبضہ کیا ہوا ہے علیہ نے جب سے ہوش سنبھالا اور اسے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ مثال اس کی سگی بہن نہیں ہے وہ مثال سے بچھڑ گئی جب بھی وہ اپنی ماں کو مثال پر اپنی متا اور توجہ دینا لٹائی دیکھتی تو مثال سے بری طرح چڑ جاتی اس نے آج تک مثال کو اپنی بڑی بہن تسلیم نہیں کیا تھا۔

”آپ اس کام سے فارغ ہو جائیں تو ذرا صالحتی کا فون سن لیجیے وہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ علیہ مثال کو جھپتی ہوئی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کافی ناگواری سے بولی تو عشرت خانم ”میں ابھی آئی“ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں جبکہ علیہ بھی ایک نگاہ غلط مثال پر ڈال کر وہاں سے پلٹ گئی۔



مثال اسلام آباد ماموں کے گھر آئی تو وہاں اس کا پرتیا کہ استقبال کیا گیا وہ کافی سالوں بعد یہاں آئی تھی میڈیکل کی لٹ پڑھائی کی وجہ سے وہ زیادہ آتی جاتی نہیں

ہوں۔“ وہ بچہ مثال کو دیکھ کر اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا کر بولا تو بے اختیار مثال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے بھی ہاتھ بڑھا کر ہاتھ ساتھ ہونے سے تمام لیا۔

”آئی ایم مثال..... ڈاکٹر مثال۔“ خضر ایمان کی سماعت سے سنوائی آواز نگرانی تو وہ متوجہ سا ہو کر تھوڑا قریب آیا مثال اب پوری طرح اس کی نگاہوں کی گرفت میں آ گئی تھی۔ آف وائنٹ ڈھیل ڈھالی کرتی پر عنابی ٹراؤز پہنے جب کہ عنابی بی مثال اوڑھے وہ اسے یہاں کی مقامی ہرگز نہیں لگی۔

”کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں رہتی ہیں اور آپ کے کتنے بے بی ہیں؟“ عالیشان کے سوالات پر مثال کو بے اختیار ہنسی آ گئی وہ ہل کر ہنسی ابھی تک اس کی نگاہ خضر ایمان پر نہیں پڑی تھی۔

”میں اسی گیسٹ ہاؤس میں رہتی ہوں اور میرے بے بی نہیں ہیں۔“ وہ گیسٹ ہاؤس کی جانب اشارہ کر کے خوش گواری سے بولی تو عالیشان ایک دم بے پناہ پریشان ہو گیا۔

”کیوں آپ کے بے بی کیوں نہیں ہیں؟“ عالیشان کے سوال پر مثال نے شپٹا کر چونکی نگاہیں دوسری جانب اٹھائیں تو انتہائی گریس فیل سے شخص کو خود پر نگاہیں مرکوز کیے پایا آدمی خضر ایمان کی جانب متوجہ ہوا۔

”عالیشان چلیے اب گھر چلیے“ دادی آپ کا دہکتا کر رہی ہوں گی۔“

”تو تو میں گھر نہیں جاؤں گا۔“ وہ ضدی انداز میں سر زور زور سے نفی میں ہلا کر بولا۔

”تم بہت بدتمیز ہو گئے ہو عالیشان! اب میں تمہاری پٹائی کردوں گا سمجھے۔“ خضر ایمان عاجز سا ہو گیا تھا وہ غصے میں بولتا چونکی عالیشان کی جانب بڑھا تو عالیشان جلدی سے لپک کر مثال کی گود میں بیٹھ گیا۔

مثال کو عالیشان کی اس ادا پر بے تحاشا پیار آیا اس نے بے اختیار چٹاچٹ اس کے سیب جیسے سرخ گالوں کو چوم ڈالا جبکہ اس عمل کو خضر ایمان نے خاصی ناگواری سے دیکھا۔

”عالیشان میں نے آپ کو کتنی دفعہ سمجھا ہے کہ اس طرح

انجلی لوگوں کے پاس نہیں جاتے۔“ نجانے کیوں مثال خضر کی بات کافی بری لگی۔

”کیوں کیا میں آپ کو شکل سے بچے چرانے والی لگتی ہوں۔“

”کسی کے ارادے اور نیت اس کے چہروں پر لکھے نہیں ہوتے۔“ خضر ایمان رکھائی سے عالیشان کا ہاتھ پکڑ کر اسے مثال کی گود سے ایک جھٹکے سے اتارتے ہوئے بولا تو مثال اچھی خاصی سنگ گئی۔

”میں یہاں کی ڈسپنری میں ڈاکٹر ہوں ڈاکٹر مثال اور نام ہے میرا۔“ وہ اپنا تعارف کرواتے ہوئے بولی۔

”کو تو پھر میں کیا کروں؟“ وہ کندھے اچکا کر اسے روڈ انداز میں بولا کہ مثال منہ کھولے نصیحت سے دیکھتی رہ گئی باور داہی رنگ کے شلوار سوٹ میں شانے پر براؤن مردانہ مثال ڈالے وہ اسے خاصا مغرور اور بددماغ لگا۔

”آپ تو کافی بداخلاق معلوم ہو رہے ہیں۔“ وہ سینے پر دونوں بازوؤں کو باندھتے ہوئے طنز یہ لہجے میں بولی۔

”آپ کا ہاتھ پر دیر سرج کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔“ خضر اپنی براؤن آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالتا ہوا بولا تو مثال اچھڑپٹا پڑے لیے گزری آئی تھی۔

”میں کیوں آپ پر سرج کرنے لگی مجھے کوئی اور کام نہیں ہے کیا۔“

”تو ٹھیک ہے کیجیے اپنا کام۔“ یہ کہہ کر وہ عالیشان کو ایک ہی جست میں اپنی گود میں بھر کر وہاں سے پلٹا چپ کے مثال ہوائی سی وہیں کھڑی اس کے انداز پر غور کرتی رہ گئی پھر دحرف بھیج کر وہ بارہ کرسی پر بیٹھ کر میگزین مینی کرنے لگی۔



وہ صبح سے ہی ڈسپنری میں مصروف تھی تھوڑی سی فرصت میسر آئی تو وہ کرسی پر سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ کسی کے قدموں کی آواز پر بے ساختہ اس نے آنکھیں کھولیں سامنے ہی عالیشان کھڑا اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا مثال کو اسے دیکھ کر انجلی سی خوشی ہوئی۔

”اے عالیشان بیٹا آپ یہاں کیسے آ گئے؟“

”میں خان بابا کے ساتھ آیا ہوں آنکھیلی آپ سے ملنے چاہتا تھا۔“ وہ بھولپن سے بولا تو مثال کو اس پر ڈھیروں پیارا گیا مثال نے اسے اپنے پاس بلایا اور گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو بیٹا آپ کو اپنے پاپا کو خفا نہیں کرنا چاہیے تھا نا۔“

”مگر مجھے آپ سے ملنے کا دل چاہ رہا تھا آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں تاہیں آپ کو اپنی Birds دکھاؤں گا اور میرے پاس بہت سارے بہت اچھے اچھے toys بھی ہیں۔“ عالیشان مثال کی جانب رخ موڑ کر بولا تو مثال مسکرا کر بولی۔

”اگر میں آپ کے گھر چلی جاؤں گی تو یہاں مریضوں کو کون دیکھے گا۔“ مثال کی اس بات پر عالیشان سوچ میں پڑ گیا پھر کچھ دیر بعد خوش ہو کر بولا۔

”ٹھیک ہے میں آپ کا دیکھ کر لیتا ہوں! جب آپ کی چٹھی ہو جائے گی تو پھر ہم ساتھ گھر چلیں گے۔“ مثال اس کی بات پر ہنس دی پھر اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

”آج نہیں جانو میں پھر بھی آپ کے گھر آ جاؤں گی آپ کی Birds اور toys دیکھنے کے لیے۔“ عالیشان مثال کے انکار کرنے پر منہ پھلا کر اس کی گود سے اتر گیا۔

”عالیشان تم خفا ہو گئے مجھ سے۔“

”جی ہاں سخت خفا ہو گیا ہوں! میں آپ سے میں نے دادی دادا اور سب کو بتا دیا تھا کہ میں مثال کو لینے جا رہا ہوں۔“ وہ ناراضگی والے لہجے میں بولا تو مثال اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

”میں آپ کی صرف مثال ہوں! مثال آنٹی نہیں ہوں۔“

”نہیں آپ آنٹی نہیں ہیں پاپا کہتے ہیں کہ آنٹی گندی ہوتی ہیں اور آپ بہت اچھی ہیں اس لیے آپ آنٹی نہیں ہیں۔“ وہ اسے بڑوں کی طرح سمجھاتے ہوئے بولا تو مثال نے اسے مخلوط کن نگاہوں سے دیکھا ابھی وہ مزید کچھ بولتی کہ آدمی خضر کی ٹھہریں آواز کرنے میں لگی۔

”عالیشان میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ یہاں نہیں آنا“

مگر تم نے میری بات نہیں مانی! بہت خمدی ہو گئے ہو تم۔“ خضر کی سخت سرزنش پر عالیشان سہم گیا۔ مثال کو بے اختیار اس بددماغ سر پرچے شخص پر غصا آ گیا۔

”عالیشان جھوٹا ہے آپ اس سے نرمی سے بھی بات کر سکتے ہیں۔“

”میں عالیشان کا باپ ہوں! مجھے معلوم ہے کہ اپنے بیٹے سے کس طرح بات کرنی ہے براہ مہربانی آپ مدخلت سے پرہیز کریں۔“ وہ هنوز انداز میں بولا تو مثال بھی پوری طرح میدان میں اتر آئی۔

”حیرت ہے کہ ایک بچے کا باپ ہو کر بھی آپ کو بچہ کی نفسیات نہیں معلوم کہ بچوں کو کس طرح بینڈل کیا جاتا ہے؟ یہ تو آپ کا تائی نہیں ہے۔“

”اچھا تو اب آپ مجھے بچوں کی نفسیات کی بابت سکھائیں گی۔“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا تو مثال نے اترنے والے انداز میں کہا۔

”فی الحال میرا ایسا موڈ نہیں۔“

”ہوں خود پر بہت زعم ہے آپ کو۔“ بلیک شلوار کرتے پر آف وائنٹ شل کاندھے میں ڈالے آنکھوں پر فرم لیس گلاسز پہنے گھٹی مونچھوں تلے عنابی لبوں کو بھیج کر وہ اپنے دونوں بازوؤں کو سینے پر باندھتے ہوئے اسے سترا نہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”زعم نہیں ہے یقین ہے اپنے آپ پر۔“ وہ بھی خود اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی جبکہ عالیشان بڑی دلچسپی سے دونوں کی ٹوک جھونک ملاحظہ کر رہا تھا۔

”ادھیہ کافی پرانا طریقہ ہے دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کا۔“ وہ برا سامنے بنا کر بولا مثال نے پہلے اسے ناگہی والے انداز میں دیکھا پھر بات اس کی سمجھ میں آئی تو گویا اس کے تلوے پر لگی اور سر پر تھمسی.....!

”کیا..... کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ کی اسٹوڈنٹ سی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ ڈیپ ریڈ کلر کے گرم شلوار سوٹ پر کای گرین شال اوڑھے غصے سے لال

بھسکا چہرہ لیے وہ اپنی شہادت کی انگلی اس کی جانب اٹھاتے ہوئے تھمرا کر بولی اس بل خضر ایمان نے اسے کافی گہری نگاہوں سے دیکھا پھر اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر عالیاں کو اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا۔“

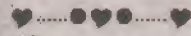
”مگر آپ کا مطلب تو یہی تھا۔“ مشال میز پر ہاتھ مارتے ہوئے غیث سے بولی۔

”آپ خواہوا میں جذباتی ہو رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ۔“
”اوہ میں جذباتی ہو رہی ہوں آپ کی اتنی فضول سی بات پر مجھے تو ہنسنا مسکراتا چاہیے نا۔“ مشال خضر کی بات پر طنزیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”تو آپ واقعی ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہی تھیں۔“ خضر اسے جان بوجھ کر چڑانے کی غرض سے بولا مشال کا تھمنا تا انداز اسے بے حد محفوظ کر رہا تھا وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا سخت پرالگا۔ مشال عالیاں سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی۔
”بیٹا تم اپنے پاپا کا علاج کرواؤ یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔“ اس بات پر عالیاں گردن موڑ کر خضر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”پاپا آپ مشال کے ساتھ لڑائی کر میں ورنہ یہ آپ کو انجکشن لگا دیں گی۔“ اپنے تئیں اس نے خضر کو ڈرایا۔
خضر کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس میں مسکراتا ہوا خضر بہت پیارا اور معصوم سا لگا بالکل عالیاں کی طرح۔ مشال غیر ارادی طور پر اسے مسکراتا دیکھے گی جبکہ اسی بل اچانک خضر نے اس کی جانب دیکھ کر اسے بری طرح خفیف کر دیا۔ شکر ہوا کہ چہرہ اسی نے کسی مریض کے آنے کی خبر دی۔

”اوکے عالیاں بیٹا اب آپ گھر جاؤ کوئی مریض آیا ہے مجھے اس کو چیک کرنا ہے۔“ مشال عالیاں سے مخاطب ہو کر بولی تو عالیاں فرماں برداری سے ”اوکے“ کہہ کر خضر کے ہمراہ باہر نکل گیا اسی دم ایک خاتون چھوٹے سے بچے کے ہمراہ اندر آئی تو اس نے اپنی تمام تر توجہ اس کی جانب مرکوز کر دی۔



دوسرے دن عالیاں پھر آدھکا آج چھٹی ہونے کے سبب وہ گیسٹ ہاؤس کے قریب ہی بنی چھوٹی سی مصنوعی جھیل کے پاس چہل قدمی میں مصروف تھی فضا سے دھوپ کی روشن چمک دار چادر ہولے ہولے سرک رہی تھی۔ جبکہ سالونی پر کش شام در پر کھڑی آسمان پر چھانے کی منتظر تھی عالیاں کو سامنے دیکھ کر وہ ہمیشہ کی طرح خوش ہوئی۔

”پتہ ہے مشال آج پاپا نے مجھ سے خود کہا کہ اگر تمہیں اپنی فریڈ سے ملنا ہے تو میں تمہیں لے کر چلتا ہوں۔“
”اچھا یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو۔“ مشال اس کی پیاری سی ناک کو کھینچ کر بولی پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائیں مگر خضر اسے کہیں دکھائی نہیں دیا۔

”بیٹا آپ اکیلے تو نہیں آگئے؟ آپ کے پاپا کہاں ہیں؟“ وہ قدرے پریشان سی ہو کر پوچھنے لگی۔
”نہیں مشال پاپا کو اس طرف اپنے کوئی دوست مل گئے ہیں وہ ان سے باتیں کر رہے ہیں ہم نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تھا اس لیے میں یہاں آ گیا۔“ عالیاں دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا تو مشال مطمئن سی ہو گئی پھر کافی دیر وہ دونوں باتیں کرتے رہے عالیاں ایک سمجھدار بچہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت معصوم اور بھولا تھا۔

”عالیاں تم نے مجھے سب کے بارے میں بتایا دادا دادی پچھڑانی خالہ مگر اپنی ماما کے متعلق تو کوئی بات نہیں کی۔“ مشال اس سے یونہی پوچھ رہی تھی اس سے پہلے کہ عالیاں کوئی جواب دیتا عقب سے خضر کی آواز ابھری۔

”میرے خیال میں عالیاں آج کے لیے اتنا کافی ہے اب گھر چلو ورنہ بھی سردی بڑھ رہی ہے۔ دادی بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔“

”مشال آپ پلیز ہمارے ساتھ گھر چلیں نا۔“ عالیاں خضر کی بات سن کر اس کی جانب متوجہ ہو کر منت آمیز لہجے میں بولا۔

”آج نہیں فریڈ پھر کسی اور دن۔“ وہ اسے پیار کرتے

ہوئے بولی تو خلاف توقع وہ جلد مان گیا۔
”اوکے۔“

”عالیاں بیٹا گاؤن کی طرف خان بابا کھڑے ہیں تم ان کے ساتھ گھر جاؤ پاپا کو کچھ کام ہیں وہ تھوڑی دیر بعد گھر آتے ہیں۔“ خضر نے پچھلا لگ پر کھڑے ایک معمر سے شخص کی جانب اشارہ کیا تو وہ ”اوکے“ بول کر اور مشال کو ”پاپے“ کر کے وہاں سے چلا گیا جب ہی خضر مشال کی جانب متوجہ ہوا۔

”دیکھیے ڈاکٹر صاحبہ عالیاں میرا اکلوتا بیٹا ہے اور مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ کی ذات سے اسے کوئی تکلیف پہنچے اور وہ ہرٹ ہو جائے اس لیے بہتر ہے کہ آپ اس سے ٹھٹھکے ملنے کی کوشش مت کریں۔“

”جی..... یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں میری ذات سے عالیاں کو تکلیف کیوں پہنچے گی؟“ وہ قدرے حیرت میں گھر کر خاصی ناگواری سے بولی تو خضر ایک گہری سانس کھینچ کر اسے پرسوج نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

”دیکھئے آپ یہاں دوسرے شہر سے بطور لیڈی ڈاکٹر آئی ہیں کل کلاں کو واپس اپنے گھر ڈھیر چلی جائیں گی عالیاں بہت حساس اور معصوم ہے اگر وہ آپ سے ایجنڈ ہو گیا تو آپ کے جانے پر وہ بہت زیادہ ہرٹ ہوگا اور پھر ہمیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔“ پہلی بار خضر اس کے ساتھ نرم لہجے میں بات کر رہا تھا۔ مشال سوچ میں پڑ گئی قدرے توقف کے بعد وہ بولی۔

”آپ کی بات ٹھیک ہے میں یہاں ہمیشہ کے لیے تو نہیں آئی ہوں مگر عالیاں کو میں کیسے روک سکتی ہوں وہ اتنے پیار و محبت سے مجھ سے ملتا ہے۔“

”اب اگلی بار آئے تو آپ اسے ڈانٹ دیجیے گا۔“ خضر کی بات پر وہ جڑی۔

”آپ بھی کمال کرتے ہیں میں عالیاں کو بنام کسی قصور کے کیسے ڈانٹ سکتی ہوں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولی تو خضر نے اسے گہری نگاہوں سے

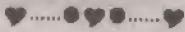
دیکھا پھر حکمیر لہجے میں گویا ہوا۔

”آپ اس کو ڈانٹنے کی بھی اور اپنی فریڈ شپ بھی ختم کریں گی.....؟“ مشال خضر کے دھولے بھرے انداز پر تھمرا کر رہ گئی۔

”عجیب آدمی ہیں آپ کہیں کے تھاندار ہیں آپ جو اس قدر رعب سے مجھ پر حکم چلا رہے ہیں اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ عالیاں مجھ سے نہ ملے تو آپ ہی اسے روکنے کا طریقہ نکالیں میرے کندھے پر بندوق رکھ کر کیوں چلا رہے ہیں۔“ مشال کے رکھائی سے کہنے پر خضر کچھ کہتے کہتے رکا پھر لب بلیج کر وہاں سے پلٹ کر چلا گیا جب کہ مشال وہیں کھڑی خضر کے روپے پر غور کرتی رہ گئی۔



پھر بہت سے دن ایک دوسرے کے تعاقب میں آگے پیچھے نکلنے چلے گئے سردیاں ان دنوں پوری طرح اپنی جوہن پر تھیں جنہیں مشال بہت انجوائے کر رہی تھی مشال کو ہمیشہ سے سردیوں کا موسم بہت پسند تھا کافی دنوں سے عالیاں اس سے ملنے نہیں آیا تھا وہ اسے بہت مس کر رہی تھی ایک دن وہ پروفیسر صلاح الدین کے گھر ڈنر رہ گئی تو ان کی فیملی سے باتوں کے دوران وہ عالیاں کا تذکرہ کر بیٹھی جب ہی پروفیسر صاحب نے بتایا کہ عالیاں یہاں کے زمیندار ایمان دلاؤیز کا پوتا ہے جب کہ خضر ایمان ان کا بیٹا ہے جو کراچی میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے D.C آفیسر تعینات ہے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ خضر ایمان کی شادی چھ سال پہلے اس کی کزن انعم سے ہوئی تھی جو عالیاں کی پیدائش کے دوران کچھ بچیدگیوں کی بدولت جاتہ نہیں رہ گئی تھی عالیاں اپنے دادا دادی کے ہمراہ رہتا ہے جبکہ خضر اکثر و بیشتر چھڑیاں لے کر اس کے پاس یہاں چلا آتا ہے خضر کی دہائیں بھی تھیں جو شادی ہو کر بیرون ممالک میں مقیم ہیں مشال کو عالیاں کے بن مال کا ہونے پر بے حد فاسوس ہے۔ شاید اسی لیے وہ اس سے اتنا ایجنڈ ہو گیا ہے اور اس بات کو لے کر خضر پریشان ہو رہا تھا مشال نے یہ سب جان کر سوچا۔



freedom to live happily!



A-17/B, S.I.T.E Karachi-75700, Pakistan Ph. 2560911-13, Fax #: (92-21) 2542570-2560911 e-mail: freedom@pco.com

”داوی یہ ہے مشال میری بیسٹ فرینڈ۔“ عالیاں کی بات پر ان خاتون نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا پھر ان ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ خضر اس وقت بخار میں مبتلا ہے وہ ان کی معیت میں اس کے کمرے میں آئی، خضر اس وقت بالکل بے سادہ تھا مشال نے اپنے پرفیشنل انداز میں اس کا اچھی طرح چیک اپ کیا پھر انجکشن تیار کر کے اس کے بازو میں لگایا جبکہ مسز ایمان دلاؤین کو خضر کے ماتھے پر ٹھنڈی پٹیاں رکھنے اور ضروری ہدایات و ادویات ان کے حوالے کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”اگر ان سب کے باوجود ان کا بخار نہیں اترتا تو پھر آپ مجھے کال کر لیجئے گا۔“ وہ سہولت سے بولی تو مسز ایمان دلاؤین اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے پرفینک لہجے میں بولیں۔

”بہت پیاری بیٹی ہو تم۔“ پھر بعد اصرار انہوں نے اسے کافی پر رونا اور گھٹکوں کے دوران خضر کے حوالے سے انہوں نے بہت ساری باتیں شیئر کیں، مشال وہاں کافی دیر بیٹھی رہی گھر آ کر بھی اس کی سوچیں خضر ایمان کے ارد گرد گھومتی رہیں۔

اگلے دن مشال خضر کا دوبارہ چیک اپ کر رہی تھی۔

”مسٹر خضر آپ کا بی بی کچھ بڑھا ہوا ہے میں فی الحال آپ کو دوا دیتی ہوں مگر دن میں دوبارہ آپ اپنا بلڈ پریشر ضرور چیک کروالیں گے گا۔“ مشال بلڈ پریشر کا آلہ واپس ڈبے میں رکھتے ہوئے بولی تو خضر نے محض اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا اس کا بخار اتر چکا تھا البتہ تھوڑی کمزوری باقی تھی۔

”مشال بیٹا خضر اب ٹھیک تو ہے نا؟“ مسز ایمان قدرے پریشان سی ہو کر بولیں۔

”جی آئی یہ اب ٹھیک ہیں بس ذرا سردی لگنے سے بخار ہو گیا تھا۔ ان شاء اللہ ایک آدھ دن میں بالکل فٹ ہو جائیں گے۔“ مشال اپنے مخصوص انداز میں بولی تو مسز ایمان ”میں ابھی آتی ہوں“ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں جبکہ مشال اپنے میڈیکل بکس سے میڈیسن تلاش کرنے لگی۔

”ڈاکٹر راجیل کو بھیج دیتیں آپ نے آنے کی زحمت

سلا اور علیحدہ کی شادی بخیر و عافیت انتہائی دھوم دھام سے انجام پائی تھی۔ اس کی فیس بک وال پر ان دونوں کی تصویریں بھری پڑی تھیں ڈیڈی ان تصویروں میں کتنا خوش لگ رہے تھے یہ دیکھ کر مشال بے حد ادا سی ہو گئی۔

”آپ کتنا خوش اور مطمئن لگ رہے ہیں یقیناً آپ کو میری ذرا سی بھی یاد نہیں آئی ہوگی یہ تک خیال نہ آیا ہوگا کہ ایک دوسری بیٹی بھی اس دنیا میں موجود ہے آپ ایسے کیوں ہیں ڈیڈی؟“ وہ اصرار علی خان کی تصویر سے ہم کلام ہو کر شکوہ کناس لہجے میں بولی پھر آہستگی سے آنکھوں میں آنے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی کراہی دم دم بتل جاتی مشال نے بے اختیار گھڑی کی جانب دیکھا جو رات آٹھ بجے کا اعلان کر رہی تھی۔ ایسا تھا وہ اس وقت آدھی رات ہو رہی تھی۔ تھوڑی سی دیر میں ذہن تابی بی بی کر بولی۔

”وہ ڈاکٹر صاحبہ زمیندار صاحب کے گھر سے ان کے ڈرائیور آئے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ حویلی میں کوئی بیمار ہے آپ انہیں جا کر دیکھ لیں۔“ ذہن کے منہ سے یہ پڑ مردہ سن کر وہ اپنا میڈیکل بکس اٹھا کر باہر آئی تو خان بابا کو مختصر پایا۔

”دراصل ڈاکٹر صاحبہ ڈاکٹر راجیل اپنے شہر گیا ہوا ہے لہذا اتنی رات کو ہم نے آپ کو تکلیف دیا اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔“ خان صاحبہ خالص پٹھانی لہجے میں بولے تو مشال ”کوئی بات نہیں“ کہہ کر لیڈ کرور میں بیٹھ گئی تھوڑی سی دیر میں وہ خان بابا کے ہمراہ حویلی میں داخل ہو رہی تھی جب ہی اسے کوئی خیال آیا تو وہ استغماہی انداز میں بولی۔

”خان بابا بیمار کون ہے؟“ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتے عالیاں ”مشال“ کہہ کر تیزی سے اس سے آ کر لپٹ گیا۔

”مائی فرینڈ اتنے دن کہاں تھے تم؟“ وہ بڑی محبت سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی۔

”میں نانی کے گھر گیا تھا وہ بیمار تھیں نا۔“ عالیاں اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا وہ اندر داخل ہوئی تو ایک معمسی گریں فل خاتون سے اس کا سامنا ہوا۔

کیوں کی۔ وہ اپنے مخصوص کمرے لہجے میں بولا تو بے ساختہ مثال کوئی لگائی۔

”کیوں مجھ سے کیا آپ کو الرجی ہے؟ ویسے آپ کی معلومات کے لیے آپ کو بتا دوں کہ ڈاکٹر راجیل چھٹی پر اپنے گھر گئے ہوئے ہیں۔ مثال کی بات پر خضر جو با خاموش رہا آخر وہی رنگ کے شال سوٹ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی اپنے سبکی لائٹ براؤن بالوں کی ہمیشہ کی طرح پونی بنائے وہ اس وقت مکمل طور پر دوائیوں کی جانب متوجہ تھی۔

”آپ یہ پلیز دوائیوں وغیرہ رہنے دیں مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے میں اب ٹھیک ہوں۔“ خضر کے ہنوز روڈ انداز پر مثال نے چونک کر اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

”یقین کیجیے میں آپ کو اسپرٹس کرنے یا اپنی جانب راغب کرنے کی کوئی کوشش نہیں کر رہی میں تو صرف یہاں اپنے گھر سے.....!“ مثال روانی میں بولتے بولتے اچانک رک گئی۔

”آئی مین پروفیسر صلاح الدین کی آفر پر یہاں آئی ہوں۔“ اب کہ وہ قدرے سنبھل کر بولی پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔ ”آپ یہ خدشات پلیز اپنے دل و دماغ سے نکال دیں کہ آپ کی شاندار پرسنٹی اور مضبوط فٹلی بیک گراؤنڈ کو دیکھ کر میں اور لڑکیوں کی طرح آپ کی جانب بڑھوں گی ان ٹیکٹ میں خود بھی ایک برنس میں کی بیٹی ہوں اور میری شخصیت بھی بہت شاندار ہے۔“ آخری بات پر خضر بے ساختہ مسکرایا۔

”کافی اعتماد ہے آپ کو اپنے آپ پر۔“ وہ محظوظ ہو کر بولا۔

”بالکل جناب۔“

”کیا نام ہے آپ کے فادر کا۔“ اس نے پوچھی پوچھ لیا۔

”احمر علی خان۔“ وہ اپنا سامان سیٹتے ہوئے مٹن انداز میں بولی تو خضر چونکا۔

”احمر علی خان۔“ اس نے زیر لب دہرایا پھر مثال کو دیکھا

جوابی نشست سے اٹھ چکی تھی۔

”او کے خضر صاحب آپ اپنا خیال رکھیے گا اور پلیز وہ نام پر لے لیجیے گا۔“ یہ کہہ کر وہ اس کے کمرے سے نکل گئی جبکہ خضر بہت دیر تک اس منفرد اور پیاری لڑکی کے متعلق سوچے گیا۔

.....♥.....♥.....♥.....

اگلی شام کو خضر اس سے ملنے گیسٹ ہاؤس چلا آیا۔ وہ اس کی آمد پر قدرے حیران ہوئی تھی۔

”دراصل میں آپ کو سوری کہنے آیا تھا۔“ مثال خضر کو دیکھ کر محض خاموش رہی۔

”امی نے آپ کو تانیہ اور لیلیٰ کے بارے میں بتایا تھا ان دونوں لڑکیوں نے پہلے عالیان سے دوستی کی اور اس کے ذریعے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کی میں نے صرف عالیان کی خاطر ان کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دو سال پہلے تانیہ ہماری زندگی میں آئی وہ عالیان کی سچھی امی تھیں پہلے عالیان کو اپنا گرویدہ کیا عالیان محض تین سال کا تھا امی ہمارے گھر آئی اور عالیان کا لگاؤ دیکھ کر تانیہ کو میری زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا مگر چند ہی دنوں میں تانیہ کی اہمیت سامنے آ گئی جب اس نے عالیان کو کسی بات پر زور دیا پھر مارا پھر چند ماہ بعد لیلیٰ کی انٹری ہوئی وہ میرے باپ کے دوست کی بھانجی تھی یہاں گھومنے پھرنے آئی تھی۔ عالیان مین ماں کا بچہ ہے وہ ہر لڑکی میں اپنی ماں کو تلاش کرنے لگتا ہے تانیہ کی طرح وہ لیلیٰ سے بھی اٹیچڈ ہو گیا لیلیٰ بھی ہمہ وقت ہر دم اس پر غار ہوتی رہتی یہ سب دیکھتے ہوئے میرے والدین نے اسے پروپونز کر دیا ہماری شادی میں کچھ دن ہی باقی تھے جب لیلیٰ کی اہمیت بھی میرے سامنے آ گئی۔“ مثال خاموش بیٹھی وہ تمام حقائق سن رہی تھی جو وہ خضر کی امی سے اس دن سن چکی تھی۔

”ایک دن میں بتائے لیلیٰ کے گھر پہنچا تو وہ ہنس ہنس کر اپنی کزن کو اپنا کارنامہ سناری بھیجے تک دیکھنے کے لیے اس نے میرے معصوم بیٹے کو سیر می بنایا تھا۔“ اس بلی خضر کا لہجہ ہر خند ہو گیا تھا۔

”خضر صاحب میں یہ سب کچھ جانتی ہوں آپ کی امی نے مجھے اس رات سب کچھ بتا دیا تھا لیکن آپ یقین کیجیے میرا کیا کوئی ارادہ نہیں۔“

”آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔“ وہ عداوت بھرے لہجے میں بولا تو مثال بے ساختہ مسکرائی۔

”پہلے میں آپ کو شرمندہ نہیں کرتی یہ کافی پیچھے پلیز۔“ مثال زینت بی بی کی لائی کافی کے مگ کو اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تو خضر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

”آپ کے والد احمر علی خان میرے اچھے واقف کار ہیں ہماری اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔“

”اچھا۔“ وہ خوش گوار حیرت سے بولی۔

”ابھی کچھ دنوں ان کی بیٹی کی شادی میں میں بھی شریک تھا۔“ خضر جو بات کل سے سوچ رہا تھا وہ زبان پر لے لی آیا مثال کے چہرے کے بدلنے رنگوں کو اس نے بنوود دیکھا۔

”ہوں..... ان کی بیٹی علیہ کی شادی ہوئی تھی۔“ مثال بچھنے بچھنے انداز میں بولی۔

”اگر آپ برائے ماں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے اپنی بہن کی شادی انیڈ کیوں نہیں کی؟“ خضر قدرے جھجک کر بولا مثال کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ اس نے ابھرنے آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

”اُس او کے کوئی بات نہیں۔ میں کل صبح کراچی جا رہا ہوں اگر آپ اپنے گھر کچھ بھیجنا چاہیں تو.....“ وہ موضوع پلٹتے ہوئے بولا جب کہ مثال کو اچانک کچھ یاد آیا اس نے عشرت خانم کے لیے دو گرم سوٹ اور ہاتھی دانت کا بنا خوب صورت سا ڈیکوریشن پیس خریدنا تھا ساتھ میں ایک شال بھی لی تھی۔

”میں نے اپنی امی کے لیے کچھ چیزیں خریدی ہیں اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو.....!“

”اور مجھے تو خوشی ہوگی۔“ وہ اس کی بات درمیان میں ہی اچک کر بولا۔

پھر مثال ”ایک منٹ آئی“ کہہ کر اپنے کمرے میں آئی

اور جلدی سے تمام چیزیں دن کو پیک کر کے ایک پارسل تیار کر کے خضر کے حوالے کر دیا خضر وہ پارسل لے کر وہاں سے چلا گیا۔

.....♥.....♥.....♥.....

دسمبر شروع ہو چکا تھا پورے پاکستان میں سردی کی سوغات نے اپنا ڈیرہ جما لیا تھا ایبٹ آباد میں سخت سردی تھی۔ مثال کی تو بعض اوقات سردی سے حالت غیر ہو جاتی تھی اسے اتنی کڑا کے دوسری کی عادت نہیں تھی عشرت خانم نے کئی بار اسے کراچی آنے کو کہا مگر وہ ٹال گئی دراصل وہ احمر علی خان کی جانب سے بہت دل برداشتہ تھی یہاں آ کر انہوں نے ایک بار بھی اسے فون نہیں کیا تھا۔ فون پر عشرت خانم نے انہیں بتایا تھا کہ خضر ایمان دو تین بار ان کے گھر آ چکا تھا امی نے بھی اسے بتایا کہ وہ علیہ اور سالار کی شادی میں بھی شریک ہوا تھا جبکہ علیہ اور سالار کے درمیان شادی کے پہلے ہی ماہ جھگڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سالار کو شادی سے پہلے علیہ کی وہی خوبیاں جن کی وجہ سے اس نے مثال کو چھوڑا تھا وہی بری لگنے لگی تھیں دوسری طرف علیہ بھی سالار سے انتہائی ناخوش تھی وہ سب کچھ چھوڑ چھاؤ کر گھر واپس آ گئی تھی مگر اس بار حیرت انگیز طور پر ڈیڈی نے علیہ کو کافی ڈانٹا ڈپٹا تھا اور زبردستی اسے سالار کے ہمراہ بھیج دیا تھا اور واضح لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ سالار کی بیوی ہونے کی حیثیت سے سو بار گھر آئے مگر اگر اس نے سالار کو چھوڑ کر اس گھر کی راہ لی تو اسے یہاں کے دروازے بند ملیں گے یہ سب جان کر اسے بے پناہ حیرت ہوئی تھی۔

.....♥.....♥.....♥.....

سخت سردی کی وجہ سے وہ بخاری لپیٹ میں آ گئی تھی پروفیسر صاحب نے اسے میڈیسن وغیرہ دے دی تھیں وہ بے حد ادا اور ڈپرپس ہو رہی تھی اپنا گھر اور ای ڈیڈی اسے بے پناہ یاد آ رہے تھے وہ پوچھتی روتے روتے سو گئی تھی جب ہی اسے اپنے بالوں میں کسی کی انگلیوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی کوئی بہت پیار و نرمی سے اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ مثال نے بے حد گھبرا کر رخ موڑ کر دیکھا تو سامنے

بیشی شخصیت کو دیکھ کر اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔
 ”ڈیڈی آپ یہاں؟“ پھر اسے نجانے کیا ہوا کہ وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو دی اس کے ساتھ ساتھ احمد علی خان بھی رورہے تھے۔

”میں بہت برا ہوں نامشال میری گڑیا پلیز اپنے ڈیڈی کو معاف کر دو نجانے میں کیسے اتنا بے حس اور سنگ دل ہو گیا تھا تمہاری حق گوئی کرتا رہا مجھے معاف کر دو میری بیٹی۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے جبکہ یہ سب سن کر مشال بے تحاشا رو دی۔

عشرت خانم اور احمد علی خان اسے واپس گھر لے جانا چاہتے تھے مگر مشال کو اس شہر اور یہاں کے لوگوں سے بہت انسیت ہو گئی تھی وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی۔

”ٹھیک ہے میری گڑیا بیٹی تمہاری خوشی مگر کچھ دنوں کے لیے تو اپنے ڈیڈی کے ساتھ گھر چلو۔“ احمد علی خان اسے پیار کرتے ہوئے بولے تو اس نے ہاں میں سر ہلایا وہ عالیان سے مل کر اور جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے اپنے گھر چلی آئی۔

مشال احمد علی خان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی جب ہی علیہ کی آمد ہوئی اس نے انتہائی سپاٹ نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھا پھر کھٹ کھٹ کرتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی عشرت خانم لاؤنج میں داخل ہوئیں تو احمد صاحب گویا ہوئے۔

”اوکے بپنا آپ اپنی امی کے ساتھ گپ شپ کرو مجھے ایک ضروری فائل دیکھنی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے تو مشال عشرت خانم سے باتوں میں لگ گئی جب ہی خضر کا تذکرہ آن لگا۔

”مشال بیٹا خضر بہت اچھا اور سمجھدار لڑکا ہے جانتی ہو تمہارے ڈیڈی کے احساسات پر بڑی بے حس کی چادر بھی اسی نے اتاری۔“ یہ واقعی مشال کے لیے انکشاف تھا وہ حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

”ہاں بیٹا خضر D.C آفیسر ہے اس حوالے سے

تمہارے ڈیڈی سے اس کے مرام ہیں جب وہ تمہارا پارسل لے کر یہاں آیا تو مجھے اس سے باتیں کر کے بہت اپنائیت محسوس ہوئی میں نے تمہارے وہاں جانے کی وجہ تمہارے ڈیڈی کی سرد مہری کا سبب لے بنا دیا۔ یہ سب جان کر اسے بہت افسوس ہوا پھر ایک دن وہ گھر آیا اور تمہارے ڈیڈی کو آئینہ دکھایا۔ وہ بولتے بولتے رکیں تو مشال ہنوز تھیری انہیں دیکھنے لگی۔

”اس نے کہا کہ جس صورت حال سے آپ گزر رہے ہیں اس سے ملتی جلتی کیفیت سے میں بھی گزرا ہوں مجھے اپنی بیوی اہم سے آپ کی طرح شدت کے ساتھ محبت تو نہیں تھی مگر میں اسے تپا نہ بھی نہیں کرتا تھا وہ بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی میں اس کی دل و جان سے قدر کرتا تھا اسے پسند کرتا تھا اس کے ساتھ رہتے ہوئے بہت خوشی محسوس کرتا تھا مگر عالیان کو ختم دے کر جب اس نے ہم سب سے منہ موڑا تو میں نے اس کا ذمہ دار اس معصوم بچے کو نہیں ٹھہرایا یہ تو مشیت الہی تھی جب کہ آپ نے اللہ کے فیصلے سے خفا ہو کر اپنی ساری ناراضی مشال کے معصوم وجود پر نکالی آپ نے بہت غلط کیا مسٹر احمد۔“ عشرت خانم مزید بھی اسے تفصیلات بتاتی رہیں جب کہ مشال کے دل میں خضر ایمان کی قدر و منزلت بے پناہ بڑھ رہی تھی۔

وہ آج اس سے ملنے اس کے آفس چلی آئی مشال نے اس کی P.A سے اپنا تعارف کر دیا تو تھوڑی ہی دیر بعد انٹر کام کے ذریعے خضر سے اجازت لے کر اسے کمرے میں بھیج دیا۔

”اوہ ڈاکٹر صاحب آپ نے یہاں آ کر تو میرے آفس کی رونق ہی بڑھا دی۔“ انیش گری قمری عیس سوٹ میں انتہائی گرہیں فل شخصیت سمیت وہ بے حد خوش مزاجی سے بولا۔

مشال اسے دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

”میرا نام مشال ہے خضر صاحب۔“

”اور میرا نام صرف خضر۔“ وہ اسی کے انداز میں بولا پھر

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے جب ہی اس نے

اختصار کیا۔

”واپس ایسٹ باڈ جانے کا کب تک ارادہ ہے۔“
 ”ان شاء اللہ فرسٹ جنوری کو کراچی سے نکل جاؤں گی۔“ یہ کہہ کر وہ پل بھر کو خاموش ہوئی پھر دھیرے سے بولی۔ ”دراصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔“ مشال کے جیلے پر خضر نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا ڈاکر پر پل بھر کے سوٹ میں ہمیشہ کی طرح سادہ سے چلیے میں وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ ”آپ نے ڈیڈی کا دل میری طرف سے صاف کر دیا آپ نے یہ کام کتنی آسانی سے کر دیا جو کام میری امی سالوں سے نہ کر سکیں۔“

”اس لو کے مشال۔“ وہ لکڑی سے مسکراتے ہوئے بولا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

”مشال ایک بات پوچھوں تم اگر مائنڈ نا کرو۔۔۔۔۔۔ وہ اچانک آپ سے تم پر اترا آیا امشال کو اس کا تم کہنا نجانے کیوں بہت اچھا لگا۔

”ہاں ہاں بالکل پوچھیے۔“ وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

”تم سالار میں انٹر سٹڈی آئی مین وہ تمہارا سنگتیر تھا تم اسے پسند کرتی تھیں؟“

”یہ تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ میں اسے پسند کرتی تھی یا نہیں کرتی تھی البتہ اپنے والدین کے فیصلے پر میں نے خوش آوازی ظاہر کی تھی مگر سالار کے مجھے اس طرح ٹھکرانے پر بہت افسوس ہوا تھا۔“ وہ صاف گوئی سے بولی پھر موضوع بدلتے ہوئے یونہی پوچھ پٹھی۔

”آپ کے کیا ارادے ہیں؟“

”میرے ارادے تو کافی ٹیک ہیں امی نے میرے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے سوچ رہا ہوں کہ شادی کر ہی لوں۔“ خضر انتہائی دلنشیں انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو چھن سے مشال کے اندر یہ کچھ ٹوٹا۔

”اوہ ریکی یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ وہ بمشکل مسکراتے ہوئے گویا ہوئی پھر اس سے مزید بیٹھائی نہیں گیا وہ خضر کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔

مشال اپنی پکینگ کھل کر چکی تھی کل صبح اسے ایسٹ

آباد کے لیے نکلنا تھا احمد صاحب اسے خود چھوڑنے جا رہے تھے وہ اس بات پر بے حد خوش تھی مگر اندر ہی اندر کہیں اداسی ڈیرے ڈالے ہوئی تھی وہ خضر کے متعلق سوچتے سوچتے اس کے خیالوں میں گم ہو گئی پھر کچھ دیر بعد چونک کر خود سے گویا ہوئی۔

”اوہ نہ۔۔۔۔۔۔ مجھے اس سے کیا خضر کسی سے بھی شادی کرے۔“

31 دسمبر کی شام تھی کچھ ہی گھنٹوں بعد نئے سال کی آمد تھی علیہ اور سالار دونوں گھر آئے ہوئے تھے آج پہلی بار علیہ اس سے اپنائیت سے مل گئی۔

”مشال اپنا کچھ خیال بھی رکھا کر ذہر وقت بس کام میں مصروف رہتی ہو۔“ علیہ کے پر خلوص انداز کو محسوس کر کے مشال مسکرا کر بولی۔

”اوکے مائی ڈیر سسٹر میں اب اپنا خیال رکھوں گی۔“ مشال کا اتنا کہنا تھا کہ اچانک علیہ مشال کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مشال مجھے معاف کر دو میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے میں بہت بری ہوں نا مگر تم بہت اچھی ہو پلیز مجھے معاف کر دو۔“ بے اختیار مشال بھی علیہ کے ساتھ رونے لگی آج دونوں کو اپنی اپنی بہنیں مل گئی تھیں جو ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی گشتہ تھیں احمد صاحب نے علیہ کے دل و دماغ پر مشال کے خلاف جی کا ہی کو کھرج کر نکالا تھا عشرت خانم یہ منظر دیکھ کر اپنی آنکھوں میں آئے خوشی و تشکر کے آنسو صاف کرتے ہوئے شکرانے کے نوافل ادا کرنے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

علیہ سالار کے ہمراہ نیو ایئر ٹائمٹ منانے چلی گئی تھی۔ عشرت خانم اور احمد صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے مشال عشاء کی نماز سے جوئی فارغ ہوئی



عکس جاناں صدف آصف

گھر میں بجتے والی ڈور بیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔
تھوڑی ہی دیر بعد ملازمہ نے اسے کسی مہمان کی آمد کا
بتایا۔ مثال جو نبی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی، خضر کو
دیکھ کر بے اختیار خوش ہوئی۔
”ارستاپ یہاں۔“ خضر اسے دیکھ کر مسکرایا۔
”میں نے سوچا کہ تمہیں نئے سال کی مبارک باد
دے دوں۔“ وہ خوب صورت سا بکے اس کی جانب
بڑھاتے ہوئے بولا تو مثال نے اسے نزاکت سے
تھما۔ بلو جینز پر اسکن کلر کی ٹی شرٹ میں وہ آج بہت
خاص لگ رہا تھا۔ مثال کے دل کی دھڑکنیں قدرے
بے ترتیب سی ہوئی تھیں۔

”مثال میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ باہر چلو
نئے سال کا آغاز میں تمہارے سنگ کرنا چاہتا ہوں۔“
خضر کی اس انوکھی فرمائش پر وہ پہلے تو کافی حیران ہوئی پھر
قدرے چڑ کر بولی۔
”میرے خیال میں آپ کو اس لڑکی کے ساتھ باہر جانا
چاہیے جسے آپ کی امی نے آپ کے لیے پسند کیا ہے۔“
اس بات پر مثال بے اختیار اچھل پڑی پھر اسے انتہائی
اجنبی سے دیکھ کر گویا ہوئی۔
”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”مطلب یہ کہ اس دفعہ امی اور عالیان کے ساتھ ساتھ
میں بھی تم سے امیر لیں ہو گیا ہوں۔ عالیان کی طرح میں بھی
تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔“
خضر کے اتنے خوب صورت اظہار پر پہلے تو وہ ہونٹوں کی
طرح اسے دیکھتی رہی پھر اچانک ڈھیروں شرم نہانے کہاں
سے عود کر آئی جسے چھپانے کی غرض سے وہ اپنا رخ اس کی
جانب سے موڑ گئی۔
”آپ کو میرا یقین ہے کہ میں ان لڑکیوں کی طرح
نہیں ہوں۔“ وہ دھیرے سے بولی تو خضر اپنی جگہ سے
اٹھ کر اس کے مقابل آ کر رہا پھر انتہائی محبت سے اس کا
ہاتھ تھام کر بولا۔

”تم میرا یقین ہو مثال میرے دل کی ٹیکن ہو میں
سالار کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تمہیں میرے لیے چھوڑ دیا
ورنہ اتنا خوب صورت جیون ساسی مجھے کہاں ملتا۔“ وہ انتہائی
گھمبیر لہجے میں اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا
تو مثال نے اسے حیا آلود نظروں سے دیکھا۔ فیروز کی اینٹ
آف وائٹ رنگ کے استراج کے سوٹ میں وہ بہت کیوت
لگ رہی تھی۔
”مثال چلو دل ہار دیتے ہیں، ایک دو بچے میں سما جاتے
ہیں ایک جان و دو قالب بن جاتے ہیں۔“
”اف خضر فارگاؤ سیک اب آپ ایسے ڈائیلاگز تو مت
بولیے۔“ مثال خفیف سی ہو کر بولی بھلا آج سے پہلے اس
نے ایسے جذبول بھری باتیں کہاں سنی تھیں۔
”تمہیں میں ایسے تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا، پہلے
بتاؤ کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو نا تمہارا دل بھی میرے لیے
دھڑکنے لگا ہے نا تم بھی دل ہار بیٹھی ہوتا۔“ وہ مصر ہوا۔
”جی نہیں میں نے کوئی دل نہیں ہارا اب آپ اسے
اجنبی بھی نہیں ہیں کہ اتنی قیمتی چیز آپ پر ہار دوں۔“ وہ اسے
چڑاتے ہوئے بولی پھر اگلے ہی لمحوں ایک دوسرے کو
دیکھ کر زور سے ہنس دیئے کچھ دیر بعد وہ عشرت خانم اور امیر
صاحب سے اجازت لے کر نئے سال کی خوشیوں کو
سلمیٹ کرنے کے لیے باہر جا رہے تھے ایک تاروں بھری
مغلوں و خواہشوں سے بھر پور زندگی ان دونوں کو خوش آمدید
کہنے کے لیے منتظر کھڑی تھی۔



سب بہانے ہیں دنیا داری کے
کسی نے کسی کا سکون لوٹا ہے

سچ تو یہ ہے کہ زمانے میں
میں بھی جھوٹی ہوں تو بھی جھوٹا ہے

نوسر میں تونس سینکڑے کے بعد فریدہ یوسف نے جلدی سے فرانک پین میں ہاف فرائی انڈا، صبح صبح ان کے ہاتھ بہت تیزی سے چل رہے تھے۔ دوسرے چولہے پر رکھی چائے کی خوش بو، طلب بڑھا رہی تھی۔ انہوں نے کپوں میں گرم چائے نکالی اور رنجو کی مدد سے ناشتہ ٹیبل پر لگوا دیا، فریدہ نے اس لڑکے کو اوپر کے کاموں کے لیے رکھا تھا، یوسف احمد جو آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ٹیبل پر آئے تھے، بیوی کو تونس پر چیم لگانے کا اشارہ دیا، خود سامنے رکھا فیش جوس کا گلاس ختم کیا۔ تانیہ اور عرفان بھی تیار ہو کر ناشتے کے لیے آگئے تھے۔ کاشان پہلے سے پورچ کھا رہا تھا۔ یوسف احمد کی موجودگی میں سب نے خاموشی سے ناشتہ ختم کیا۔ سوائے کاشان کے جو بے چینی سے بار بار پہلو بدلتا رہا۔ سب جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوسف احمد بیٹی کو کالج ڈراپ کرتے ہوئے آفس جاتے جبکہ عرفان اپنی بائیک پر یونیورسٹی جاتا تھا۔

”کیا بات ہے شان! تم آفس نہیں جا رہے؟“ یوسف احمد نے باہر نکلتے ہوئے مڑ کر بڑے بیٹے کو گھورا جو بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا ماں کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ ”جی لابی! اس تھوڑی دیر میں نکلتا ہوں۔“ وہ ایک دم گھبرا کر دوبارہ کھڑا ہوا۔ ملٹی ٹیکسل کمپنی کے ایک بڑے عہدے پر فائز جوان بیٹے کی ایسی بوکھلاہٹ پر فریدہ کا چہرہ مسکرا اٹھا۔

”موصوف باپ کے دفتر جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہی میرے کان کھائیں گے۔ میں تو

ساتھ میرا گزارا ہونا مشکل ہے۔“ کاشان ماں کی بے پروائی پر بدکا۔ اعلان کرنے والے انداز میں۔ ان کو متوجہ کرنے کے لیے زور سے پاؤں بچکا۔

”اس! کون سی لڑکی، بھئی یہ کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے؟“ فریدہ کا موڈ خوش گوار ہوا۔ انہوں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے وی کار بیوٹ اٹھایا۔

”مما! پلیز مذاق نہ کریں۔ دنیا میں ایک ہی تو لڑکی ہے، مفرح منصف۔ جس سے میری منگنی ہوئی ہے۔ اسی نے کاشان یوسف کو زوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ورنہ کسی میں اتنا حوصلہ نہیں کہ آپ کے شہزادے کو غصہ دلا سکے۔“ کاشان نے منہ بگاڑ کر بچوں کی طرح ماں سے شکایت کی۔

”اچھا اس بار ایسا کیا ہو گیا؟ کہ میرا یہ شہزادہ ایک بار پھر برسوں پرانی منگنی توڑنے پر چل گیا۔“ فریدہ کے لیے یہ باتیں معمول کی تھیں۔ انہوں نے معمول کے مطابق پوچھا۔

”وہ بہت خود سر ہو گئی ہے۔ اس کا ابھی سے یہ حال ہے تو شادی کے بعد میری کسی درگت بنائے گی؟ کوئی بات نہیں مانتی ہر وقت اپنی من مانی کرتی رہتی ہے۔“ وہ ایک ہاتھ سے دوسرے پر ہکا ماتے ہوئے بولا۔

”کاشان! مجھے یہ ساری باتیں اذیر ہو چکی ہیں۔ پلیز..... میرا مارننگ شو نکلا جا رہا ہے۔ ویسے بھی آج اداکارہ نیہا کی اسٹیشن کی رسم دکھائی جائے گی۔ تم جلدی سے اصل مدعا پر آؤ۔“ فریدہ نے بے تابی سے جھٹیل بدلتے ہوئے اپنی پسند کا شو لگایا۔

”چھوڑیں یہ فضول شو لگتا ہے ان لوگوں کے پاس کوئی دوسرا کام ہی نہیں۔ فلاں کی شادی ڈھنگال کا لہجہ..... خیر آپ مفرح کی سہیلیں۔ جب میں نے اسے اسٹیج پر لے کر دھوا کر لے لیا تو منہ کیا۔ وہ نہ مانی۔ میری بس یہ خواہش تھی کہ وہ کبھی سہیل سے سچوٹک میں ماسٹر زکر لے۔ جب بھی وہ نہ گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس کے بعد ضرور جاب کی ضد کرے گی۔ بالکل یہی ہوا۔ خدا خدا کر کے تعلیم مکمل ہوئی

نہیں کہ محترمہ جاب کے ارادے سے گھر سے باہر نکلنے پر کمر بستہ ہو گئیں۔“ کاشان نے گاڑی کی چابی سے کھیلے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔ فریدہ کا دل چاہا بیٹے کے خدشات پر اپنا سر پیٹ لیں مفرح تائی اماں سے اس بارے میں پہلے ہی اجازت لے چکی تھی، ان دونوں میں غصب کی انڈر اسٹینڈنگ پائی جاتی تھی۔

”جان! وہ کوئی برا کام تو نہیں کر رہی۔ مجھے سب پتا ہے۔ تمہیں تو اس کے ہر معاملے میں بلاوجہ کے اعتراضات اٹھانے کی عادت ہو گئی ہے۔“ فریدہ نے بے توجہی سے بولتے ہوئے ٹی وی کی طرف دیکھا۔

”مما! آپ بھی نہ ہمیشہ اس کی ہی حمایت کرتی ہیں۔ تب ہی تو وہ دوسرے پر چڑھ گئی ہے۔ مجال ہے جو محترمہ گھر داری کی طرف توجہ بھی دیں۔ بس ہر وقت باہر نکلنے کے بارے میں سوچتی رہتی ہے۔“ کاشان مسلسل ماں کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔

”بیٹا! براے مہربانی اسے کرنے دو جو وہ کرنا چاہ رہی ہے۔ ایک بار شادی ہونے دو۔ اس کے بعد تو لڑکیوں کے سارے شوق گھر تک محدود ہو جاتے ہیں۔“ فریدہ نے کام روکا۔ بیٹے کی طرف منہ کر کے نرمی سے استدعا کی اور دوبارہ آلوکے چوکور منگولے کاٹنے لگی۔

”آپ کی ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ مجھے کسی خاطر میں نہیں لاتی۔ آپ اور چاچی رقیہ کی طرح میں اپنی بیوی کو ایک گھریلو لڑکی دیکھنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ تو بس سب سے اونچی ہے۔ مجال ہے جو جگن میں جا کر کسی کے لیے ایک کب چائے کا بھی بنا سکے۔“ کاشان نے ماں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے غلط بیانی سے کام لیا۔ فریدہ یوسف نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ بس نگاہ اٹھا کر اسے گھورا، وہ تھوڑا گڑبڑایا۔ اس کی بے چینی بڑھنے لگی۔ ابھی تک ماں کے ذہن میں اپنا نکتہ بھانے میں ناکام ثابت ہوا تھا۔

”آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ میری بیوی روزانہ جاب کے لیے گھر سے باہر نکلے۔ جب میں اسے عیش و آرام میں رکھ سکتا ہوں تو وہ کیوں

مردوں کی طرح مشقت کرے۔ شام کو جب تھک ہار کر واپس گھر لوٹے تو اس کا موڈ مجھ سے بھی زیادہ آف ہو۔
 کاشان نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی پھر مستقبل کی پیش گوئی کی۔ فریدہ فطی طور اس وقت ان باتوں کو سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ دیے بھی ان کا خمیر محبت سے گندھا ہوا تھا۔ وہ کبھی اپنے اور پورے بچوں میں فراق روا نہیں رکھتی تھیں۔ اسی لیے دونوں خاندانوں کے بیچ بھی تعلقات خراب نہ ہوئے۔ جس خاندان کے بڑے انصاف پسند ہوں وہاں کا نظام کبھی نہیں بگڑتا۔ یہ بنی وجہ تھی کہ وہ بیٹے کے مقابلے میں مفرح کی طرف دارین جاتیں۔

”سنو تم جن باتوں کو سوچ سوچ کر اپنا اور میرا دماغ خراب کر رہے ہو، وہ انتہائی فضول اور بے مقصد ہیں گویا دوا بیل امل از مرگ“ مفرح میرے ہاتھوں میں پٹی بوجھی ہے، جیسا تم اس کے بارے میں سوچ رہے ہو وہ بالکل ایسی پٹی نہیں ہے۔“ فریدہ نے بیٹے کی بک بک سے تنگ آ کر اس پر آنکھیں نکال لیں۔ جھنجھاکر چہری ٹوکر میں مٹی۔

”مما! آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ مفرح ایک بار جواب کرنے لگی تو اسی لائف اسٹائل کی عادی ہو جائے گی۔ میں اس سے بچ سکتی ہوں۔ اسی لیے اس کی پروا بھی ہے۔ مگر وہ بھی تو یہ بات سمجھے کسی کو پا کر کھونے سے بہتر ہے کہ پایا ہی نہ جائے۔“ کاشان نے جلدی سے ماں کے کانڈھے دباتے ہوئے اپنا نوکھا فلسفہ دہرایا۔ فریدہ نے اس کے مرغے کی وہی ایک ٹانگ پر اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

”بیٹا! دیکھو شادی میں تھوڑا عرصہ رہ گیا ہے۔ چپ کر کے گزار لو۔ کوئی نیا نکھیڑا امت کھڑا کرنا ہی ہم سب کے لیے بہتر ہے۔ اپنے باجی کو جانتے ہونا۔“ فریدہ نے انگلی اٹھا کر بیٹے کو وارننگ دی۔ باپ کے نام پر وہ منہ لٹا کر پیٹھ گیا، ماں کو اس نامعقول پر ایک دم اسے پیارا لگ گیا۔
 ”اچھا دیکھو میری اس معاملے میں مفرح سے تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ وہ شادی کے بعد بالکل بھی جواب نہیں

کرے گی۔ چند دنوں کے لیے اپنا شوق پورا کرنا چاہتی ہے۔ کر لے آخر آپ اعتراض کرنے والے ہوتے نہیں ہیں؟“ فریدہ نے رنجو کالایا ہوا چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے رسامیت سے سمجھایا، ساتھ ہی ایک سوال بھی اٹھایا۔

”میں کون؟ واہ! واہ! آپ سے ایسی بچکانہ بات کی توقع نہ تھی۔ ارے میں اس کا ہونے والا شوہر ہوں۔“ کاشان تو جیسے گرم توڑے پر اچھلنے لگا، پورے استحقاق سے بولا۔

”شان! ہونے والا نا۔ یہ ہی بتانا چاہ رہی ہوں۔ ابھی شوہر بنے نہیں ہو، جو اس کی زندگی کے ہر معاملے کا فیصلہ کرتے پھر دو۔ ابھی وہ اپنے دادا کے گھر پر ہے۔ اسے بھی کھل کر سانس لینے دو۔ ویسے بھی جاب کوئی اتنا بڑا البتہ نہیں۔ جس کے لیے رشتے ختم کر دیئے جائیں۔ اپنی جگہ اور میری بات چھوڑو۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آج کی بچیاں اتنا شعور رکھتی ہیں کہ بیک وقت گھر اور باہر کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہوئے اپنے سے بڑے رشتوں کا بھی خیال رکھ سکتی ہیں۔“ فریدہ نے ہونے والا کو بچھا تو وہ ایک دم چپ رہ گیا پھر کچھ سوچ کر منہ کھولا۔

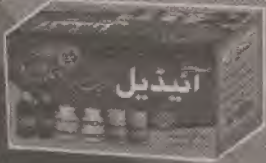
”میں نے ہمیشہ آپ کے سمجھانے پر خاموشی اختیار کی تاہم اب تو انتہا ہو گئی آپ چاہا جی کو منع کر دیں۔“ فریدہ منہ موڑ کر ٹی وی میں لگن ہو گئیں۔ وہ بیٹے کے جذباتی یزن سے اچھی طرح واقف تھیں، جانتی تھی کہ وہ ایک بار پھر شور مچا کر خاموش ہو جائے گا۔ رشتے یوں ہی پل بھر میں ختم تھوڑی ہو جاتے ہیں۔ یوسف احمد کو بیٹے کے ارادوں کی ہوا بھی لگ جاتی تو وہ کاشان کو گھر سے باہر نکلنے سے بھی نہیں چوکتے۔ انہیں چھوٹا بھائی منصف بیٹوں کی طرح عزیز تھا۔

فریدہ نے ٹی وی سے نگاہ ہٹا کر بیٹے کو دیکھا۔ سب، چڑا شاندار سا شان اسکا ٹی بلوشرٹ، بلیک پینٹ میں بہت پینڈم لگ رہا تھا۔ چہرے پر چھائی خجندی اس کی وجاہت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔

حیرت انگیز نسخہ جات سے موٹاپے سے مکمل نجات پائیں

ایک ماہ 30 یا 40 روز کم 6 کلو گرام

سلیٹنگ کورس کے استعمال سے ہم کے اندر پیدا ہونے والی بیماریاں جو موٹاپے کا سبب بنتی ہیں ان کا مکمل خاتمہ



موٹاپا یقینی ختم

ایڈیل سلیٹنگ کورس

فری ہوم ڈیلیوری

HR کے ذریعہ آپ کے لیے ایک خصوصی رپورٹ تیار کی جائے گی جس میں آپ کے لیے مناسب ورزش اور غذا کی مشورہ دی جائے گی۔
 آپ کے لیے ایک خصوصی رپورٹ تیار کی جائے گی جس میں آپ کے لیے مناسب ورزش اور غذا کی مشورہ دی جائے گی۔
 آپ کے لیے ایک خصوصی رپورٹ تیار کی جائے گی جس میں آپ کے لیے مناسب ورزش اور غذا کی مشورہ دی جائے گی۔

ایچ۔ آر

چہرے کیل مہاسے اور داغ دھبوں کا یقینی خاتمہ

شوگر کی زیادتی یا ای انتہائی نقصان دہ ہے

ایڈیل بیوٹی کورس

پاکستان ہومیو پیتھک کلینک
 042-37470123
 042-37470128
 0300-4370496
 E-mail: pkhhc@hotmail.co.uk Website: www.pkhhc.com

نہیں کروں گا، جو شادی کے وعدے کسی اور سے کرے اور انگلی میں انگلی کسی اور کے نام کی پہن کر گھومے۔“
کاشان کا غصہ آسان کو چھوٹے لگا، اس نے آگے بڑھ کر مفرح کی گوری نازک سی نگاہ کی اتنی کسی کر پکڑی کہ درد کے مارے اس کی سسکاری نکل گئی اور اس کی لمبی خوب صورت انگلی سے زبردستی سونے کی رنگ اتار لی۔ وہ اپنی جگہ جیسے منجمد رہ گئی۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟“ وہ ایک دم شاک رہ گئی، تصدیق چاہی۔ ہاتھ کی طرف دیکھا مگر وہی انگلی سے سونے کی وہ نازک رنگ اتار لی گئی تھی۔ جو فریدہ نے نشانی کے طور پر مفرح کو پہنائی تھی۔ انگلی کے گرد موجود دائرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

”ہاں میں آج سے تمہیں ہر پابندی سے آزاد کرتا ہوں۔ جاؤ اب احمد سے شادی کرو یا کسی اور سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔“ کاشان ایک دم پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے رنگ اپنی مٹھی میں سمیٹ کر اذیت کے مارے آکھیں بند کر لی۔ مفرح شان کی محبت پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو چکا ہے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں منہ سے نکلی بات اور کمان سے نکلا تیر واپس نہیں آ سکتا۔ ایسا ہو چکا تھا۔ مفرح کے اندر سے آنسو ابل کر باہر آنے کو تیار ہو گئے۔ اب وہ اس بے درد کے سامنے آنسو بہانا نہیں چاہتی تھی، بھاگ کر واش روم میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ بھی تیزی سے دروازے پر کھڑی رہی کہ نظر انداز کرتا ہر نکل گیا۔ رقیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کھوں میں یہ کیا ہو گیا۔ وہ کاشان اور مفرح کی بحث کی آواز سن کر اس طرف آئیں۔ یہاں کا منظر دیکھ کر ان کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ مفرح کے چھوٹے بھائی واصف نے ماں کو سہارا دے کر ان کے کمرے میں پہنچایا اور تائی اماں کو فون گھما دیا۔

☆☆☆

”شان! تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہارے بغیر کیسے زندگی گزاروں گی؟“ مفرح نیچے میں منہ دیکھ کر اس سنگ

دل کے لیے آنسو بہائے جاری تھی۔ جانے کیسا خوف تھا، کیسا دکھ تھا جو اس کے اندر گھنٹیاں ہی بجائیں۔
”کاش! اس انکار کے باوجود میری زندگی میں قسمت کا ایسا جھولی بھر دینے والا آئے۔ تم ہمیشہ کے لیے میرے بنادے جاؤ۔“ مفرح چل چل کر رو دی۔

اس کے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے۔ ان دونوں کی ممکنگی سے لے کر اب تک بہت سارے پیار بھرے پل نگاہوں میں پھر گئے۔ اس کے چہرے پر چند گداز پل ٹھہر گئے۔

”آپ تو کہتی تھیں۔ وہ مجھے کسی نہیں چھوڑے گا۔ اس نے تو برسوں کے بعد من کو توڑنے میں لحد نہ لگایا۔“ فریدہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو تائی کو دیکھتے ہی وہ گرتی پڑی بستر سے اتر کر بچوں کی طرح ان سے لپٹ کر شکوہ کرنے لگی۔

”ندرو بچے میں اب بھی یہی کہتی ہوں۔ وہ کہیں نہیں جائے گا تمہارا اسی رہے گا۔ میں اپنے بیٹے کو چاہتی ہوں۔ جیسے ہی غصے کا طوفان ٹھہرے گا۔ اسے اپنی زیادتی کا احساس ہو جائے گا۔ تم مجھے شروع سے بتاؤ ہوا کیا تھا؟“ فریدہ نے اس کے بال سنوارتے ہوئے پانی پلایا اور چمکارتے ہوئے تسلی دی۔ رقیہ بھی بیٹی کی حالت پر آنسو بہانے لگی۔

بلاوجہ چھوٹی سی بات اتنی بڑی بن گئی۔ یونیورسٹی کی بائیں جو احمد کی بہن بھی تھی، مفرح کی اس کے ساتھ ملکی چھٹی سلام ودعا تھی۔ اپنی! ہم لوگوں کو گھر میں بٹھا کر سہولت سے بھی ممکنگی کے بارے میں بتایا جاسکتا تھا۔ یہ کیا کہ دروازے پر کھڑا کر کے اتنی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا گیا۔ ہانیہ نے یونیورسٹی میں مفرح سے ملاقات ہونے پر نو رانی شکوہ کرتے ہوئے کاشان کی شکایت لگائی۔ ایسی باتیں سننے کے بعد مفرح کے سر میں شدید درد اٹھ اٹھا۔ وہ جلدی گھر لوٹ آئی۔ اس پر شان کی الزام تراشیاں، صبر و دل جواب دے گیا۔ شان کا دماغ الٹا تو مفرح بھی خلاف مزاج ایک دم اس بات پر گرم ہو گئی۔ وہ ہو گیا جو نہیں چاہیے تھا۔ اس نے روتے ہوئے تائی اماں کو ساری بات

بتادی۔ انہیں کاشان کی یہ بات پہلے ہی بہت ہری لگی۔
”ایک بات غور سے سنو اس بات کا ذکر بھولے سے بھی گھر کے مردوں کے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔ کاشان کا دماغ تو میں ٹھیک کرتی ہوں۔“ فریدہ نے دونوں کو تاکید کی۔ واصف کو الگ خاموش رہنے کی ہدایت کی۔
”وہ تو ممکنگی توڑ چکے ہیں۔“ مفرح ایک بار پھر بلک کر روئی۔

”میری بچی! امت ربوہ بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غصہ اترنے دو خود اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا مگر اس بار کاشان کو اپنی جذباتیت بہت مہنگی پڑنے والی ہے۔“ فریدہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ لپٹایا اور کچھ سوچ کر عزم سے بولیں۔

☆☆☆

”کتنا اچھا لڑکا ہے احمد، رقیہ بھی بڑی تعریف کر رہی تھی۔“ فریدہ نے دوپٹے میں تیل ٹاٹتے ہوئے چشمے کی اوٹ سے بیٹے کو دیکھا جو پہلے کے مقابلے میں کمزور اور بچھا ہوا سا تھا، ططنہ جو مزاج کا خاصہ تھا، دماغ سے دور ہو گیا تھا۔

”ہاں تو اچھا ہونے دیں۔ پر مجھ سے زیادہ پیٹنم تو نہیں ہوگا۔“ وہ ماں کے پرسکون انداز پر بڑبڑا کر اپنا موازنہ کرنے لگا۔

”یہ تو ہے میرا بیٹا تو بڑا اسارت اور پیٹنم ہے مگر وہ بھی کم نہیں ویسے بھی اب جب کہ تم خود یہ ممکنگی توڑ چکے ہو تو مفرح کی شادی کسی سے بھی ہو تمہیں کیا؟“ فریدہ نے بیٹے کو ٹٹولا۔

”کسی بھی کیا جلدی چلائی جا رہی ہے، مفرح کوئی بھاگی تو نہیں جا رہی۔ تھوڑا انتظار بھی کیا جاسکتا تھا۔“ کاشان نے دانٹوں سے ناخن کھرتے ہوئے ماں سے سوال کیا۔

”کس کا انتظار..... تمہارا؟“ فریدہ نے بیٹے کی دل کی بات جاننا چاہی۔
”ہاں میرا وہ میرے سوا کسی اور کی نہیں بن سکتی۔“

کاشان کا دل یہ کہنے کو چھلا۔ مگر آٹے آگئی۔ اس پر مفرح کا خراب رویہ جہاں اتنی اسد کچھ کر مہمیر لیتی۔
”بیٹا! جواب نہیں دیا۔ مفرح کو کس کا انتظار کرنا چاہیے تمہارا؟“ فریدہ نے اسے خیالوں میں گھویا پایا تو دوبارہ پوچھا۔

”جی..... نہیں..... مجھے اس ممکنگی ملی سے شادی نہیں کرنی۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ شاید کوئی احمد سے بہتر لڑکا مل جاتا۔“ کاشان نے جی کڑا کر کہہ کر اس کا چہرہ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ فریدہ مایوس نہیں ہوئیں۔

”ٹھیک ہے بیٹا! اب یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ مفرح کے لیے کیا اچھا ہے کیا برا۔“ فریدہ نے منہ بگاڑ کر کہا تو کاشان نے بے دلی سے سر ہلایا۔ دل نے اسے جلد بازی پر سہارا لٹاؤ۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

”کتنا تھک گئی ہوں! تانیہ پانی تو پلاؤ۔“ فریدہ نے صوفے پر گرتے ہوئے، بیٹی کو آواز لگائی جو دوسرے صوفے پر کتا میں پھیلانے پڑھنے میں مصروف تھی۔

”چاچی! کہاں ہیں وہ بھی تو آپ کے ساتھ کس تھی؟“ تانیہ نے جلدی سے ماں کو کچن میں بھرا جگ اور گلاس تھماتے ہوئے پوچھا، جو اس نے رنج سے بخرا کر فریج میں رکھوا دیا تھا۔

”وہ رنجو سے شاہزادہ نکلا رہی ہیں۔“ فریدہ نے پیروں کی انگلیوں کو دباتے ہوئے کہا۔ انہیں بازار جا کر احساس ہوا کہ آج کل کے دور میں عروسی لباس خریدنا کوئی آسان کام نہیں۔

”مجھ کو کتنا ہے برا بیٹل ڈریس آپ لوگوں نے کیسے خریدے ہیں۔“ تانیہ نے اشتیاق سے ڈیو اور شاہزادہ میں جھانگی مارتے ہوئے اشتیاق سے کہا رقیہ بھی تھک کر وہیں براجمان ہو گئی۔

”ہاں تانی لے لی اپنا تمہارا کل پیپر اور مفرح کو بخدا بھی ابھی آتا تھا۔ تم دونوں لڑکیوں نے ہمارے ساتھ جانے سے انکار کر کے ہمیں مارکیٹ سمیٹ کر کوئی دھنسی لگائی ہے

اف اتنی مشکل پیش آئی کہ مت پوچھو کیوں بھائی خیر یہ پہاڑ سر کر ہی لیا۔" رقیہ نے گلاس کو منہ تک بھرا اور پیتے ہوئے بولی۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو رقیہ۔ ایک ہمارا زمانہ تھا۔ سرخ بناری یا چٹائی کا غراہ بن جاتا۔ ساشن کی پلین قمیص کے گلے آستین پر گھونے کی نیل اور دوپٹے پر گولے کے پھول اور کرن لگادی جاتی اللہ اللہ خیر صلا تو اتنی ورائی آگئی بندہ کنفیوژ ہی رہتا ہے۔ اتنے اسٹائل ہیں کے خریدنے والا بازار جا کر بلاؤلا ہونے لگتا ہے۔" فریدہ نے کمر کے نیچے کشن لگایا۔ کشن گھنٹوں تک بازار کے دس کو برداشت کرنے کے بعد اب کمر میں دو در شروع ہو گیا تھا۔

"مما! اب تو پیرائز کا دور ہے۔" تانیہ نے مسکرا کر ماں کو چھیڑا۔

"ارے رہنے دو تانی ڈیرائز کے پاس جاؤ تو قیمتیں سن کر ہی انسان بے ہوش ہونے لگتا ہے۔ اتنے میں تو کسی غریب لڑکی کی شادی کا کھانا ہو جائے۔ میں صرف چند گھنٹوں کے لیے اتنے پیسے برباد کرنے کے حق میں نہیں۔ کیوں بھائی؟" رقیہ نے جھٹیلنے سے تانیہ چاہی۔ فریدہ نے سر ہلا کر حاتی بھری۔ تانیہ کو کپڑے بہت پسند آئے۔

"رقیہ! جلدی سے سب سمیٹ کر رجو سے اپنے گھر بھجوادو شان کے آفس سے واپسی کا ناظم ہو رہا ہے۔" فریدہ نے گھڑی پر نظر ڈالی تو چونک کر کہا رقیہ بھی الٹ ہو گئیں۔ "مما! پلین بھائی کو معاف کر دیں۔ ان کو بتائیں اتنی سزا کافی ہے۔ وہ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ مفرح آپ کی شادی اجد سے ہو رہی ہے۔ آج کل تو انہوں نے گھر میں کم اور باہر زیادہ وقت گزارنا شروع کر دیا ہے۔" تانیہ کو بڑے بھائی سے ہمدردی محسوس ہوئی ماں سے سفارش کی۔

"ہاں بھائی بچے کا چھوٹا سامنہ نکل آیا ہے۔ اتنی سزا کافی ہے۔" رقیہ نے بھی خوشی دکھائی تو فریدہ ہنس دیں۔ "بس تھوڑے دن اور صبر کرو پھر اسے پتا چل ہی جائے گا۔ ویسے بھی اس کے جذبہ پانی پن کے لیے یہ سزا بھی

کم ہے۔ اچھا ہے اسے بھی احساس ہونا چاہیے کہ جب کوئی اپنا چمچ جاتا ہو سن پسند شی کی طرح ہاتھوں سے نکل رہا ہو تب ہی اس کی قدر ہوتی ہے۔" فریدہ نے اپنا نظریہ بیان کیا۔

یہ بات تو ٹھیک ہے بھائی لیکن اب اسے معاف کر دیں۔" رقیہ نے ہونے والے لڑاوا کی سفارش کی۔ اس دور میں ایسا کون ہوگا؟ جو اپنے بچے کو دکھ دے کر دوسرے کا دل رکھتا ہو۔ رقیہ کے دل میں جھٹیلنے کا مقام اونچا ہوتا چلا گیا۔

"ہونہہ مگر تم لوگ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہی کہ مفرح بہت حساس بچی ہے۔ عزت نفس پر پڑنے والی شک و شبہ کی پرچھائی، تاہم اس کے دل کی کک بن کر اسے بے چین رکھ سکتی ہے۔ اس کا اعتبار بحال کرنے کے لیے اسے

مورل سپورٹ کی ضرورت ہے۔ ورنہ وہ دل سے اس رشتے کو قبول نہیں کر پائے گی۔ اسی لیے شادی سے قبل شان کا دماغ ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ مفرح پر آئے دن شان کی جانب سے لگائی جانے والی عدالت، نے اس کے ذہن پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا۔ میں نے اسی لیے موصوف کو یہ سزا دی۔ اچھا اب شان تھوڑے دنوں تک احساس جرم میں مبتلا رہے گا۔ جدائی کی مار سے اسے مفرح کی صحیح طور پر قدر آئے گی۔ وہ شادی کے بعد بھی اس کو بہت زیادہ عزیز رکھے گا۔" فریدہ نے مسکرا کر اپنے تجربے کا نیچوڑ پیش کیا، ان دنوں نے تانیہ میں سر ہلایا۔ رقیہ کی آنکھوں میں جھٹیلنے کی بلند کرداری پراٹھو گئے۔

☆☆☆

"میاں! آج کل کہاں غائب رہتے ہو۔ کیا ستاروں کے ساتھ نکلے ہو۔ جو دن میں دکھائی نہیں دیتے؟" کا شان آج کافی دنوں بعد سر شام گھر آتا تو باپ کے بلاوے پر پی وی لاؤنچ میں مرے قدموں سے داخل ہوا۔ اس کی توقع کے عین مطابق یوسف احمد خوب گرے برسے۔ وہ باپ کے قدموں میں سر جھکائے بیٹھا ان کی بھڑاس نکلنے کا منتظر تھا۔

"جی..... وہ بس..... آج کل آفس میں کچھ کام زیادہ ہے۔ آپ نے کسی کام سے بلوایا تھا؟" اس نے باپ کو ٹھنڈا ہوتے دیکھا تو ایک آرموڈ بہانہ گھڑا اور ان کی توجہ اپنے اوپر سے ہٹانے کے لیے جلدی سے سوال پوچھا۔

"ہونہہ ایک بات کرنی تھی۔" انہوں نے ایک خاکی بنڈل کو سامنے رکھتے ہوئے آنکھوں پر سنہری کمانی والے گلاسز لگائے۔ تانیہ نے بنڈل میں جھانکنے کی کوشش کی۔ "بات کرنی تھی وہ بھی مجھ سے۔" کا شان زیر لب بڑبڑایا، گھبرا کر پہلے ماں اور پھر چھوٹے بھائی بہن کو دیکھا، جو ہیں بیٹھے ان دونوں کے درمیان ہونے والے مکالموں سے محفوظ ہو رہے تھے۔ یوسف احمد کے ہونٹوں پر بھی تبہم سی مسکراہٹ درآئی۔

"بیٹا جی! آپ کا معاملہ ہے تو آپ سے ہی مشورہ کروں گا خیر یہ دیکھو۔ شادی کے کارڈ کے نمونے آگئے ہیں۔ ان میں سے کوئی اچھا سا ڈیزائن پسند کر لو تا کہ چھپنے دے دیا جائے۔" انہوں نے بنڈل بیٹے کی گود میں ڈالا۔ "اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" کا شان کو لگا کے اجد اور مفرح کی شادی کے کارڈ چھپنے جا رہے ہیں اسی لیے بے دلی سے بولا، کمرے میں موجود سارے نفوس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"کیا مطلب..... شادی میں ایک مہینہ نہ گیا ہے۔ اب بھی جلدی نہ کریں۔" یوسف احمد نے چشمے کے پیچھے سے بیٹے کو گھورا۔

"یہ سیاہ کارڈ اچھا ہے گا۔" کا شان کا دل جل رہا تھا۔ اس نے بے دلی سے سب سے ماتھا کارڈ نکال کر باپ کے سامنے رکھا۔

"یہ اچھا خیر۔" انہوں نے کارڈ بیٹے کے سامنے لہرایا۔ حیرت سے اسے گھورا اس نے ڈر کر جلدی سے سر ہلادیا۔ "بھائی کا اظہار سوگ۔" عرفان نے تانیہ کے کانوں میں سرگوشی کی۔ وہ منہ بنا کر بیٹھا رہا۔

"یہ بتاؤ کہ چھٹیاں کب سے لے رہے ہو میرا خیال ہے کہ ایک مہینے کی درخواست دے دو۔" یوسف احمد کا کارڈ

پسند نہیں آیا پر جس کی شادی تھی۔ اسے پسند آگیا۔ تو خاموش ہو گئے۔ فریدہ کے یاد دلانے پر دوسری اہم بات کی طرف آئے۔

"اتنی ساری چھٹیاں لے کر میں کیا کروں گا؟" کا شان جھنجھلایا باپ کو بغور دیکھا وہ کچھ عجیب عجیب سوال کر رہے تھے۔

"بیٹا جی! آپ کی شادی ہے تو آپ ہی کو چھٹیاں لینی ہوں گی یا میں عرفان سے یہ سوال پوچھوں؟" یوسف احمد بیٹے کی طرف انگلی اٹھا کر اس کی بے توجہی پر گرج اٹھے۔ وہ ہکا بکارہ گیا۔

"میری شادی.....؟" کا شان حیران ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں موجود باقی نفوس ہنس دینے یوسف احمد کے علاوہ سب حقیقت سے واقف تھے۔

"جی اب اس عمر میں میرا تو دوسری شادی کا کوئی ارادہ نہیں تمہاری ماما کی جانب سے اجازت مل جائے تو اور بات ہے۔" یوسف احمد بیٹے کی ہوش شکل دیکھ کر شرارت پر آمادہ ہوئے۔ فریدہ نے ایک دم میاں کو آنکھیں دکھائیں۔

"اب یہ نہیں پوچھنا شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟" یوسف احمد نے خوشی دکھائی اور کارڈ سمیٹنے لگے۔

"یہ بی بی پوچھ رہا ہوں کہ آخر میری شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔" وہ کڑواہٹ سے لگا۔

"فریدہ! ذرا اسنے لاؤ لے کو چھو کر دیکھو بخار وغیرہ تو نہیں جو دماغ کو چڑھ گیا ہو۔" ماموٹول باپ سے بخول کر رہا ہے۔ ارے مفرح کے ساتھ ہو رہی ہے اور کس کے ساتھ ہوگئی؟" وہ غضب ناک ہو کر بیوی کی طرف مڑے۔ فریدہ نے بیٹے کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ یوسف احمد اپنا کام جھام سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گئے۔

"مما! کیا یہ سچ ہے؟" وہ ایک دم جوش میں پوچھنے لگا۔ چہرہ بھی خوشی سے دکنے لگا۔ ایسا لگا جیسے چاند سیاہ بدلیوں سے نکل آیا ہو۔

"ہاں..... بالکل سچ مفرح اور تمہاری ہی شادی

ہو رہی ہے۔“ فریدہ نے پیار سے اس کی چوڑی پیشانی چومی اور کہا۔

”وہ..... اجدا؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ کہیں ماں ناراض نہ ہو جائے۔

”کسی کوئی بات بھی نہیں وہ جو تم بچاری مفرح پر مسلسل شک کیے جا رہے تھے تو میں نے ہی نہیں سزا دینے کے لیے یہ شوٹا چھوڑا۔ وہ بچی تو اجدا سے بھی مخاطب بھی نہیں ہوئی۔ اس کا قصور اتنا ہی تھا کہ وہ بھی اس ہی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔“ فریدہ نے مسکرا کر کہا۔

”اوہ..... ماما! آپ لوگوں نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ سچ دنیا میں کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا جس سے آپ لوگوں کو تکلیف ہو۔ مفرح سے معافی دلوا دیں۔ میں نے جذبات میں آکر ایسا قدم اٹھایا جس کی تلافی ممکن نہیں۔“ کا شان نے دل سے معافی مانگتے ہوئے ماں کے ہاتھ چومے۔

”بھائی کیا خیال ہے شادی پر وہ سیاہ رنگ والا کارڈ چھپواتا ہے؟“ عرفان نے باڈولا یا تو اس کو اپنی بے وقوفی پر ہنسی آئی۔

”نہیں اوائے اب تو کوئی چمکا دمکا شوخ رنگ کا کارڈ مابودت کی شادی پر چھپنا چاہیے۔“ کا شان کی آواز میں شوخی کی لہر جاگ اٹھی۔ سب نے اس کے انداز پر اطمینان بھرا سانس لیا۔

”اب اسے کیسے مناؤں جو زندگی کا حاصل ہے۔“ کا شان نے پریشانی سے سوچا۔ وہ مدد حاصل کرنے کے لیے ماں کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆

شاندار ہال رنگ و بو کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جھلملاتی روشنیوں میں اہلی چھوہوں سے کی گئی سجاوٹ نگاہوں کو بہت مہلی لگ رہی تھی۔ کا شان دلہنا کریم شیرانی زیب تن کیے، میردن چٹکے کو کاندھے پر لٹکائے اور سلیم شانی جو تے پکین کر کے کھڑا ہوئے کم نہیں لگ رہا تھا۔ ایک طرف فریدہ فخر سے سر اٹھائے کھڑی تھیں تو دوسری طرف

تانیہ شرابہ پہنے بھائی کا بازو تھامے مسکراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔ رقیہ نے مسکرا کر بارات کو خوش آمدید کہا اور بڑھ کر بھنائی کے ہاتھوں میں گھرے پہنائے۔ ساری کنز باراتوں میں گلاب کی بتیوں سے بھری چٹائیں تھامے کھڑی تھیں۔ بارات کو آدیکہ کر پھول چھاور کیے گئے۔ شان کو دیکھتے ہی ساری کنز سالیاں بن کر اس سے چھبیر چھاڑ میں مشغول ہو گئیں۔

”بھائی! ذرا ڈریٹنگ روم کی طرف چلیں۔ بھابی کے ساتھ آپ کا فوٹو سیشن ہوتا ہے۔“ عرفان نے نکاح کے چھوارے بانٹنے کے بعد اس پر آ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ کا شان بھائی کا ہاتھ تمام کر مفرح کے ساتھ تصاویر اور مودودی بنوانے کے لیے ڈریٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

مفرح قیمتی عروسی لباس جو کا مدار سفید قمیص، ہائٹ گرین ڈھکا کا باجی اور عینوں کے کام سے بنے پڑے سرخ ڈوپٹے پر مشتمل تھا اسے زیب تن کیے بے اختیار خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ شان کو یوں سامنے دیکھ کر شرمائی۔ دلکش میک اپ، ہاتھوں حیرتوں پر لگی نازک سے تیل بوئے دالی ہندوی کے ساتھ کا شان کے دل کو بے قابو کیے جارہی تھی۔ کا شان نے نگاہ اٹھا کر مفرح کا یہ روپ نگاہوں میں بسایا، وہ اب اس کی منکوحہ بن چکی تھی، یہ سوچ کر ہی اس کے اندر سے انوکھے سے جذبے بیدار ہونے لگے، محبت کا سیلاب اٹھنے لگا۔ اس کی سحر آنکھوں کی گرفت میں مقید ہو کر مفرح کے دل کی دھڑکن بے قرار ہو اٹھی۔ اچانک محبت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ چند پرفیشنل فوٹو گرافر اندر داخل ہوئے۔ سیٹنگ کے بعد فوٹو سیشن شروع ہو گیا۔

”پلیز یہ ہاتھ ایسے رکھیں۔“ فوٹو گرافر نے مفرح کا ہاتھ تھام کر وہ پڑے ایک خاص اسٹائل سے پکڑ لیا۔ کا شان چونکا اسے یہ بات ناگوار گزری۔

”دہن کے کچھ پوزا کیے بنالو۔ اس کے بعد کل فوٹو بنیں گے۔“ ایک فوٹو گرافر نے اپنے کمرے کو زوم کرتے

ہوئے دوسرے سے کہا جواب مفرح کو دوسرے اسٹائل میں کھڑا کر دینے لگا۔

”اچھا اب ایسے کھڑے ہو کر یوں ماتھا پٹی پر ایک انگلی رکھیں۔“ وہ لڑکا ابھی مفرح کا ہاتھ ایک خاص انداز میں ماتھے پر رکھ رہا تھا کہ کا شان نے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔

”پلیز..... مجھے بتائیے کیسے کرتا ہے؟ میں کتنا جاؤں گا۔“ اس نے فوٹو گرافر کو ہٹا کر تائید کی تو وہ منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔

مفرح جو مودوی اور فوٹو گرافی کرنے والوں کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ کا شان کی حرکت کو بغور دیکھنے لگی۔ اسے لگا کہ کا شان نے ایک بار پھر غلط سمجھا۔

”اف! کیا ساری عمر میں ان کے شک کے سائے تلے زندگی گزاروں گی۔ انہوں نے مجھ سے اور تائی اماں سے کتنی معافی مانگی تھی مگر یہ بھی نہیں بدل سکتے۔“ آنسو نکلنے کو بے قرار ہوئے۔ اس نے بڑی بے دلی سے فوٹو سیشن مکمل کروایا۔ کا شان کو اندازہ نہیں ہوا کہ مفرح کے دل میں ایک گرہ پڑ چکی ہے۔

☆☆☆☆

بیٹا! کتنے دن ہو گئے شادی کو تم لوگ کہیں محم پھر آؤ نا۔“ فریدہ نے بہو بیٹے کو آتے دیکھا تو مسکرا کر کہا۔

”ہاں شان تم ہماری بیٹی کو لے کر پاکستان ٹور پر نکل جاؤ۔ یہ کیا کہ اسے گھر میں قید کر کے رکھ دیا ہے۔“ یوسف احمد نے بھی بیٹی سے ملاؤ دکھایا۔

”نہیں تایا! اب تو کہہ رہے تھے میں نے خود متع کر دیا۔ ابھی چند دن آپ لوگوں کے ساتھ گزار لوں۔ گھوٹنے کو تو عمر پڑی ہے۔“ مفرح گلابی لباس میں ایک اداس لگی بیٹی ہوئی تھی۔ ساس سسکی پینکشن کو مسترد کر دیا۔

”بھابی! آپ کیسی بورنگ ہو نا نا اچھا موقع مل رہا ہے محم پھر آؤ ہاں دل بھلانے کے لیے مجھے بھی ساتھ لے چلو۔“ عرفان نے مسکرا کر اسے چھبڑا۔ وہ بڑی مشکلوں سے ایک پھلکی سی مسکراہٹ لیوں تک لاسکی۔ شان نے

ٹھنڈی سانس بھر کر پہلے بیوی پھر ماں کو دیکھا۔ فریدہ کو اندازہ ہوا کہ دل میں کچھ کالا ہے۔

☆☆☆☆

”یار اب تو موڈ ٹھیک کر لو سچ میں شادی کے اتنے دن گزر گئے تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔“ شان نے پیار سے مفرح کے کان میں سرگوشی کی، وہ ناگواری سے اسے دھکا دیتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب جب کہ کا شان نے اپنے آپ کو شیت راہولی پر ڈال دیا تھا تو مفرح کی آکر ختم ہونے کا نا نہیں لے رہی تھی۔

”اچھا سنو بھلے مجھ سے بات نہ کرو مگر چلو پاکستان ٹور پر چلتے ہیں تھوڑا سیچ ہو جائے گا۔ سچ بھانے لگی بار پوچھا ہے کہ مفرح کو لے کر ایک ہفتے کے لیے مری وغیرہ نکل جاؤ، چشیاں شتم ہو جائیں گی۔ کل بازار چلتے ہیں تم وہاں جانے کے لیے جو شاپنگ کرنا چاہو کر لینا۔ میں اگلے ہفتے کی ٹکٹ کروالیتا ہوں۔“ شان نے مفرح کا ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے کہا تو اس نے کچھ سوچ کر حامی بھر لی۔

”بھائی! ماما بلا رہی ہیں جلدی سے ان کے کمرے میں پہنچ جائیں۔“ تانیہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔ اعلان کر کے بھاگ گئی۔ اس کے پیچھے پر وہ دونوں مسکرا دیے۔

”شکر ہے تانی کے بھانے ہی تم نہیں تو۔“ کا شان نے بیوی کو قربان ہونے والی نگاہوں سے دیکھا۔ مفرح اس کے جذباتوں کے زیر اثر آنے لگی۔

”تائی اماں انتظار کر رہی ہوں گی جائیں۔“ وہ اس کی نگاہوں کے سحر سے باہر آنے کے لیے ایک دم بیٹھ سے نیچتر گئی۔ کا شان ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا۔ بال درست کرتا ہوا ماں کے کمرے کی طرف بڑھا۔

”یہ تم دونوں کے سچ چل کیا رہا ہے؟ تم شادی کے بعد بھی نہیں بدلے۔ کیا پھر کوئی نیا شو کھڑا کر دیا ہے؟“ سب کے اپنے اپنے کام دھندوں پر نکل جانے کے بعد انہوں نے موقع دیکھ کر اکیلے میں بیٹھ کر بولایا۔ کا شان نے بارات والے دن اور فوٹو سیشن کا پورا واقعہ ماں کو کہہ سنایا۔



داخل ہوا تو اندھیرے کا سامنا ہوا۔ اس نے لائٹ جلا لی تو
 ٹیکے میں منہ دیے مفرح کو روتا دیکھ کر بے چین ہوا تھا۔
 ”پلیز چپ ہو جائیں مجھے معاف کر دیں۔ ضروری
 نہیں کسی کی ہاسی کی غلطیوں کی وجہ سے اسے عصب کی
 نگاہ سے دیکھا جائے۔ اسے ہمیشہ غلط ہی سمجھا جائے اور
 اپنے حال کو تباہ کر لیا جائے۔ غلط آپ نہیں میں ہی جو ایک
 غلط بات کو دل سے لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ اس وقت ٹھیک تھے
 اگر آپ کی غیرت کو گوارا نہ تھا کہ کوئی مجھے اس طرح سے
 ہاتھ لگائے تو بیوی ہونے کی حیثیت سے میرا بھی یہ فرض
 تھا کہ آپ کے جذبات کو سمجھوں۔“ مفرح نے کیلی
 آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں سے شوہر کو دیکھا اور ہاتھ جوڑ
 کر بولی۔ شان کشی سے مسکرایا مفرح آج بھی اس کے
 دل کی دھڑکن تھی۔ زندہ رہنے کے لیے اس کی ضرورت تھی
 وہ اس سے کیسے منہ موڑتا۔

”او میرے مالک تیرا شکر ہے۔ زوجہ محترمہ نے
 میرے پوائنٹ کو تو سمجھا۔ مجھے صبح جانا، نوازش، کرم
 شکر، مہربانی۔ ہمیں بخش دی آپ نے زندہ گائی۔“
 اس نے تنگنا تے ہوئے سکون کی سانس لی۔ خوشیاں
 ناچ اٹھی، انگلیں جوان ہوئیں غم کے بادل کیا چھٹے۔ وہ
 شوخ ہونے لگا۔
 ”سنیں کل مجھے نئے سوٹ شال، شووز اور ٹور پر جانے
 کے لیے بہت ساری دوسری چیزوں کی شاپنگ کرنی
 ہے۔“ وہ بھی ادائے دلیری سے بولی۔ کاشان نے مسکرا کر
 سر تسلیم خم کیا۔ مفرح کی آنکھوں میں جھانکا۔ محبت کے ان
 گشت جگنوٹس جاباں کی طرح جگمگاٹھے۔



”بس مہر! مفرح اسی دن سے خفا ہے۔ وہ مجھے غلط سمجھ
 رہی ہے۔ میں کوئی شک نہیں کر رہا تھا۔“ کاشان نے
 فریدہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔
 ”اف یہاں تو پوری دال ہی کالی لگی۔ لڑکے تو سب
 کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمیں کیا اعتراض تھا؟ آج کل اسی
 طرح سے پرفیشنل فوٹو گرافر تصاویر بناتے ہیں۔“ فریدہ
 نے سر پٹ لیا اور خفگی سے بولیں۔

”مہر! آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہیں اگر سب غلط
 کر رہے ہیں تو میں بھی اسی رنگ میں رنگ جاؤں۔ ذہن
 اپنے شوہر کے لیے جتنی ہے۔ ویسے تو ہم کسی نا محرم کو اپنی
 خواہشیں کے ارد گرد پھٹکنے بھی نہیں دیتے، پھر فوٹو سیشن کے
 نام پر ایسی کھلی چھوٹ کیوں دے دی جاتی ہے۔ آپ لوگ
 کچھ بھی سمجھیں مگر مجھے تو یہ بات گوارا نہیں ہوئی کہ میری
 بیوی جو میری عزت ہے اس کے ساتھ ایسا کیا جائے۔“
 کاشان مزاج کے برخلاف بہت تحمل سے ماں کو اپنا فکرت
 سمجھانے لگا۔ مفرح جو فریدہ سے دوپہر کے کھانے کا
 پوچھنے کے لیے آئی تھی۔ شوہر کی ساری باتیں سن کر وہیں
 گھڑی رہ گئی۔

”میں ان کو کتنا غلط سمجھ رہی تھی یہ تو میری عزت کا پاس
 کر رہے تھے۔“ مفرح نے خود کو گھر کا اس کا دل کاشان
 کی محبت کے آگے سرگموں ہونے لگا۔ اس کی بات بالکل
 ٹھیک تھی۔ مفرح نے بلاوجہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔
 ”بیٹا! پھر بھی.....“ فریدہ نے فخر سے بیٹے کو دیکھا۔
 ”مہر! اس دفعہ میں غلط نہیں ہوں نہ ہی مفرح پر شک
 کر رہا ہوں۔ اب وہ بچوں کی طرح بات کو سمجھے بغیر اس
 بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہے۔“ کاشان نے بہت آرام
 سے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔ اس کے لہجے میں بیوی کے لیے
 پیار ہی پیار تھا زندگی میں پہلی بار فریدہ نے بیٹے کی بات
 سے اتفاق کیا۔

.....☆☆☆.....

”مفرح! کیا ہوا خیریت تو ہے پلیز بتا دو کیوں رو رہی
 ہو کیا مجھ سے پھر کوئی غلطی ہوئی ہے؟“ وہ کمرے میں

شب کی کہش
 طاہرہ کفرالہادی

سردیوں کا موسم ہے بریلی ہوائیں ہیں

سال نو آچکا، جنوری کی شائیں ہیں

اداسیوں میں لیے ہوئے ماہ و سال گزرے ہیں

چلے آؤ کہ صدیوں سے ترسی ہوئی نگاہیں ہیں

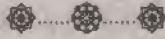
گزشتہ قسط کا خلاصہ

صمد حسن اور ان کی فیملی کی کہانی ہے جنہیں ان کے والدین کی رحلت کے بعد کرل شیر علی اپنا بیٹا بنا کر گھر لے آتے ہیں اور بعد ازاں اپنی بیٹی مریرہ رحمان کی شادی ان کے ساتھ طے کر دیتے ہیں۔ مریرہ رحمان کی بڑی بہن مریرہ رحمان کی شادی ان کے سگے بیٹے سکندر علوی کے ساتھ طے ہوتی ہے مگر سکندر علوی بیرون ملک اپنی ایک کلاس فیلو کے ساتھ شادی رچا کر وہیں کے ہو رہے ہیں جس کی خبر مریرہ کو ہوتی ہے تو وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ صمد حسن اور مریرہ رحمان کے دو بچے زاویار صمد اور درکنون صمد ہیں۔ بعد ازاں دونوں کے راستے ایک چھوٹی سی غلط فہمی سے الگ ہو جاتے ہیں تو زاویار صمد حسن صاحب کے پاس رہ جاتا ہے جبکہ درکنون کو مریرہ بیگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ پھر بیرون ملک سکندر علوی کثرت شراب نوشی کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو کرل شیر علی اس کی بیٹی عاتکہ علوی کو اپنے ساتھ پاکستان لے آتے ہیں۔ زاویار بے حد اچھے مزاج کا شخص ہے لندن میں اس کا سارا وقت اپنے انگریز دوستوں جوٹی رابرٹ اور ایک کے ساتھ گزرتا ہے وہیں اسٹور پر کام کرنے والی ایک لڑکی ہوزان اس کی دیوانی ہے۔ درکنون اپنی ماں مریرہ کا بزنس سنبھال لیتی ہے اس کے آفس میں صیام آفندی جو اس کا پرنسپل سیکرٹری ہے اس سے محبت کرتا ہے مگر اظہار نہیں کرتا۔ صمد حسن کی زندگی میں نامساعد حالات کے سبب دوسری آنے والی عورت سارا احمد ہے جن کے والد صمد حسن صاحب کے بزنس پارٹنر ہیں اور انہی کے بچنے کے ساتھ سارا بیگم کا نکاح ہو چکا ہے مگر وہ آوارہ مزاج انسان ثابت ہوتا ہے اور سارا بیگم کے طلاق کے مطالبے پر ان کی عزت بر باد کر کے انہیں طلاق دے دیتا ہے۔ سارا بیگم کی بیٹی پریمان اس حقیقت سے بے خبر ہے اور اپنی ماں کو گناہ گار سمجھتی ہے کیونکہ اس کا منگیترا ساویرہ آفندی جو صمد حسن صاحب کے قریبی دوست احمد آفندی کا اکلوتا بیٹا ہے اسے ناجائز سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے وہ بھی لندن اپنے یونیورسٹی فیلوز کے پاس آ جاتی ہے۔ ساویرہ آفندی کی ماں سعدیہ آفندی کرل شیر علی کی پوتی عاتکہ علوی کے منگیترا سعدیہ علوی کی بھی حقیقی ماں ہیں۔ سعدیہ کرل شیر علی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آری جوان کر لیتا ہے۔ دوسری طرف کرل شیر علی کی جگہری دوست ملک اظہار اور زلیخا بی کا بیٹا عمر عباس مریرہ رحمان سے عشق کرتا ہے مگر مریرہ کو اس کے سچے جذبات کی خبر نہیں۔ ملک اظہار کی ساری فیملی ان کی حویلی میں دن بے دن اسی حویلی کے راز جاننے کے لیے ان کی پوتی اور عمر عباس کی بیٹی شہزادہ پاکستان آتی ہے۔ صمد کے آنے کے بعد مریرہ کو اس کی طرف بے قراری سے بڑھنے پر عمر کے اندر کچھ ٹوٹتا ہے۔ عمر اس کو ہر گز رے ہوئے وقت کو یاد کرنے لگتا ہے عمر شروع سے ہی غصہ کا تیز رہا ہے۔ کرل صاحب کو بھائی اور بھائی کی اچانک رحلت نے تو ڈر کر رکھ دیا ہے بریرہ اور مریرہ کی ذمہ داری ان پر آ گئی ہے اس

صدے سے بھی ابھی نکلے ہی نہیں کر اکلوتے بیٹے نے ملک سے باہر جانے کی ضد باندھ لی اور گھر سے زیور اور نقدی چرا کر ملک سے باہر چلا گیا۔ کرل صاحب بریرہ اور مریرہ کو لے کر گاؤں آ جاتے ہیں۔

شہزادہ کا ارادہ حویلی میں رکھنے کا تھا لیکن شہزادہ (شہزاد کی ماں) اور عمر کے منع کرنے پر وہ مریرہ کے ساتھ شہر آ گئی ہے۔ شہزادہ کو احساس دلاتی ہے کہ وہ صمد حسن اور اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے لیکن مریرہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ درکنون ساویرہ سے شادی کا فیصلہ کر کے مریرہ کو شہر کر دیتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے مریرہ اس رشتے کو مسترد کر دیتی ہے جس پر درکنون بھی نہ شادی کرنے کا فیصلہ بنا دیتی ہے۔ شہزاد صیام سے پہلی نظر میں محبت کرنے لگتی ہے صیام سے شہزاد کی سرسری سی ملاقات درکنون کے آفس میں ہوتی ہے۔ درکنون عبدالحسان (صیام کا دوست) سے صیام کی حساب کتاب کر کے اور اسے آفس سے نکالنے کا کہتی ہے لیکن پھر شہزاد کی فرمائش پر ہی صیام کو واپس جاب پر رکھ لیتی ہے۔ شہزاد اپنی پہلی نظر کی محبت کا درکنون کو بتاتی ہے۔ سارا بچپن سے ہی ماں کے وجود سے محروم تھی جبکہ باپ نے بہت لڑائی پیار سے انہیں پالا ہے وہ جو اسٹ فیملی میں رہ رہی تھیں بچپن میں ہی ان کا نکاح والد کی مرضی پر چچا کے بیٹے عذیر ترمذی سے ہو گیا تھا۔ عذیر ایک بد معاش انسان ہے اس بات کو جانتے ہوئے سارا کے والد اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو عذیر سارا کی عزت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ صمد حسن کو اس واقعے کی خبر ہوتی ہے تو وہ سارا کے والد کو حوصلہ دیتے سارا کو اپنانے کی بات کرتے ہیں۔ سعدیہ کے جانے پر عاتکہ اداس ہے سعدیہ اسے اپنی ٹریفنگ کے حوالے سے بتا کر ملک کے حالات بھی اس کے سامنے رکھتا ہے جس پر عاتکہ اس کی معلومات کو سراہتی ہے۔

اب آگے بڑھیے



مجھے تم بھول جاؤ گے کہا تھا ایک دن میں نے

وہ بولا ہو نہیں سکتا

مجھے میں کھ نہیں سکتا

کہ میری جان تجھ میں ہے

میرا رمان تجھ میں ہے

تجھے جس دن دیکھوں میں

میں اس شب سو نہیں سکتا

تجھے میں کھ نہیں سکتا

ملا ہے خط بنے پڑھ کر بھروسہ دیا میں نے

لکھا ہے اس نے یہ خط میں

کہ مجھ کو بھول جاؤ تم کہ تم کو کھو دیا میں نے

دروازے پر دستک جاری تھی۔ سعدیہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا باہر کرل شیر علی تھکن زدہ چہرہ لیے کھڑے تھے وہ سائینڈ پر ہو گیا۔

”السلام علیکم! آپ کہاں چلے گئے تھے صبح صبح؟“

”علیکم السلام۔“ کرل شیر علی نے صرف اس کے سلام کا جواب دیا تھا اس کا سوال وہ گول کر گئے تھے۔ سعدیہ متشکر سالن کے پیچھے ہی کمرے میں چلا آیا۔

”کیا بات ہے بابا! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔“ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ کرل شیر علی نے جواب میں سرسری سی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے بس تھوڑا تھک گیا ہوں۔ پہلے ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا پھر قبرستان چلا گیا تھا۔“

”قبرستان کیوں؟“
”بریرہ کی قبر پر گیا تھا آج برسی ہے اس کی اور آج کے دن ہی سالوں پہلے مریرہ نے میری گود میں آنکھ کھولی تھی۔“
”اوہ.....“ سدید نے تاسف سے سر ہلایا۔ ”کیا آپ کو ان کی یاد آ رہی ہے؟“
”جانتا ہوں۔“ سدید نے تھوڑی دیر میں تین کپ چائے لٹائی تو وہ بستر میں دبک گئے۔
”پینکٹ مکمل ہو گئی تمہاری؟“
”جی ہا۔“

”تمہیں پتا ہے سدید! چند سال پہلے جب تم اپنے ماموں کے گھر سے بھاگے تھے میں نے اپنے دو بچوں کو ایک ساتھ کھویا تھا سکندر اور مریرہ..... دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔ مجھے لگا کہ رت نے مجھے سکندر علوی کی جگہ تمہیں دے دیا ہے انکل ویسے ہی جیسے مریرہ کی جگہ عائدہ میری گود میں ڈال دی تھی اس نے۔ میں اس وقت تمہاری کہانی سے واقف نہیں تھا۔ تم میری گاڑی سے نکلے پورے دو سال کوہ میں رہے اور میں ان دو سالوں میں پل پل اذیت کی سو لی پر لنگار ہا۔“ سدید کے جواب پر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا۔
”میں اس شہر کے راستوں سے واقف نہیں تھا صرف مریرہ کی تلاش مجھے وہاں لے گئی تھی کیونکہ اس کا بیٹا بہت بیمار تھا۔ اس وقت پہلی بار میں نے صمد حسن کو بے بسی کے ساتھ روتے دیکھا تھا بلند حوصلہ والے صمد کو مگر مریرہ نہیں ملی تم مل گئے۔ پورے دو سال میں تمہارے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ کر سکا بعد میں جب خدا نے تمہیں زندگی بخشی اور تم نے بتایا کہ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے تب مجھے لگا تم سکندری علوی نہیں صمد حسن ہو۔ وقت ایک مرتبہ پھر روپ بدل کر میرے سامنے کھڑا ہوا تھا مگر..... تمہیں پتا ہے آج میں اس عورت سے ملا ہوں جو تمہاری ماں ہے جس کے وجود سے تم نے جنم لیا ہے جو کسی بے بس پرندے کی طرح تمہیں صرف ایک نظر دیکھنے کو تڑپ رہی ہے۔“ اپنی دانست میں کرل صاحب نے دھماکہ کیا تھا ان کی اداسی کی اصل وجہ سامنے آ گئی تھی مگر سدید کے چہرے کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ جیسے اس حقیقت سے پہلے ہی واقف تھا۔

”کہاں ملی وہ عورت آپ کو؟“ قطعی سپاٹ لہجے میں اس نے پوچھا جیسے اپنی ماں کے بارے میں نہیں کسی اجنبی عورت کے بارے میں بات کر رہا ہو۔ کرل صاحب کے ساتھ ساتھ عائدہ کو بھی بے حد حیرانی ہوئی۔
”صمد حسن کے گھر پر۔“

”میرا اب اس عورت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے بابا! وہ عورت میری ماں نہیں ہے کیونکہ ماں صرف جنم نہیں دیتی اپنا ہوا بلا کر زمانے کی ساری سختیاں سہہ کر پاتی بھی ہے بہر حال میں آج رات جلا جاؤں گا۔ امید کرتا ہوں آپ اس عورت کو میرا کوئی سراغ نہیں دیں گے ورنہ میں سچ کہہ رہا ہوں بابا! میں لوٹ کر نہیں آؤں گا بالکل مریرہ آئی کی طرح۔“ قدرے خشک لہجے میں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہاں ٹھہرا نہیں تھا پیچھے کرل صاحب اور عائدہ کتنے ہی بل حیرانی میں ڈوب رہے تھے۔



ہم تہلی تھے ہم جگنو تھے ہم رنگ برنگے پنچھی تھے۔
کبھی ماہ و سال کی جنت میں ماں ہم دونوں بھی سا جھی تھے

میں چھوٹا سا اک بچہ تھا
تیری انگلی تھام کے چلتا تھا
تو دور نظر سے ہوتی تھی
میں آنسو آنسو روتا تھا

اک خواب کا روشن بستہ تو ہر روز مجھے پہناتی تھی
جب ڈر جاتا میں راتوں کو.....
تو اپنے ساتھ سلائی تھی
ماں ٹوٹے اتنے برسوں تک

اس پھول کو سینچا تھا ہوں سے
جیون کے گہرے بیدوں کو میں سمجھا تیری باتوں سے
میں تیرے ہاتھ کے نیچے پر
ماں اب بھی رات کو سوتا ہوں

ماں میں اک چھوٹا سا بچہ ہوں تیری یاد میں اب بھی روتا ہوں

شب کی خاموشی گھڑیاں دھیرے دھیرے اپنا سفر مکمل کر رہی تھیں۔ پورے گھر پر خاموشی کا راج تھا ہر جگہ عجیب سی وحشت ڈیرہ جمائے بیٹھی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ کروڑوں کی مالیت سے بنے اس گھر میں بھی ان کے لیے کہیں سکون نہیں تھا آج پھر ان پر دورہ پڑا تھا۔

اپنے نخت جگر محبوب بیٹے سدید علوی کی محبت کا دورہ جسے زندگی کی عیش و عشرت کے لیے انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا تھا۔ وہ سدید علوی جوان کے پہلے محبوب شوہر کی نشانی تھا مگر وہ اسے اپنے بھائیوں کے سپرد کر کے خود دنیا کی ٹھوکروں میں رولنے کے لیے چھوڑا بیٹھی تھیں۔ نئی منزلوں کی چاہت میں پرانے در پیچے بند کر آئی تھیں مگر کیا ہوا تھا؟ ان پرانے در پیچوں کے بند ہوتے ہی ان کی سانس گھٹنے لگی تھی۔ آج کیا نہیں تھا ان کے پاس؟ مگر پھر بھی وہ نیند کی گولیوں کا سہارا لے کر چند گھنٹیاں آرام کرتی تھیں اور پھر بڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں کبھی کبھی انسان سب کچھ پا کر بھی بالکل تہی دست رہ جاتا ہے وہ بھی رہ گئی تھیں۔

نیا شوہر شندار گھر، کروڑوں کا بینک بیلنس، قیمتی گاڑیاں، نوکر چاکر سب کچھ پا کر بھی ان کا دامن بالکل خالی تھا۔ ان کے رئیس باپ اور بھائیوں نے انہیں سب کچھ دیا تھا سوائے سکون کے اور وہ کتنی سفاک تھیں کہ اپنا سکون انہی لوگوں کے پاس چھوڑا بیٹھی تھیں جو ان کے بچے کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے اس کے گھر سے بھاگنے کے باوجود بجائے انہیں انعام کرنے کے ”سب ٹھیک ہے“ کی رپورٹ دیتے رہے تھے۔ سوسائٹی میں بے حد شہرت اور اونچا نام..... پا کر بھی اسے سکون نہیں آج زندگی ان کی من پسند تھی اس کے باوجود انہیں اپنا آپ خالی لگتا تھا۔

سوا پڑا آنندی جیسا بے حد ذہین اور قابل بیٹا درپہ جیسی بے حد حسین اور فرماں بردار بیٹی پا کر بھی ان کے اندر کہیں گہنہ نہیں رہتی تھی۔ کہاں کی گہی؟ انہوں نے زندگی میں جو کھویا تھا اپنی مرضی سے کھویا اور جو پایا تھا وہ بھی اپنی مرضی

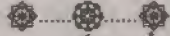
سے پایا تھا تو پھر بے سکوئی کیوں تھی؟ یہ اندر کا خالی پن کیوں ہر مل انہیں بے کل کیے رکھتا تھا؟ وہ اچھی بیٹی نہیں تھیں انہوں نے اپنی پہلی شادی اپنے ماں باپ کا دل دکھا کر ان کی مرضی کے خلاف کی تھی۔ اس وقت ان کا خیال تھا کہ محبت کے بغیر زندگی بے کار ہوتی ہے مگر بعد میں اسی محبت کی آزمائشوں نے انہیں اتھاڑا لایا بھی کیا نہیں تھا ان کے پاس جان سے بڑھ کر پیار کرنے والا بے حد خیال رکھنے والا اینڈیل شوہر..... چھوٹا سا مگر بے حد صاف ستھرا علیحدہ گھر..... سدید جیسا بے حد خوب صورت حساس بیٹا..... محبت کی اس چھوٹی سی ریاست میں ان کا مقام ہرگز کسی ملکہ سے کم نہیں تھا مگر اس وقت وہ بے سکون نہیں ناخوش تھیں۔ ان دنوں شاندار گھر اے سی قیسی کا گڑی عمہ بلوسات ان کی خواہشات کی فہرست میں پہلے نمبر پر تھے۔ انہیں محبت اور دنیاوی آسائشات ساتھ ساتھ درکار تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی جس نے شادی کے محض دو سال بعد ہی ان کے محبوب شوہر کو پریشان رکھنا شروع کر دیا تھا۔

صرف انہیں ہر خوشی دینے کے لیے وہ تین تین جگہ جاب کرتے تھے جس روز ان کا ایکسٹرنٹ ہوا اس روز بھی وہ ایک جاب سے فارغ ہو کر دوسری جاب کے لیے نکل رہے تھے زندگی میں ایک طوفان آیا اور پھر ٹھم گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی محبت کی شدتیں کمزور پڑنے لگی تھیں۔ مٹی کے اس ڈھیر تلے صرف ان کے محبوب شوہر کی تدفین ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی محبت ان کے جذبات ہر مشکل کو صبر سے برداشت کرنے کے ارادے سب دن ہو گئے تھے۔ ان کے والد صاحب ان سے سخت ناراض تھے مگر جس وقت انہوں نے خوفون کر کے انہیں روتے ہوئے اپنے پاس ہونے کی اطلاع دی تھی وہ فوراً انہیں لینے آ گئے تھے اور ان میں ایک مرتبہ پھر اپنے باپ کا دل دکھانے اور ان کی تاثراتی کرنے کا حوصلہ نہیں تھا ابھی وہ اپنے محبوب شوہر کے گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی آئیں۔ دوسری شادی ان کی خواہش نہیں تھی مگر وقت نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ احمد آفندی صاحب کے والد ان کے والد کے ناصر گھر سے دوست تھے بلکہ بڑے باشر بھی تھے یہی کسی ذیل کی طرح ان کی شادی قائل ہو گئی اور وہ صرف اپنے باپ بھائیوں کی عزت کے لیے بالکل خاموشی سے مسز علوی سے مسز آفندی بن گئیں۔ انہیں احساس تھا کہ اس ساری ذیل میں ان کے لاڈلے بیٹے سدید علوی کا نقصان ہوا ہے مگر اس وقت انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ اس ساری ذیل کے سبب آنے والے وقت میں خود ان کی اپنی ذات کا کتنا نقصان ہونے والا ہے۔

احمد آفندی صاحب ایک بے حد شکی اور قدرے خشک مزاج رکھنے والے انسان تھے۔ شادی کے محض ایک سال بعد ہی اس نے انہیں دن میں تارے دکھانا شروع کر دیے تھے۔ ہر بات میں خشک اور کٹھن چینی ہر عمل میں طنز اور تھک ان کے مزاج کا حصہ تھا لہذا وہ جنہوں نے شوہر کا صرف پیاری پیاری دیکھا تھا بہت جلد بکھرا شروع ہو گئی تھیں۔ انہیں لگتا تھا جیسے انہیں اپنے معصوم بیٹے کی آہ لگی ہے جسے وہ نئے سفر کا آغاز پر اپنے بھائی بھائیوں کے سپرد کر کے چلی آئی تھیں۔ وہ روز گھروں کر کے اس کی خیریت پوچھتی اور ان کی بھابیوں روز انہیں سب ٹھیک ہے کا مسئلہ دے کر مطمئن کر دیتیں۔ ان کے والد اور بھائی ہر ملاقات پر انہیں تسلی دیتے کہ ان کے بیٹے کا مستقبل بہت روشن ہے وہ اس کا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔ اس کی بہترین تعلیم کے لیے اسے ملک سے باہر بھجوا رہے ہیں اور وہ بس اسی پر مطمئن ہو گئی تھیں۔ انہیں خبر ہی نہیں ہو سکی کہ ان کا بیٹا گھر سے بھاگ بھی سکتا ہے وہ کسی مشکل کسی انہونی کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ خبر ہوتی ہی کیسے؟ انہی دنوں تو سوازیہ ان کی گود میں آ گیا تھا اور وہ جو شوہر کے رویے پر حقدور تکلیف میں رہی تھیں ایک ننھے سے وجود کا آسرا پا کر بالکل بچوں کی طرح بہل گئیں۔ سوازیہ کے بعد درجہ کی پیدائش نے انہیں اور بھی مصروف کر دیا ہے میں وہ صرف تھوڑے سے وقت کے لیے میک آئی تھیں اور سدید کے بیرون ملک بہترین تعلیمی کارکردگی کا سن کر خوشی خوشی واپس لوٹ جاتی تھیں۔

اس وقت انہیں کسک تھی کہ ان کا بیٹا ان سے مل کر کیوں نہیں گیا؟ وہ بس ایک بار ان کے پاس ہسپتال آیا تھا جب انہوں نے ساویز کو آپریشن سے جنم دیا تھا مگر اس وقت بھی آفندی صاحب کی موجودگی کے سبب نہ وہ اسے پاس بلا سکی تھیں نہ پیار کر سکی تھیں۔ انہیں اجازت ہی نہیں تھی۔ ان کے والد اور بھائیوں نے احمد آفندی اور ان کے والد کو صرف ان کی ناکام شادی کا بتایا تھا ایک عدد بیٹے کا نہیں بتایا تھا بھی وہ میکے بھی نہیں جاتی تھیں کہ کہیں آفندی صاحب کے سامنے ان کا بیٹا ان کے باپ کے جھوٹ کا پل نہ کھول دے۔ وہ اپنے بیٹے کی گناہ گار تھیں مگر اس گناہ کی سزا کتنی سنگین ہوگی یہ وہ نہیں جانتی تھیں۔ انہیں بہت بعد میں ان کے گھر والوں نے بتایا تھا کہ ان کا بیٹا ملک سے باہر نہیں گیا تھا بلکہ گھر سے بھاگ گیا تھا جب وہ لوگ اسے ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کر کے تھک گئے تو انہیں سب جج بتا دیا اور بس اسی دن سے ان کی سزا شروع ہو گئی تھی۔

انہیں وقتاً فوقتاً دورے پڑنے شروع ہو گئے تھے وہ ہر مل خاموش رہنے لگی تھیں انہوں نے احمد صاحب کی پروا کرنا اور ان کی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں سے بھی نہیں ملتی تھیں سوازیہ اور وہ یہ پریمی ان کی توجہ میں کی آئی تھی۔ بہت سے سال اسی جنون کی نذر ہو گئے تھے مگر ان کے اندر کے جنون میں کوئی کمی نہیں آئی۔ صرف ایک نظر اپنے محبوب شوہر کی واحد نشانی کو دیکھنے کے لیے کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی تھی انہوں نے ہر دربار پر منت مانگتیں ہر مزار پر چادر چڑھاتیں مسجدوں میں اجتماع میں ہر کہیں دعا کروادیں مگر وہ جو دنیا کی بھیڑ میں کھو گیا تھا وہ انہیں پھر دوبارہ نہیں ملا اور ملا بھی تو یوں کہ نظر اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہیں تھا اور اب..... اب ان کے دوسرے بیٹے کی زندگی کی کہانی شروع ہو گئی تھی۔ اب وہ تنہا تنہا بکھرتا شروع ہو رہا تھا اور کون جانتا تھا کہ تنہا تنہا ہو کر بکھرنے کا یہ ٹھیل کب تک جاری رہے گا۔



صیام کے والد کی رحلت ہو گئی تھی عبدالرحمان آفس آیا تھا مگر جلد ہی ہاف لیو پر چلا گیا۔ درکنون کو اسٹاف میں سے ہی کسی نے خبر دی تھی شہر زاد بھی اس روز اس کے ساتھ ہی آفس آئی تھی اور بے حد غمگین تھی۔
”دیکھا..... میں نے کہا تھا ناں ضرور اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے مگر تم نے حد ردی اس کی غربت اور مجبوری کو گالی بجا دیا تم نے۔“

”فارگا ڈسک یار..... یہ پاکستان ہے یہاں سارے لوگ اپنے ملازمین کے ساتھ ایسے ہی پیش آتے ہیں۔“
”کیا ضروری ہے درجہ کی ہر اخلاق سوز کام صرف پاکستان میں ہی ہو۔“
”صرف پاکستان میں نہیں یار! بھارت، بنگلہ دیش اور جانے کتنے ملک ہیں دنیا میں جہاں ملازمین کو ایسے ہی ان کی اوقات پر رکھا جاتا ہے۔“
”مگر کیوں؟ وہ محنت کرتے ہیں اور اپنی محنت کے پیسے لیتے ہیں۔ بھیک تو نہیں لیتے ناں پھر یہ تحقیر یہ ذالارت کیوں؟“

”تم جذباتی ہو رہی ہو شہر زاد! یہ اس معاشرے کی ریت ہے جسے بدلا نہیں جاسکتا۔ تم دیکھو کوئی بھی قاتل قتل کرتا ہے کسی کو موت دیتا ہے بدلے میں اسے بھی بدترین موت مرنا پڑتا ہے ناں مگر اس کے باوجود موت کے بدلے موت لینے کے باوجود جیل کی کال کوٹھڑی میں پچیس پچیس تیس سال جو ظلم جو دردنگی وہ برداشت کرتا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں مگر یہ اس معاشرے کا دستور ہے ان کے ساتھ خواہ کتنا ہی برا کر لیں کوئی ان کی فیور لگ کر ان کے لیے انسانیت کا درس یاد دینا رکھتا۔“

اب ہر دن خوبصورت

مکمل تحفظ مکمل تازگی



Butterfly
BREATHABLES

GIRL
TALK

facebook.com/GirlTalkByButterfly

”میری سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ دنیا اتنی بے حس کیوں ہمارے مذہب میں تو کہیں امیری غریبی کی تقریق نہیں باندیوں کے بھی حقوق ہیں غلاموں کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرنے پر بھی ثواب ہے۔ کسی انسان کو ایسے نارچہ کرنے اور بچپن بچپن تیس تیس سال قید کرنے کے بعد موت دینے کا تصور بھی نہیں ہے۔“

”ہاں اسلام ایسی ساری باتوں کی نفی کرتا ہے مگر ہم اسلام پر چلیں تب ناں اٹھی جھپٹے دنوں میں ایک ویب سائٹ پر دیکھ رہی تھی کہ ایک ہندو خاندان نے انسانی تقریق اور درجہ بندی سے تنگ آ کر اسلام قبول کر لیا بہر حال تم چھوڑو اس بحث کو مجھے ابھی بہت سارے کام پٹانے ہیں۔“

”کوئی کام نہیں پٹانا تم نے تم ابھی میرے ساتھ صیام کے گھر چل رہی ہو اس کے فادہ کی تعزیت کرنے۔“

”کیا..... تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟“

”اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے وہ تمہارا پرسل سیکرٹری ہے تمہارا فرض بنتا ہے تم دکھ کی اس گھڑی میں اس کا غم بانٹو۔“

”فون پر بانٹ لوں گی یا ر! مجھے ایسا اچھا نہیں لگتا کسی ملازم کے گھر جانا۔“

”وہ ملازم بعد میں ہے پہلے ایک انسان ہے اور میری اس کے لیے جو فیکٹو ہیں اس کے مطابق وہ تمہارا مستقبل برادران لاؤ بھی ہو سکتا ہے۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو شہر زادو!“

”ہاں ہو گئی ہوں مگر مجھے کوئی بچتا وانا نہیں ہے اب چلو پلیز۔“ اس سے پہلے کہ وہ مکون اسے کچھ اتنی وہ ڈر رہتی اس ہاتھ تھا مگر بیرونی دروازے کی طرف بڑھائی۔

”مجھے اس کے گاؤں اور گھر کا کوئی آئیڈیا نہیں۔“ گاڑی کا ڈور کھولتے ہوئے اس نے خشکی سے کہا مگر شہر زادو نے کان نہیں دھرے۔

”کوئی بات نہیں کسی سے پوچھ لیں گے۔“ اس کے لیے میں بے نیازی تھی اور پھر اسی بے نیازی کے ساتھ اس نے گاڑی اشارت کی تھی۔



صیام کے گھر میں عجیب سا سناٹا بکھرا تھا رشتے دار کوئی خاص تھا نہیں اور جو محلے کے چند لوگ تھے وہ تھوڑی تھوڑی دیر تک گرفتوں کرنے کے بعد دوبارہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ باہر مردانے میں بھی اس وقت صرف اس کے دوست ہی اس کے پاس بیٹھے پڑ سوتے رہے تھے۔ کتنی تکلیف سہی تھی اس کے باپ نے مگر وہ ایسا بد نصیب بیٹا تھا جو اپنے پیریاں باپ کا علاج کروا سکا نہ آخری بار ان سے کوئی بات کر سکا۔ وہ آفس میں تھا جب ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تھی وہاں موجود اس کے دوست نے اسے فوری کال بھی کی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے والد کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بار بار اسے بلارہے ہیں مگر وہ اس وقت میٹنگ میں تھا سو چاہتے ہوئے بھی دوڑ کر ہسپتال نہ پہنچ سکا۔ آفس ٹائمنگ کے بعد اس نے ہانگ ہسپتال کی طرف بھاگی تھی مگر جس وقت اس نے کمرے کی دہلیز پر پہلا قدم رکھا عین اسی لمحے اس کے غریب باپ نے اس کے انتظار سے تھک کر ہمیشہ کے لیے پللیں موند لی تھیں۔ صیام کو لگا تھا جیسے وہ اس لمحے پتھر کا ہو گیا ہو۔

وہ ہار گیا تھا اس کی غربت اور حالات نے بالآخر اسے شکست دے ڈالی تھی۔ اس کے ایک طرف باپ کا علاج اور اس کی تیمارداری تھی تو دوسری طرف گھر والوں کا بوجھ تھا اس نے گھر والوں کے لیے ذمہ داری نبھائی تھی

اور باپ کو ہار دیا تھا۔

درمکنوں نے عبد اُختان سے اس کے گاؤں اور گھر کا پتہ پوچھ کر تقریباً چالیس منٹ میں وہاں پہنچ گئی تھی۔ صیام جو باپ کو دفنانے کے بعد ابھی دوستوں کے درمیان بیٹھا اپنے آسواپنے اندر اتار رہا تھا۔ کچی سڑک پر اڑتی ہوئی دھول میں اس کی بلیک ٹیوٹا کو لگا دیکھ کر چونک اٹھا گاڑی سے پہلے شہر زاد باہر نکلی پھر درمکنوں۔ وہ حیران حیران سا اٹھ کھڑا ہوا بھی شہر زاد آگے بڑھی تھی۔

”السلام علیکم“

”وعلیکم السلام! آپ یہاں.....“

”جی! آپ کے والد صاحب کی رحلت کا پتا چلا تھا ابھی آفس میں بہت افسوس ہوا۔“ شہر زاد کے اظہار افسوس پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ فوری انہیں گھر کے اندر لے آیا۔

درمکنوں خاموش کھڑے ہو کر اس نے دیکھا تھا کہ صیام کی آنکھیں بے حد سرخ اور سو جھی ہوئی تھیں۔ وہ اتنا تکھرا ہوا اور شکست لگ رہا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ باوجود اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائیں پانی کی کھل جو کپڑے پہن کر دھو آفس آیا تھا اس وقت بھی ابھی کپڑوں میں لمبوں تھا مگر اب وہ کپڑے بے حد صرف دکھائی دے رہے تھے۔ چہرے پر پچھلے دنوں کی بڑھی ہوئی ہلکی ہلکی شیو میں اس وقت جیسے زروئی مٹ گئی تھی۔ پہلی بار وہ اسے بہت توجہ سے دیکھ رہی تھی اور صیام نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ کیا نہیں تھا اس نظر میں..... درد..... کک..... ٹک..... عجیب نظر مٹی جوا اسے اندر تک کاٹ رہی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ شہر زاد اس کے گھر والوں سے مل رہی تھی مگر وہ..... صرف ایک نظر کے حصار میں بند کر جیسے ملنے جلنے کی سکت بھی کھونٹتی تھی۔

تقریباً تین چار منٹ تک اسی کیفیت میں رہنے کے بعد بھٹکل اس نے صیام کی نظروں سے نظریں چرا کر اس کی بوڑھی ماں کی طرف دیکھا جس کی گود میں عشرت کا تین سالہ بیٹا بخار میں چونک رہا تھا مگر اس کی ماں روتے ہوئے اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔

گھر کی حالت زار ایسی تھی کہ دیکھ کر رونا آتا تھا چارمرے پر مشتمل اس ٹوٹے چھوٹے سے مکان میں فرنٹ پر دو کچے کمرے تھے جن کے اندر دھوپ برآمد نہ ہونے کی وجہ سے سیدی اندر جاتی تھی۔ ایک طرف چھوٹا سامی سے بنا پتھر تھا جبکہ باہر بیرونی دروازے کے ساتھ ایک چھوٹا سا ہاتھ روم تھا جسے وہ لوگ غسل خانے کے طور پر بھی استعمال کر لیتے تھے۔ چھوٹے سے اس کچے گھر میں ایک تو سہولت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اوپر سے بجلی کا کنکشن بھی منقطع تھا جس کی وجہ سے گرمی اور جس کا احساس ہو رہا تھا۔ صیام باہر جا چکا تھا جبکہ وہ اب اس کی ماں بہنوں کے پاس بیٹھی انہیں تسلی دے رہی تھی۔ وہ شخص جو اپنی پرستاشی اور حلیے سے بے حد شاندار دکھائی دیتا تھا ایسے تکلیف دہ حالات کا شکار ہونا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

اس کی سادہ لوح ماں اب اپنے قابل بیٹے کی باس سے اس کی مشکلات اور پریشانیاں شیر کر رہی تھی۔ انہی سے اسے پتا چلا تھا کہ ساتھ والے ہمسایوں نے بچلی کے بل کے پیسے نہ ملنے کے سبب نہ صرف ان کا بجلی کا کنکشن منقطع کر دیا تھا بلکہ اس رنج میں وہ اس کے باپ کا افسوس کرنے بھی نہیں آئے تھے۔ وہ جیسے جیسے اس سے حالات شیر کر رہی تھیں درمکنوں کے اندر احساسِ ندامت بڑھتا جا رہا تھا۔ زندگی بھلا اتنی تلخ بھی ہوتی ہے؟ اور وہ خود..... وہ خود کیا تھی؟ ایک بے حسن سنگ دل باس جسے صرف اپنی کمپنی کے مفاد سے مطلب تھا۔ وہ اتنی خوش غرض تو بھی نہیں رہی تھی اسے تو راہ چلتے فقیروں پر بھی ترس آ جاتا تھا کہ اس کی تربیت مریدہ نے ایسے ہی کی تھی مگر وہ تو اس کا درگاہ تھا۔ درگاہ بھی ایسا کہ

جس کی قابلیت اور ذہانت نے اس کے کئی قیمتی مینڈر پاس کروائے تھے جس کی شرافت اور محنت کی وہ خود قدردان تھی۔ بے ساختہ اسے وہ لمحہ یاد آیا کہ جب اس نے صیام کو درکشاپ پر کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تو یہ حالات تھے جن کی وجہ سے وہ اتنی مشکل زندگی گزار رہا تھا۔ ندامت سی عمامت تھی۔ عشرت کے بیٹے کا بخار بڑھتا جا رہا تھا اور وہ سوائے رونے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی کچھ شہر زاد نے اس سے کہا تھا۔

”میں جانتی ہوں تم یہاں ایزی کی فیل نہیں کر رہی ہو اسی لیے آؤ تمہیں گھر چھوڑ دیتی ہوں۔ ساتھ میں عشرت اور اس کے بیٹے کو بھی لے جلتے ہیں بہت تیز بخار ہو رہا ہے اسے صیام تو فارغ نہیں ہے۔“

”ہوں چلو۔“ جتنا اس وقت اس کے اندر شور تھا وہاں رک بھی نہیں سکتی تھی۔ عشرت نے اس قطعی غیر متوقع اقدام پر بے یقینی سے شہر زاد کو دیکھا تھا۔

”آپ..... میرے بیٹے کی بات کر رہی ہیں؟“

”ہوں آپ بھی چلیں ساتھ یہاں شگفتہ اور صیام ہیں سب سنبھال لیں گے۔ آپ فی الوقت ہمارے ساتھ شہر چلیں آپ کے بیٹے کا بخار خطرناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے۔“

”مگر بھائی نہیں مانیں گے وہ بہت خوددار ہیں۔“

”جانتی ہوں میں ان سے بات کر لوں گی آپ چلیں پلیز۔ مزید تاخیر نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔“ شہر زاد ان میں کھل گئی تھی یوں جیسے برسوں کی آشنا ہو۔

درمکنوں صیام کی ماں اور اس کی بہن شگفتہ کو تسلی دے کر تھکے تھکے قدموں کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئی۔ صیام اب باہر موجود نہیں تھا وہ شکر کا ٹکڑہ پڑھتی گاڑی میں آ بیٹھی۔



آدھی رات کا وقت تھا جب وہ ایک دم سے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے کمرے کا اسی چل رہا تھا وہاں اچھی خاصی ٹھنڈی مگر اس کے باوجود اس کا پورا وجود پیسے سے شراپور ہو رہا تھا۔ کھمرے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتی ہوئی بیڈ پر اٹھ بیٹھی تھی۔ ابھی ابھی جو خواب اس نے دیکھا تھا وہ اس کا دل بڑی طرح سے دھڑکا رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ سامنے والے کلاک پر نظر ڈالی رات کے ڈھائی بج رہے تھے اور اس کے سائیز ٹیبل پر دھڑے کی اسکرین بھی روشن تھی۔ درمکنوں نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل اٹھایا تو وہاں شہر زاد کا میسج تھا جو اس نے ہسپتال سے گھر واپس آتے ہوئے کیا تھا۔

درمکنوں نے اسے کال بیک کی جو اس نے تیسری ہی منٹ پر پک بھی کر لی۔

”تم اتنی لٹ گھر واپس آئی ہو دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟“

”ہوں دماغ تو ٹھیک ہے مگر دل ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ مائی سویٹ ہارٹ کہ عشرت کے بیٹے کا بخار عام بخار نہیں تھا بلکہ ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا۔ اسی لیے مختلف ٹیسٹ کروانے کے بعد اسے ہسپتال میں ایڈمٹ کروانے تک مجھے وہیں رکنا پڑا۔ بعد میں صیام آیا تو چاہتے ہوئے بھی وہاں سے آنے کو دل نہیں چاہا۔ اتنی ڈھیر ساری باتیں میں نے اس کے ساتھ عشرت اور اس کے بیٹے کے لیے سلی بھی دی۔ بہت شرمندہ ہو رہا تھا اور شکور بھی عشرت کے بیٹے کی حالت تھوڑی تسلی بخش ہوئی تو میں نے اسے اور صیام کو اس کے لاکھ انکار کے باوجود اس کے گھر ڈراپ کر دیا کیونکہ پیچھے اس کی ماں اور بہن اکیلی تھیں پھر پریشان مٹی اسی لیے اتنی دیر ہو گئی۔“

”تم واقعی پاگل ہو شہزاد! بتائیں کیا بنے گا تمہارا۔“
 ”کیا بننا ہے یا! جیسے سلی مجھوں شیریں فرماؤ کسی بچوں کے مشہور قصے بنے ہیں اسی طرح میرا بھی ایک قصہ بن جائے گا۔“

”او کے اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔“
 ”ٹھیک ہے صبح صیام آفس نہیں آئے گا میں نے اسے کہہ دیا ہے۔“
 ”او کے شب بخیر۔“
 ”شب بخیر۔“ کال منقطع ہو گئی تھی۔

درمکھون نے تیل واپسی اس کی جگہ پر رکھ کر اسے سی کی کو لنگ بڑھادی۔ لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے ابھی تھوڑی دیر پہلے کا خواب پھر اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔ ہرے بھرے جنگل میں وہ نیچے پاؤں بھاگ رہی تھی اور اس کے پیچھے بہت سے شکاری کتے لگے ہوئے تھے۔ وہ بچ رہی تھی مدد کے لیے پکار رہی تھی مگر وہاں اس انسان جنگل میں کوئی بھی اس کی پکار نہیں سن رہا تھا بھی بھاگتے بھاگتے اسے ایک بوسیدہ سا پرانا مکان نظر آیا تھا اور وہ بھاگ کر دیوانوں کی طرح اس کے دروازے پر دستک دینے لگی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بہت قریب آ گئی تھیں جب اس کی مسلسل دستک کے جواب میں وہ دروازہ کھلا تھا اور اندر سے صیام کو باہر آتے دیکھ کر وہ مارے خوف کے اس کے سینے سے لگ کر زار و قطار روٹا شروع ہو گئی تھی۔ صیام نے اس کے رونے پر اس کی ڈھارس بندھائی تھی پھر اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ اسے اسی مکان کے اندر لے گیا تھا۔ اندر لے جا کر اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے زخمی پاؤں کی مرہم لگائی تھی جبکہ دروازے کے باہر کتوں کے بھونکنے کی آوازیں مزید بڑھتی ہوئی تھیں اور انہیں اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کیسا عجیب سا الجھا ہوا خواب تھا پہلی بار وہ بے حد شرب ہوئی تھی۔ سر پہر میں صیام کے گھر سے واپس آنے کے بعد اسے ایک بل کے لیے بھی سکون نہیں ملا تھا۔ وہ پانی پی رہی ہوئی تو صیام کی کاٹ دار نگاہیں اس کے سامنے آ جاتیں۔ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی تو اس کی وہی نگاہیں ٹی وی پر ابھر آتیں۔ وہ سونے کے لیے لیٹی تو وہ پھر سامنے آ کھڑا ہوتا۔ تنگ آ کر اس نے سارا کمر الٹ پلٹ دیا مگر وہ باز نہیں آیا تھا اور اب..... زندگی میں پہلی بار وہ اس کے خواب میں بھی موجود تھا۔ اسے بے حد غصہ رہا تھا کہ کیوں وہ شہزاد کے ہاتھوں ٹریپ ہو کر صیام کے گھر گئی؟ کیوں وہ اس کے سامنے رکی؟ اس نے کیوں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

کتنے سارے کیوں سوال بن کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے اور وہ چاہتے ہوئے بھی ان سوالوں کو ذہن سے جھٹک نہیں پاتی تھی۔ سارا کمر الٹ پلٹ کرنے کے بعد وہ اب گھٹنوں میں منہ چھپائے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ زندگی میں کچھ الجھنیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں سلجھاتے سلجھاتے انسان خود بہت دیر تک اؤلن کے گولے کی مانند اُدھر تا چلا جاتا ہے۔ وہ بھی اؤلن کا گولا بن گئی تھی۔

چاندنی رات تھی۔ عاتکہ عشاء کی نماز کے بعد کشادہ محن میں چار پائی بچھائے تیغ پڑھ رہی تھی جب سدید اپنی تیاری کو ختم کر کے اس کے پاس چلا آیا۔
 ”یہاں کیوں بیٹھی ہو عاتکہ! ٹھنڈک لگ جائے گی۔“ عاتکہ نے اس کے محبت بھرے اپنائیتی لہجے پر فوراً اپنی آنکھیں صاف کیں۔
 ”مجھے ٹھنڈا چھی لگتی ہے سدید!“

”ہوں جانتا ہوں پھر بیمار پڑنا بھی اچھا لگتا ہے تمہیں؟ ہاں مگر محترمہ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں ابھی دو گھنٹے کے بعد جا رہا ہوں لہذا آپ کی تیمارداری کے لیے یہ غلام اب دستیاب نہیں ہوگا۔“ اس کا وہی شوخ لہجہ تھا عاتکہ کی آنکھیں پھر بھیگ کیں۔

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے سدید! جیسے اس بات پر پلٹ کر واپس نہیں آؤ گے۔“ وہ رو رہی تھی سدید کا دل اس کے قیاس پر بے ساختہ دھڑک اٹھا بھلا وہ یہ راز کیسے پا گئی تھی؟

”تم رو رہی ہو عاتکہ!“ اندر کی کشش سے بے نیاز وہ پریشان ہوا تھا۔ عاتکہ کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی۔
 ”نہیں! میں رو نہیں رہی سدید! مگر نجانے کیوں میری آنکھیں خود بخود بھیگ رہی ہیں۔ میرا دل ایسی سلطنت کی مانند ہو رہا ہے جسے اجازت دیا گیا ہو تا نہیں کیوں ایسا ہو رہا ہے حالانکہ پہلے بھی تو تم جاتے رہے ہو مگر پہلے کبھی یہ کیفیت نہیں تھیں۔“ وہ رو بھی رہی تھی اور اسے بتا بھی رہی تھی۔ سدید نے لب بچھ لیے۔

”میں آؤں گا عاتکہ! تم خواہ فصول وہم کا شکار ہو کر مجھے اور خود کو اذیت دے رہی ہو حالانکہ اب تو میں نے تمہیں اپنے نام کی انگوٹھی بھی پہنا دی ہے۔“

”فصول کا وہم نہیں ہے یہ سدید! مجھے لگتا ہے جیسے کوئی چیز مجھے اندر سے کاٹ رہی ہے۔ میرا سانس گھٹ رہا ہے مجھ سے کھل کر رو یا بھی نہیں جا رہا۔“ اب اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے تھے۔ سدید وہیں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔

”تم میرے حوصلے کمزور کر رہی ہو عاتکہ! تمہیں پتا ہے شہیدوں اور غازیوں کی ماؤں! بہنوں! بیٹیوں اور بیویوں کے دل کتنے بڑے ہوتے ہیں۔ ان پتھر ہوئی آنکھوں کی شفاف تھیلوں میں آنسو قطرہ بن کر نہیں برف بن کر ٹھہر جاتے ہیں اگر تم اپنے اندر ان جیسا حوصلہ پیدا نہیں کرو گی تو مجھے بہت دکھ اور مایوسی ہوگی۔“ وہ اب قدرے مایوس لہجے میں کہہ رہا تھا۔ عاتکہ نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

”شبائش! تمہیں پتا ہے جس رات صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ہنزلی شادی مبارک کی پہلی رات تھی اسی رات انہیں جنگ میں شرکت کے لیے بلا لیا گیا تھا مگر ان کی صابرنیک بیوی نے اف تک نہیں کی یہاں تک کہ وہ راہ حق میں شہادت کا اعلیٰ مقام پا گئے۔ راہ حق کے مسافروں کے لیے زندگی بس اتنی ہی معنی رکھتی ہے عاتکہ! دین حق کے شہیدوں اور غازیوں کو جذبات کی بیڑیاں نہیں روک سکتیں یہاں درجنوں ایسے فوجی ہیں جو اپنی بیویوں کو رخصت کروا کر گھر لاتے ہیں مگر انہیں ان کا چہرہ تک دیکھنا نصیب نہیں ہوتا کہ وہ جنگ کے لیے طلب کر لیے جاتے ہیں ہماری تو ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔“ وہ بہت شوخ لوگ اور کیرنگ تھا مگر وطن کے لیے اس کی محبت کی شدت عاتکہ کی محبت سے کہیں بڑھ کر تھی اور یہ بات عاتکہ جانتی تھی اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”میں تمہارا انتظار کروں گی سدید!“ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا سدید مسکرایا۔
 ”ٹھیک پو“ عاتکہ کی پلگوں پر لرزتا آنسو اس نے انگلی کی پور پر چنتے ہوئے مسکرا کر کہا پھر وہ آنسو چوم کر اپنی شرٹ کی پاکٹ میں ڈال دیا۔ عاتکہ بس دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔



کیا تماشا ہوا.....
 سامنے بھی ندی اور کوئی تشنہ لب
 اس کو تکتا رہا اور پیاسا رہا

”ہوں ایک صل ہے اگر تم مانو تو؟“

”کیا؟“

”ایلی.....“ مار تھا کی آنکھیں چمکی تھیں۔ پر ہیان نے خاصی الجھی نگاہوں سے اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں ابھی تک آنسو چمک رہے تھے۔

”ایلی؟“

”ہاں ایلی..... یہاں سے کچھ ہی میل کی مسافت پر اس کا اپنا ذاتی فلیٹ ہے جہاں وہ اپنی آپا کے ساتھ اکیلا رہتا ہے۔ اصل میں ایلی کا باپ مسلمان تھا مگر ماں انگریز ایلی کی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ اپنے وطن واپس چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہیں آیا ایلی کی ماں نے دوسری شادی کر لی۔ بہر حال مجھے یقین ہے وہاں ایلی کے گھر میں تمہاری عزت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر.....“

”اگر مگر کچھ تو دیا یا یہ لندن ہے پاکستان نہیں ہے جہاں مروت میں کوئی تمہارے لیے کچھ بھی کر کرے۔ مروت بھولو کہ تم ابھی مشکل کی شکار ہو اور بی ایچ ای اس ملک اس شہر میں کوئی بھی تمہارا اپنا نہیں۔ وہ زویا یا حسن بھی نہیں جسے تم بڑے دھڑلے سے بھائی کہتی پھرتی تھیں صرف میں ہوں جو تمہاری دوستی میں خوار ہوتی پھر رہی ہوں تم میری جگہ ہوئیں تو شاید یہ سب کچھ نہ کرتیں۔“ اس بار مار تھا کا لہجہ تھوڑا خشک ہوا تھا۔ پر ہیان نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ تم میرے ملک میرے شہر میں ہوتیں تو شاید میں ہمیشہ کی طرح اس سے بھی بڑھ کر کرنی تمہارے لیے۔“

”او کم آن بری پلیز یہ لفظوں کے گھوڑے دوڑانا بند کرو۔“

”لفظوں کے گھوڑے نہیں ہیں یہ حقیقت ہے۔“

”حقیقت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ تم مسلمان ہم انگریزوں کے کبھی اچھے دوست نہیں بن سکتے وہاں تمہارے ملک میں لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں ہمیں غاصب سمجھتے ہیں تمہارے ملک کا بچہ بچہ ہماری برادری کے خواب دیکھتا ہے جہاں موقع ملتا ہے تم لوگ ہمارے اندر ہنس کر ہمیں نقصان پہنچانے سے باز نہیں آتے مگر یہ پھر بھی ہمارا طرف ہے کہ ہم نہیں اپنے ملک آنے کا بڑا دے دیتے ہیں یہاں اپنی بہترین تعلیم گاہوں میں تعلیم دیتے ہیں۔ روزگار مہیا کرتے ہیں رہنے کو رہائش دیتے ہیں کھانا دیتے ہیں۔“ پر ہیان نے کبھی بار مار تھا کا یہ روپ دیکھا تھا۔ وہ محبت وطن بھی اور اپنے وطن کے لیے اس کی سوچ بے حد جذباتی بھی۔

”کیا نہیں دیتے ہم لوگ تم مسلمانوں کو پاکستانیوں کو مگر پھر بھی بدلے میں تم لوگ ہمیں ذلیل کرتے ہو بدنام کرتے ہو۔ ہمارے خلاف دہشت گردی کے پلان بناتے ہو ڈیڑھ سینٹر کی تباہی زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔“ وہ لڑکی جوں جوں اس کی واحد بہترین دوست بھی اس وقت ایک مختلف روپ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ پر ہیان بے حد آزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

وہ بہت زیادہ محبت وطن نہیں تھی مگر پھر بھی اس وقت مار تھا کے الفاظ نے اسے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ چند لمبے خاموش رہنے کے بعد اس نے بہت شکستہ لہجے میں اسے کہا تھا۔

”تم سچ کہتی ہو یا راہم پاکستانی مسلمان واقعی تمہارے اچھے دوست نہیں بن سکتے ہم دوست ہو بھی کیسے سکتے ہیں ہم تو تمہارے غلام ہیں مار تھا! ہماری جمہوریت کے کشکول میں تمہارے ڈالر گرے ہیں تو وہاں میرے ملک کے غریب

میت کشوں کو روزگار ملتا ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہم نے کبھی بھولے سے بھی یہ کوشش نہیں کی کہ خود کو تمہارا ہم بدلہ بنا سکیں۔“ مار تھا نے اس کے شکستہ لہجے پر بے نیازی سے نظریں پھیری تھیں۔ پر ہیان نے آنکھوں میں آنی نمی انگلی کی پورے صاف کر لی۔

”تم سچ کہتی ہو ہم دہشت گرد ہیں ہم نے تمہارا ورلڈ ٹریڈ سینٹر تباہ کیا تمہارے چند شہریوں کی قیمتی زندگیاں گل کر دیں مگر تم تو مہذب قوم ہو ناں مار تھا! تم تو ساری دنیا کو اس کا پیغام دے رہے نہیں تھکتے۔ انسانی حقوق کے لیے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بولنے والے تم ہی ہوتے ہو۔ تمہیں تو دہشت گرد کہنے کی جرات بھی نہیں کسی میں پھر بھی..... پھر بھی تم نے اپنے چند شہریوں کی ہلاکت کے انتقام میں سالوں سے بے بسائے اپنے مسلمان شہری انسانیت کے گرے ہوئے درجے پر لا کر ملک بدر کر دیئے۔ وہ مسلمان شہری جو اپنے بہترین دماغوں کے ساتھ اپنا ملک اپنا شہر اپنے رشتے دار اپنی پچان اپنے وطن کا مفاد سب بھلا کر ترک کر کے صرف تم لوگوں کی وفاداری میں یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے وہ سب دہشت گرد نہیں تھے تمہارے غلام تھے اور غلام کبھی اپنے آقا سے غداری نہیں کیا کرتے سنا تم نے؟ ساری دنیا میں انسانی حقوق کا شور مچانے والے تم لوگوں کی انسانیت اس وقت کہاں جا سوئی تھی جب تم نے کھنچ چند سو امریکیوں کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لیے جانے کتنے ہی اسلامی ملک ادھیڑ والے تم تو دہشت گرد نہیں تھے ناں تمہیں تو انسانی حقوق کا ادراک تھا پھر کیوں تم نے پورے افغانستان پر قہر برسا یا ڈاڑھی والوں کے سر کاٹ کاٹ کر ان میں پٹرول بھرا آگ لگا لی اور ساتھ میں قہقہے لگا کر ان کی بے بسی کا مذاق اڑایا کیا وہ انسان نہیں تھے؟ کیا وہ سب دہشت گرد تھے؟ ان کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جو تم نے گولیوں سے بھون ڈالے کیا ان کے کوئی حقوق نہیں تھے؟ کہاں جا سوئی تھی تمہاری انسانیت اس وقت جب تم نے کئی کئی سوافر او شہید گرمی میں ایک ایک کینسر میں بند کر کے وہ کینسر افغانستان کے صحراؤں میں چلوائے اور انہیں فرعون سے بھی بدتر موت دی۔ کیوں عراقیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے؟ شب کے اندھیروں میں ان کی پاک باز ماؤں بہنوں بیٹوں کو پکڑ پکڑ کر جیلوں میں بند کیا ان کے نازک جسموں پر بے پناہ تشدد کیا وہ صرف تشدد کا بلکہ ایک ایک دن میں پچیس پچیس بار ان کی عصمت دری کر کے انہیں جیل کی سلاخوں سے سرنگھرا کر مرنے پر مجبور کر دیا۔ تمہارے مذہب نے تو تمہیں دہشت گردی کی تعلیم نہیں دی تھی ناں پھر بھی تم نے گوانا موئے ڈاؤن غریب مگر اہم قدم ہمارا اور شہر خان کے علاوہ سینکڑوں تاریک عقوبت خانوں میں انسانیت کی دھجیاں اڑا دیں ہم جو انہی طاقت تھے پوری دنیا میں واحد انہی طاقت وہ انہی طاقت جس کا وجود ہی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نام پر وجود میں آیا تھا اسی انہی طاقت میں اللہ والوں کی بولیاں لگوا دیں تم نے۔ جن چین کر یوں قہر برسا یا ان پر کہ ملک میں کوئی حق کی بات کہہ کر کھلا کرنے والا ہی نہیں رہا ڈالروں میں انسان خرید لیے تم نے۔“

”ہم نے نہیں خریدے تمہارے حکمرانوں کی بھوک نے خود ہمارے حوالے کیے ایک ایک فرد کے ڈالر وصول کیے۔“

”ہاں کیسے نہیں نے جو کیا اس کا بدلہ وہ آخرت میں پالیں گے“ کچھ عجب نہیں کہ اللہ رب العزت فرعون کی طرح دنیا میں ہی انہیں دوسرے ظالم انسانوں کے لیے عبرت بنادے مگر تم تو مہذب تھے ناں تمہارا مسئلہ تو بھوک نہیں تھا تمہیں تو ریاست کے عوام کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کا پتا تھا پھر تم نے کیوں ڈالروں میں انسان خریدے؟ وہ انسان بھی خرید لیے تم نے کہ جن کے جرم کا خود تمہیں بھی پتا نہیں تھا۔ تم مہذب دنیا کے لوگ ہو ناں اس لیے تمہیں وہ جھینسانی نہیں دیتیں جو شب کے اندھیروں میں تمہارے عقوبت خانوں کی دیواروں کے اندر گونجتی ہیں۔ تمہیں وہ تپتے سنسان صحرا دکھائی نہیں دیتے جہاں سے آج تمہاری فوجوں کے انخلاء کے بعد بھی انسانی لاشیں نکلتی ہیں۔ صرف تم مہذب اور ان پسند لوگوں کو اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیے ہم نے کئی سال تک اپنی سرحدوں کے اندر اپنے بے قصور شہری

تمہارے ڈرون حملوں کی نذر کیے بے شمار ہمارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو تمہارا ڈرون نگل گیا صرف تم مہذب لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ہم نے اپنی اسلامی درس گاہیں گولیوں اور بارود کی آگ میں جھونک دیں۔ اپنی سرحدوں کے اندر بیسیوں دشمن ایجنٹ گھسالیے جنہوں نے کئی سالوں تک ہم دھاکوں اور خودکش حملوں میں ہمارے ہزاروں لوگ مروائے صرف تمہاری نظروں میں معتبر ہونے کے لیے ہم نے جہاد فی سبیل اللہ جو ہمارے ایمان کا سب سے لازمی جز ہے کو گالی بے ادبیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والوں پر اپنی ہی سرزمین میں ازادی سے جینا محال کر دیا پھر بھی تم کبھی ہو ہم بھی تمہارے دوست نہیں بن سکتے؟ اپنا سب کچھ تم پر تمہاری دوستی خوشنودی پر قربان کر کے بھی ہمارے ٹیلی وژن چینل تمہاری اور پاکستانی عوام کی دوستی کے اشتہار چلاتے نہیں تھکتے پھر بھی تم کبھی ہو ہم تمہارے دوست نہیں ہیں۔“ بولتے بولتے وہ اب ہلپٹے لگی تھی مارتھانے بے نیازی سے نظر میں پھیر لیں۔

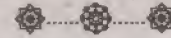
”یہ سب تمہارے آپسی مسائل ہیں ہم نے نہیں کہا کہ تم اپنی سرزمین اپنے مذہب کے لوگوں کے لیے تنگ کر دو۔“ میں نے کب کہا کہ تم نے ایسا کہا تم لوگ کچھ بھی کہتے کہاں ہو صرف آرڈر کرتے ہو وہ جس پر عمل کرنا ہماری مجبوری بن جاتا ہے۔“

”ہاں تو بھیک کھانے والی ریاستوں میں ایسا ہی ہوتا ہے عادت پڑی ہوئی ہے تم لوگوں کو بھیک کھانے کی دگر نہ کیا نہیں ہے تمہارے پاس بہترین دماغ، بہترین اجناس، بہترین خطہ ارض، بہترین معدنیات تم لوگ اگر چاہو تو خود دوسروں کو بھیک دے سکتے ہو بھیک کے لیے اپنی باعصمت بیٹیاں نہ دو۔“ ایک اور تیر..... ایک اور طعنہ..... پر یہاں آگیا اس کی سانس رکے لگی بہت دیر خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

”کیا کریں ہم مہذب جو نہیں ہیں مگر نہ تمہارے رائیڈ ڈیوٹ کو سرعام پانچ قتل کرنے پر تمہیں واپس کرتے؟ ہماری عدالتیں بھی ہماری بیٹی عافیہ کے ساتھ ہونے والی بدترین زیادتی کا بدلہ لیں اور پورے پچاس سال سے زائد سزا سناتیں تمہارے شہری کو حالانکہ وہ تو گھٹی تھے۔ دن دیہاڑے سیکڑوں لوگوں کے بیچ ہمارے یہ تصور نہ تھی شہری کچلے تھے اس نے جبکہ عافیہ پر تو محض بندوق اٹھانے کا الزام تھا اس کے ہاتھوں اور دماغ سے تو کسی کا قتل بھی نہیں ہوا پھر بھی وہ اپنیوں کی بے حسی اور تمہاری امن پسندی و تہذیب کی سمیٹ چڑھ گئی۔ کسی عدالت کسی پلیٹ فارم کسی میٹنگ میں اس پر ہونے والے قطععی غیر اخلاقی و غیر انسانی ظلم کے سد باب نہیں ہوا نہ ہم نے تم سے اپنے سفارتی تعلقات ختم کیے نہ اس کی واپسی کے لیے کوئی بڑا مطالبہ کیا پھر بھی تم کبھی ہو ہم تمہارے دوست نہیں بن سکتے؟“ وہ اب رو رہی تھی مارتھا اپنی ہتھیلیاں رگڑنے لگی۔

”ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ڈس ہارٹ کرنا نہیں تھا۔“

”ہنس اؤ کے ہم پاکستانیوں کے اندر اب اتنی برف جم گئی ہے کہ ہم ڈس ہارٹ نہیں ہوتے نہ ہی احتجاج کرتے ہیں خواہ کتنا بڑا پہاڑی سر پر کیوں نہ گر پڑے۔“ تم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس نے ایک نظر مارتھا پر ڈالی پھر قدم آگے بڑھا دیے۔ مارتھا اس کے گالوں پر بکھرے گرم آنسوؤں کو مزید نہیں دیکھ سکتی تھی۔



دبیراب کے آؤ تو.....

تم اس شہر تنہا کی خبر لانا

کہ جس میں جتنوں کی کھکشا میں جھللاتی ہیں

جہاں تلی کے رنگوں سے فضا میں مسکراتی ہیں

جہاں چاروں طرف رقصاں وفا کی پیاری خوشبو ہے

دبیراب کے آؤ تو تم اس شہر وفا کی خبر لانا

جہاں پریت کے ڈرے ستارے ہیں

گل و گل ماہ و انجم وفا کے استعارے ہیں

جہاں وہ دل مستدر ہے کئی جس کے کنارے ہیں

جہاں قسمت کی دیوی ٹھیکوں میں جگمگاتی ہے

جہاں دھڑکن کی لے پر بے خودی نغمے سناتی ہے

دبیرہم سے مت پوچھو ہمارے شہر کی بابت

یہاں آنکھوں میں گزرے کارواں کی گرد ڈھری ہے

محبت برف جیسی ہے یہاں اور دھوپ کے کھیتوں میں آگتی ہے

یہاں جب صبح آتی ہے

تو شب کے سارے سینے راگھ کے اک ڈھیر کی صورت بدلتے ہیں

یہاں جذلوں کی ٹوٹی کرچیاں آنکھوں میں چھپتی ہیں

یہاں دل کے لہو میں اپنی پٹلیوں کو ڈبو کر ہم

سنہری خواب بنے ہیں

پھر ان خوابوں میں جیتے ہیں انہی خوابوں میں مرتے ہیں

دریدہ دروغ کو لفظوں سے سینا گوئیں ممکن

مگر پھر بھی.....

دبیراب کے آؤ تو تم اس شہر تنہا کی خبر لانا

اس رات لندن شہر میں بہت برف باری ہوئی تھی۔ رہبان دوبارہ مارتھا سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر پھر بھی اس کی مجبوری تھی کہ وہ اسے اس وقت لات نہیں مار سکتی تھی بالکل اپنی ریاست کی طرح وہ بھی مجبور تھی۔ ٹھنڈ پہلے سے نہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایلی اس روز انہیں اپنے فلیٹ پر نہیں ملا تھا وہ پیرس گیا ہوا تھا کسی ضروری کام سے جبکہ اس کی آیا بھی گھر پر نہیں تھی۔

رہبان کو مجبوراً وہ رات پھر مارتھا اور انیل کے اپارٹمنٹ پر گزارنی پڑی۔ رات کے کھانے کے نام پر اس نے صرف فری آؤ لیے تھے جبکہ مارتھا اور انیل نے بھر پور پیٹ پوجا کے بعد جی بھر کے شراب نوشی بھی کی تھی۔ رہبان کو نماز قرآن وغیرہ کی عادت نہیں تھی ایک مسلم ریاست میں کئی مسلمان ہونے کے باوجود اس کا طرز زندگی زیادہ کی طرح غیر مسلمانی تھا وہ آگنی دی دیکھ رہی ہوئی اور جیتل تہذیبی کے دوران کوئی اسلامی جیتل سامنے آ جاتا تو ایک لمحے سے بھی پہلے وہ جیتل بدل دیتی تھی۔ جی جی اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ انڈین تمام جیتلو اپنے ہر پروگرام قلم اور ہڈرے کی ہر قسط میں کیسے بڑھ چڑھ کر اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے کیا ان کے لوگ اس سے بے زار نہیں ہوتے تھے جبکہ پاکستانی ڈراموں میں تو ضرورتاً بھی ایسے سینز کو سن کر دیا جاتا تھا جو مذہب سے متعلق ہوتے حالانکہ اسلام کی تبلیغ تو ہر مسلمان پر فرض تھی۔

اس رات جب اپارٹمنٹ کی بیرونی کھڑکی کے اس پار وہ آسمان سے زمین پر گرتی برف کو انہماک سے دیکھنے میں

مصروف تھی اس کا دل قرآن پاک کی تلاوت کے لیے چلا اٹھا۔ مارتھا اور انیل نشے میں دھت ہونے کے بعد کمر اٹھیں ہو گئے تھے جبکہ وہ لاؤنج میں بیرونی کھڑکی کے قریب کھڑی باہر برف کو گرتے ہوئے دیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی آئینہ زندگی کی فکروں میں بھی کھوئی تھی۔ گزرتے ہر لمحے کے ساتھ نکلے کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کافی دیر بیرونی کھڑکی کے اس پار گرتی روٹی کے گالوں جیسی برف کو دیکھنے کے بعد اپنے بستر میں آدبی۔ اگلے چندہ میں منٹ تک پہلی بار درود پاک کا ورد کرتے ہوئے اس کی آنکھ لگی تھی اور ابھی اسے سوئے ہوئے بمشکل گھٹنے بھی نہیں ہوا تھا کہ اسے اپنے پاؤں پر پنڈلی کے پاس کسی چیز کے رینگنے کے احساس نے جھنجھوڑ کر جگایا۔ بے حد گھبرا کر اس نے جونہی آنکھ کھولی سامنے نشے میں دھت انیل بیٹھا اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پر ہیان کے سارے وجود میں جیسے سناٹا اتر گیا ایک لمحے سے بھی قفل پاؤں سمیٹنے ہوئے وہ فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

”سوری! میں پانی پینے کے لیے اٹھا تھا اندھیرے میں پتا ہی نہیں چلا کہ تم یہاں سو رہی ہو۔“ اپنی وہاں موجودگی کا جواز دیتے ہوئے اس نے پھر اسے چھوٹا چاہا تھا جب پر ہیان نے نفرت سے سے پرے دھکیل دیا۔

”دور ہو مجھ سے۔“

”کیوں؟ تم کوئی اچھوت ہو؟“ وہ ڈھٹائی پر آمادہ تھا پر ہیان کا دل زور سے دھڑکا۔

”کیا بد تمیزی ہے یہ؟ اپنی حد میں رہو میں مارتھا نہیں ہوں۔“ وہ چلائی تھی مگر انیل پر اس کے چلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مارتھا تا حال نشے میں دھت خرائے لے رہی تھی بھی وہ مسکرایا۔

”جانتا ہوں اسی لیے تو آیا ہوں سنا ہے پاکستانی لڑکیوں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔“

”جسٹ شٹ اپ۔“ اس بار وہ حلق کے بل چلائی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا یا کوئی حرکت کرتا وہ بھاگ کر اندر مارتھا کے پاس چلی آئی۔

”مارتھا..... مارتھا اٹھو پلیز۔“ اسے بڑی طرح جھنجھوڑتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔ انیل اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلا آیا پر ہیان کو لگا جیسے وہ رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔

”مارتھا.....“ اس بار اسے جھنجھوڑتے ہوئے پر ہیان نے اسے پکڑ کر بٹھا دیا تھا تبھی وہ جاگی تھی۔

”کیا ہوا؟“ انیل مارتھا کے جاگنے پر کمرے کا دروازہ لاک کرتے کرتے رک گیا جبکہ پر ہیان اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح رو پڑی۔

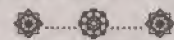
”کیا ہوا ہے؟“ مارتھا کا انشا اسے بری طرح روتے دیکھ کر فوراً ہرن ہوا تھا تب ہی انیل بول اٹھا۔

”سوئے میں ڈرگئی ہے شاید۔“

”تم نے کوئی بد تمیزی تو نہیں کی؟“ وہ اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھی تب ہی اس کی وضاحت پر مشکوک لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بدک اٹھا۔

”بکواس بند کرو میں ایسا لگتا ہوں تمہیں؟ یہاں رہنا ہے تو رو نہیں تو اسی وقت اپنی اس نام نہاد دوست کو لے کر نکل جاؤ یہاں سے مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ وہ نشے میں تھا اور نشے میں اس کا دماغ کام کرنا بند کر دیتا تھا تبھی مارتھا نے اس سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔

پر ہیان نے وہ رات مارتھا کے ساتھ مکمل جاگ کر گزاری تھی وہ جیسی بھی تھی اس وقت اس کے لیے وہاں تھی۔



ایک دروازہ بند کر کے کمرے میں واپس آیا تو زادیار جاگ رہا تھا۔

”کون تھا باہر جس کے ساتھ بلند آواز میں بحث کر رہے تھے تم؟“ اسے دیکھتے ہی اس نے پوچھا ایک نے نظریں چرائیں۔

”مارتھا آئی تھی اپنی کسی فریڈ کے ساتھ۔“

”کیا کہہ رہی تھی؟“

”کچھ نہیں تمہارا پوچھ رہی تھی ساتھ میں یہ بھی کہہ رہی تھی کہ تمہارا سیل نمبر مسلسل بندل رہا ہے تمہاری بہن پر ہیان اس کی دوست ہے شاید وہی اس سے تمہارا رابطہ برقرار رکھ رہی ہو۔“

”میری کوئی بہن نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں مارتھا کو میرا نمبر دینے کی ضرورت ہے۔“

”میں نے نہیں دیا میں جانتا تھا تم یہ پسند نہیں کرو گے اسی لیے میں نے منع کر دیا۔“

”اوکے۔“

”کل ہوزان ملی تھی وہ بھی تمہارا پوچھ رہی تھی۔“

”کیوں؟“

”پتا نہیں بہت پریشان لگ رہی تھی شاید اس کی ماں بہت بیمار ہے۔“

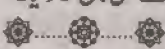
”سو واٹ بار..... اس کی ماں بیمار ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”کچھ نہیں کم از کم اس کی ماں کا حال تو پوچھ ہی سکتے ہو۔“

”مگر کیوں؟ کیا لگتی ہے وہ میری جویں اس کی ماں کا حال پوچھتا پھروں۔“ زادیار کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا ایک نے کندھے اچکا دیئے۔

”انسانیت کے ناطے کہہ رہا تھا وہ اس وقت رہائش میں تمہاری مدد کر سکتی ہے۔“

”مجھے اس کی یا کسی کی بھی مدد کی ضرورت نہیں ہے ابھی پیسے ہیں میرے ذاتی اکاؤنٹ میں جب ختم ہو گئے پھر سوچوں گا کس کس کا حال پوچھنا ہے۔“ خلاف ایک طرف پھینکتے ہوئے وہ بستر سے نکل آیا تھا۔ ایک نے سرسری سی ایک نظر اس کے وجہ ہر اچھے پر ڈالی پھر دوبارہ سے سبل تان کر سو گیا۔



مارتھا کا موڈ آف تھا جبکہ انیل صبح دیر تک نشے میں مست بے حال پڑا سوٹا رہا۔ پر ہیان کو ایلی کی رہائش گاہ کا پتا تھا کل وہ مارتھا کے ساتھ آ کر اس کا ٹھکانہ دیکھ آئی تھی ابھی اس صبح بناء مارتھا کی مدد کے وہ اپنا سامان اٹھا کر اس کے اپارٹمنٹ سے نکل آئی تھی شدید دھند میں اس کے آنسو جیسے آنکھوں کے اندر ہی جم گئے تھے۔ جس وقت وہ ایلی کے گھر کے سامنے پہنچی لندن کے وقت کے مطابق دن کے گیارہ بج رہے تھے مگر چونکہ چھٹی کا دن تھا لہذا ایلی اس وقت اسے گھر پر ہی بل گیا تھا۔ پر ہیان کی دستک کے جواب میں دروازہ کھولنے والا وہی تھا۔

”ہائے۔“ بہت مدھم لہجے میں پر ہیان نے اسے مخاطب کیا جواب میں وہ قدرے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

”پری تم یہاں؟“

”ہوں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے ایلی۔“

”شیوہ اندرا جاؤ۔“ وہ خوش تھا بے پناہ خوش حالانکہ اس کے چہرے پر بڑھی ہوئی ہلکی ہلکی شیوہ اس کے اندر کی بے سکونی کا واضح پتا دے رہی تھی۔ پر ہیان نے اس کی اقلید میں قدم آگے بڑھائیے۔

ایلی کی شخصیت کے قطعی برعکس اس کا گھر بے حد صاف ستھرا اور نہیں تھا۔ ہر چیز سلیقے اور قرینے سے لگی اپنی امارت کا پتہ دے دیتی تھی۔ وہ بیک دروازے کے قریب چھوڑ کر ڈری ایلی کی ہمراہی میں گھر کے اندر چلی آئی۔
”بیٹھو“ ہال نما کشادہ کمرے میں کاؤچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے پرہیزان سے کہا اسے مجبوراً بیٹھنا پڑا۔

”کچھ لوگی؟“

”نہیں، شکریہ۔“

”اوکے پھر بتاؤ لندن کیسے آنا ہوا؟ مار تھارتا رہی تھی کہ تمہاری شادی طے ہو گئی ہے۔“ وہ بھی اس سے قدرے فاصلے پر وہیں تک گیا تھا۔ پرہیزان نے نظریں اپنی گود میں دھرے ہاتھوں پر جمادیں۔

”ہوں شادی طے ہو گئی مگر..... تین روز پہلے ٹوٹ گئی۔“

”وہاں..... مگر کیوں؟“

”اسے لگا شاید میں اس کے قابل نہیں ہوں۔“

”اوہ..... مگر یہ بات اسے منگنی ہونے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔“

”ایم سوری ایلی! مگر میں اس ٹاپک پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”اوکے“ میری مدد کیوں چاہیے تمہیں؟“

”مجھے رہائش کا مسئلہ ہے۔ فی الحال میرے پاس یہاں کوئی جاب بھی نہیں ہے۔ راتھا کہہ رہی تھی کہ تم یہاں اپنی آگاہی کے ساتھ آکیلے رہتے ہو اور یہ بھی کہ تم فی الحال ریٹائر ہو چکے ہو۔“

”ہوں“ تم یہاں رہ سکتی ہو پری! مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر میری جوائنٹوئٹرز ہیں شوق ہیں وہ شاید تمہیں زیادہ دن یہاں ٹکنے نہ دیں۔“

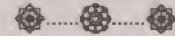
”میں سمجھی نہیں؟“

”میں سمجھا دیتا ہوں۔“ پرہیزان کی الجھن پر اس نے پھر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”مجھے شراب اور شباب کی بہت بُری لگت ہے پری! آئے روز یہاں محفلیں جی رہتی ہیں! کبھی کبھی میں تین تین دن گھر نہیں آتا۔ نشے کی حالت میں میرا مزاج بھی بہت بگڑ جاتا ہے بہت نقصان کرتا ہوں میں اپنا“ تم کہاں یہ سب برداشت کر پاؤ گی؟“ وہ اسے اپنی حقیقت بتاتا رہا تھا۔ پرہیزان بے حد مایوس ہوئی۔

”میں ایڈجسٹ کر لوں گی۔“ کل رات انٹل نے اس کے ساتھ جو کیا تھا اس کے بعد وہ دوبارہ مار تھا کے اپارٹمنٹ جانے کا سوچ بھی نہیں کتنی تھی اس نے بے حد دل گرفتگی کے باوجود وہاں رہنا قبول کیا تھا۔ ایلی نے اس کے جواب پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم یہاں رہ سکتی ہو۔ آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔“ اس کا موڈ بے حد فریش تھا پرہیزان نے اپنے آنسو اپنے اندر تار لیے تھے۔



ایلی کا قلیت خاصا لگوری تھا بے حد خوب صورت اور کشادہ..... دو بیڈروم، ایک ڈرائنگ روم، کچن، لاؤنج، اینڈ پورٹاچہ مختصر سی گیلری جس کے آخری میں ونڈو لگی ہوئی تھی جو باہر بڑک کی طرف کھلتی تھی۔ اسی ونڈو سے ٹھنڈی ہوا اور کھلی ہلکی دھوپ گیلری کے دروازے کو پورے چھو کر کمروں کو روشن کرتی تھی۔ گیلری کے شروع میں ایلی کی آگاہی کا کمرہ تھا جو معدودہ

غزل

گویا اندازِ شہانہ ہے امیروں جیسا
میرے اندر کا ہے انسان فقیروں جیسا

ہم نے چہروں پر سجا رکھی ہے رونق لیکن
دل کا عالم ہے کہ ویران جزیروں جیسا

اس کے اوصاف و خصال نے مجھے جیت لیا
میرے مُریدوں میں تھا شخص وہ بیروں جیسا

اس سے پہلے تھی اسیری بھی رہائی جیسی
اب کے آزادی میں ہے حال اسیروں جیسا

اس کو گنوا کے ہیں خسارے اب تک محسن
وہ جو ایک شخص میرے ساتھ تھا ہیروں جیسا

انتخاب: منزہ حیدر..... کوٹ قیصرانی

تھیں۔ کمرے میں ایک عدد سنگل بیڈ کے دائیں طرف پرانی کتابوں کی ایک چھوٹی سی الماری ایک طرف دو عدد کرسیاں اور کونے میں آتش دان تھا جو شدید سردی یا برف باری کے موسم میں جلانے کے کام آتا تھا۔ پرہیزان کو یہ سادہ سا کمرہ بے حد پسند آیا۔ ایلی کی آگاہی مصری خاتون تھیں! پچیس سال پہلے کسی برطانوی شہری کے ساتھ شادی رچا کر لندن آئی تھیں بعد ازاں شوہر کی وفات کے بعد ایلی کی موم کے پاس ٹھہر گئیں اور یوں پیدائش کے کچھ ہی ہفتوں بعد ایلی ان کی گود میں آ گیا جسے بعد میں انہوں نے اس کی سگی ماں سے بڑھ کر پالا اور پیار دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی معذوری کے دنوں میں بھی ایلی نے انہیں کسی اولاد ہوم کے سپرد نہیں کیا تھا۔ ایلی کا کمرہ ان کے بغل میں ہی تھا اور بے شک وہ ایک شاندار کمرہ تھا۔

پرہیزان کے لیے اس نے ڈرائنگ روم وقف کیا تھا جو بے حد خوب صورت اور صاف ستھرا تھا اور عین ایلی کے بیڈ روم کے مقابل تھا۔ پرہیزان کو اس کا قلیت اور اپنا کمرہ دونوں ہی بے حد پسند آئے۔ وہ کمرہ کچھ ہی جگہ ایلی کا کافی کے دو گنا تھا اس کے قریب چلا آیا۔

”تم پہلی بار میرے گھر آئی ہو تمہاری مہمان نوازی میرا فرض ہے۔“ پرہیزان اس کی بات پر ہلٹی اور پھر بے ساختہ مسکرا دی۔

”شکریہ ایلی!“ مشکور لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کپ تھام لیا۔

”تمہاری آگاہی نظر نہیں آرہیں کیا وہ کہیں گئی ہوئی ہیں؟“

”ہوں“ لاسٹ ویک سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی میں نے ہسپتال میں ایڈمٹ کر دیا ہے کل پرسوں تک آجائیں گی۔“

”مار تھارتا رہی تھی تمہیں بہت اچھی جاب مل گئی ہے۔“

”یہی سمجھ لو۔“

”کیا مطلب؟“

”جہاں جاب ملی ہے میں وہاں خود اپنا کام شروع کرنا چاہتا ہوں میرے ڈیڈ مرنے سے پہلے میرے نام پر بہت



مہیال

قصہ شہزادہ

غلاف پہن کے نکلی کتاب شیشے کا
حروف سنگ کے اور انتساب شیشے کا

جہاں جواب بھی کرچی، سوال بھی کرچی
بتاؤ دیکھنا چاہو گے خواب شیشے کا ہے

اکھڑ بدو مارغ اور بات بات پر چراغ یا ہو جانے والے خاور کی بد مزاجی پورے خاندان میں مشہور تھی۔ دونوں بہنیں اکلوتے بھائی کی دلہن لانے کا ارمان سینے میں سجائے جس دہلیز پر جاتیں خاور بھائی کی بد مزاجی لڑکی والوں کی ”ننہ“ کا سبب بن جاتی یوں منہ لڑکائے خاندان کی ساری لڑکیاں ایک ایک کر کے سسرال والیاں ہو گئیں۔ دونوں بہنیں بھی اپنے اپنے گھر بسا چکی تھیں لیکن خاور بھائی کی دلہن لانے کا مسئلہ حل نہ ہو پا رہا تھا۔ دونوں سرتوڑ کوششوں میں مصروف تھیں۔ خاور بھائی کی عمر بھی چالیس کی دہائی پار کر چکی تھی۔ بھائی کی بد مزاجی پر دونوں بہنیں جلتی کر دھتی رہتیں۔

”اماں! آپا بالکل صحیح کہہ رہی ہیں نیلو فرخا لہ کے بیٹے ارسلان بھائی ہمارے خاور بھائی کی عمر کے ہیں اب چار بچوں کے ابابھی ہیں تم سارا دن کاموں میں چپ چاپ لگی رہتی ہو۔ بھائی کو سمجھایا کرو شتر مرغ کی طرح زمین میں منہ دے لینے سے حالات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا نہ لوگوں کی باتوں سے بچا جاسکتا ہے۔“ رضیہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”کیا سمجھاؤں وہ اپنی زندگی میں ایسا مست ہے کہ

کچھ چھوڑ گئے تھے۔“

”اوہ..... کیا تمہاری می انڈین ہیں ایللی؟“
”ہوں انڈین نہیں مگر اب خالص برطانوی لگتی ہیں۔“
”کیا تم ملتے ہو اپنی می سے؟“
”نہیں۔“

”کیوں؟“

”بس یونہی۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”انہیں وقت نہیں ملتا مجھے فرصت نہیں ملتی۔“

”مارتا تیری ہی تمہاری گرل فرینڈ بھی انڈیا واپس چلی گئی۔“

”ہوں می کی سگی بہن بھی وہ۔“

”کیا تم اس میں انٹرسٹڈ تھے؟“

”نہیں۔“

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے ایللی! جیسے تمہارے ساند کوئی بہت گہرا راز ہے جسے تم سب سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ ایللی نے رخ پھیرا پھر یونہی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تم یہاں لندن میں کب تک ہو؟“

”پتا نہیں شاید اس بار مجھے کافی سال لگ جائیں۔“

”کیا تم اپنے گھر والوں سے ناراض ہو کر آئی ہو؟“

”کیا.....؟“

”بتاؤں گی ایللی! مگر ابھی نہیں۔“ اس کی آنکھیں ہلکی سی نم ہوئی تھیں۔ ایللی چاہنے کے باوجود اس کے چہرے سے

نظر نہ ہٹا سکا۔

”کیا تم اپنی شادی ٹوٹنے سے پریشان ہو؟“

”نہیں۔“

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے پری! جیسے تم بھی مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے اب ریٹ کرو میں ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ شام میں ملاقات ہوگی۔“

”ٹھیک ہے! اپنا خیال رکھنا۔“

”تم بھی۔“ ایک مسترقی نظر اس پر ڈالنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا تھا پر بیان کتنی ہی دیر گم سم سی وہیں کھڑی رہی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



کچھ سننے کو تیار ہی نہیں۔" اماں بے چارگی سے بولیں۔
 ”وہ اپنی زندگی میں مست ہیں اور آپ اپنی زندگی
 میں ذہنی دی کے آگے اور آپ چوہے کے آگے لگی رہتی
 ہیں سارا دن۔ میں نے دیکھا ہے آپ دونوں کے
 درمیان ضروری باتوں کے علاوہ زیادہ بات چیت نہیں
 ہوتی۔ میں آپ کی کم گوئی اور بھائی کی فطرت سے خوب
 واقف ہوں۔ آپ ان کے رویے سے ڈرے بغیر بات
 کریں آج جو رشتہ لائی ہوں وہ بھی اچھا ہے اور اچھے
 رشتے بار بار دہلیز پر دستک نہیں دیا کرتے لڑکی گورنمنٹ
 ٹیچر ہے تین بھتیجی ہیں بھائی کوئی نہیں۔ یہ سب سے
 چھوٹی ہے دو بہنیں شادی شدہ ہیں شریف لوگ ہیں۔
 مہینہ بھر پہلے ہی ہمارے محلے میں شفٹ ہوئے ہیں جس
 جگہ سے رہ کر آئے ہیں وہاں پر اپنی سہیلی رہتی تھی اس نے
 بتایا ہے بہت اچھے لوگ ہیں۔ مجھے لڑکی پسند ہے اکثر
 آتے جاتے دیکھتی رہتی ہوں میں نے ان کی امی سے
 بات کر کے اگلے اتوار کو آنے کا کہا ہے بس اماں کوئی
 بد مزگی نہ ہو۔ بھائی چالیس برس کے ہو گئے ہیں اور وقت
 تیزی سے گزر رہا ہے اگلے لمحے کی زندگی کا کسی کو کچھ
 بھروسہ نہیں آگے آپ خود سمجھ دار ہیں۔“ آپانے اماں کو
 ایک سوالیہ نشان دے کر واپسی کے لیے چادر تان لی تھی
 اماں تم صدمی آسمان کی دستوں کو سنبھال لیں۔



اور پھر ایک دن اماں نے خاور بھائی سے بات کرنے
 کی ٹھانی اتوار کا دن تھا اور حسب معمول خاور بھائی بیوی
 کے آگے پیٹھے ریصورت سے چھینٹل گھما رہے تھے کہ اماں
 نے انہیں آواز دی۔

”خاور بیٹا! ذرا میری بات سننا۔“ اماں خاور بھائی کو
 اپنے کمرے میں لے گئیں خاور بھائی بھی ان کے قریب
 بیٹھ گئے۔ اماں نے خاور بھائی کے سانولے چہرے پر
 جانی وقت کی دھول دیکھی تو ان کا دل کٹ سا گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد بہت چھوٹی عمر میں سارے
 گھر کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی گئی تھی وہ

زیادہ پڑھ لکھ بھی نہ سکے۔ لبا کی دکان پر بیٹھ گئے جو پھر
 خوب چلی بہنوں کی شادیاں کیں۔ لوگوں کے اچھے
 برے رویے اور گھر کے اچھے برے حالات نے انہیں
 چڑچڑاہٹا ڈالا تھا۔ یہ وہ خاور تو نہیں تھا جس کی ہنسی اور قہقہے
 جب گھر میں گونجتے تو سارا گھر خوش ہوتا تھا اور اب۔۔۔۔۔
 ایک سناٹا۔ دوا نسوڑا تھک کر اماں کے بوڑھے چہرے پر
 پھسل گئے۔ وہ انہیں اپنے دوپٹے سے پونچھے لگیں۔
 ”کیا ہوا امی!“ خاور بھائی اماں کے ہیکلے چہرے کو
 دیکھ کر فکر مند ہو کر بولے بھی اماں نے انہیں ایسی خاص
 نظروں سے نہ دیکھا نہ کبھی بلایا تھا۔ اماں نے خاور بھائی
 کے مضبوط کندھوں پر اپنا سر رکھا اور بولی رہیں۔
 وہ کافی دن تک یونہی بولتی رہیں اور خاور بھائی عجیبگی
 اور مدبرانہ انداز میں بیٹھے بنا کچھ کہہ سکتے رہے۔ اماں کی
 بات مکمل ہونے تک وہ یونہی بیٹھے رہے پھر اپنے لیے
 لمبے قدم اٹھا کر کمرے سے نکل گئے۔ اماں اپنے بیٹے
 کے خوب رو جو کو دیکھتی رہیں یہاں تک کہ وہ نظروں سے
 اوجھل ہو گئے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔

”آہ میرا بچہ۔۔۔۔۔ اللہ تیری جھولی خوشیوں سے
 بھر دے آمین۔“



وہ کیساتے ہاتھوں سے سچی ٹرے لے کر کمرے میں
 داخل ہوئی تھی۔ تینوں خواتین کو اپنی جانب ایک ساتھ
 متوجہ دیکھ کر وہ گھبرانے لگی۔

”لڑکی کے گھر والے کتنے خوش مزاج اور گھریلو تھے نہ
 ذرا بے گناہی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔“ آپانے کانوں میں
 پڑے بھاری جھمکے اتارتے ہوئے بولیں۔

”کیا ہوا اماں! کیا لڑکی اچھی نہیں لگی؟“ چھوٹی رضیہ
 اماں کے چہرے پر پرائی فکٹوں کو دیکھ کر تشویش سے بولی۔
 ”بیٹا لڑکی کی عمر کچھ۔۔۔۔۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے دل کی
 بات بولیں۔

”اماں لڑکی چھبیس برس کی ہے اپنا بھائی چالیس برس
 کا اب دونوں میں پندرہ برس کا فرق ایسا خاص نہیں جو

انتا پریشان ہو رہی ہو۔ مردوں کی عمروں کو کون دیکھتا ہے
 تمہارے اور اپا کی عمر میں بھی تو اتنا ہی فرق تھا۔“ آپا اماں
 کی بات کاٹتے ہوئے بولیں اماں چپ سی ہو گئیں اور
 خاموش نظروں سے آپا کی طرف دیکھا جس نے اپنی
 شادی پر چار برس بڑے دلہا پر خوب دوا بیل چھاپا تھا۔ آپا
 اماں کی نظروں کی گہری محسوس کر کے گڑبڑا سی گئیں۔

”اماں ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔ بسم اللہ کریں جب لڑکی
 والے بھائی کو دیکھنے آئیں تو ذرا ماحول کا خیال رکھیے گا“
 پہلے کی طرح بات نہ بگڑ جائے۔“ اماں نے اثبات میں سر
 ہلایا اور دونوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب بھائی کو دیکھ کر
 لڑکی والوں نے رضا مندی دے دی۔ خاور بھائی لڑکی
 والوں کی موجودگی میں تمام وقت خاموش ہی رہے۔ ماں
 نہ سے زیادہ بات چیت نہ کرنے والے خاور بھائی کو لڑکی
 والے شرمیلی طبیعت سے اسخند کرتے رہے۔

دونوں خاندانوں کی رضامندی کے بعد دو ماہ بعد کی
 تاریخ رکھ دی گئی۔ محلے بھر میں مٹھائی دونوں بہنوں نے
 جی کھول کے پاشیں۔ زور شور سے شادی کے مراحل طے
 ہونے لگے۔ ایک ماہ پہلے ہی دھولگی رکھ دی گئی بھائی ایک
 تھا اور اماں ہزاروں دھولوں بہنوں نے دل کے جوار مان
 سجائے وہ سب پورے کیے۔ خاور بھائی کی بچیگی انہیں
 کچھ دھولوں میں ڈال رہی تھی۔

”دیکھو خاور تمہاری دہن کے لیے شادی کا جوڑا لائی
 ہوں کیسا لگا؟“ خاور نے ایک نظر لال شرارے کی طرف
 دیکھا پھر اپنی کھائی پر بندھی ٹکڑی دیکھ کر بولا۔

”آپا مجھے کچھ کام ہے آپ اپنی پسند سے دیکھ لیں۔“
 وہ جلدی سے کہہ کر ہانکا آپا کو چھوڑ کر چلا گیا۔

”مجھے خاور بھائی خوش نہیں لگ رہے۔“ رضیہ آپا کو
 دیکھ کر افسردگی سے بولی۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں بھلا مردوں کو ان سب
 چیزوں کی کیا سمجھ۔“ آپا خود تسلی دیتے ہوئے بولیں اندر
 سے ان کا دل بھی اندھنیوں میں گھرا ہوا تھا۔

”آپا تمہارے میاں تو تمہاری لائی ہر چیز میں سوسو

آنچل کی جانب سے ایک سہ ماہی

حجاب کراچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف علماء کا رسلہ دار تاول، ٹاؤٹ اور افسانوں
 سے راستہ ایک مکمل جریہ مگر پھر کی دیکھی صرف ایک ہی رسالے میں
 موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“
 آج ہی ہمارے کہہ کر اپنی کاپی یک کرالیں۔

اس لیے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں
 اور اقتباسات پر مبنی متنقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
 info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی
 صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242



سلاطین

شہید نواز صدیقی

ہم کو بھی معلوم تھا یہ وقت بھی آجائے گا
ہاں مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ بچھتاہیں گے
یہ بھی طے ہے کہ جو بولیں گے وہ کاٹیں گے وہاں
اور یہ جو بھی کھولیں گے وہیں پائیں گے

”او مالکی ڈیز مینا تم کب سے اس طرح سوچنے لگیں۔ بیٹا ہمیں اللہ نے اتنا نوازا ہے تو پھر میں کیوں کنبوی کروں اپنے بٹے کے شوق کے لیے اور میں نے تو ہمیشہ تمہاری خواہشوں کو بھی مہر آنکھوں پر رکھا ہے۔“

”مما میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ مینا نے ایک دم کہا تو وہ بولیں۔

”خیر چھوڑو ان باتوں کو تم فکر نہ کرو وہ کل رات نہیں تو سڈے تک آجائے گا اے معلوم ہے اس کی مہار سال نیواہیر پر ایک بڑا فنکشن رکھتی ہیں۔ وہ اس سے پہلے ضرور پہنچے گا۔“

”اور ہاں سنو نوفل کی مہندی سجانے کے لیے چاندی کی تھالیاں بنانے کا آرڈر بھی دے دیا اور تمہارا ڈریس تو میں نے نیو فیشن سے بہت قیمتی اور خوب صورت بنوایا ہے“

”لو مینا ڈیز نیواہیر کے کارڈ بھی چھپ کر آ گئے ہیں۔ آج رات فہرست دیکھ کر ان پر نام لکھتے ہیں۔“

”میرے پاس تو وقت بالکل نہیں ہے۔ نیواہیر کے دوسرے بھتیجے سے نوفل کی شادی کی رسمیں شروع ہو جائیں گی مہندی کے کارڈ بھی شام تک آ جائیں گے میں نے عہد سے کہہ دیا ہے وہ لے آئے گا اور ہاں مینا نوفل کی رائٹنگ بہت خوب صورت ہے اسی سے تمام کارڈز پر نام لکھوا لیتا۔ دو دن بعد ویک اینڈ آ رہا ہے کارڈ تقسیم کرنے کا کام راجیل اور عبید کے سپرد کر دیتا۔“

”مگر مہاراجیل تو اپنے دوستوں کے ساتھ کنیڈا کے ٹور پر گیا ہے۔“

”اے آپ نے اتنا فضول خرچ بنایا ہے۔“

کی آواز پر چونک گئیں۔

”ارے تم دونوں وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو اندر آؤ نہ۔“ رضیہ اور آپا اندر داخل ہی ہوئے تھے کہ خاور بھائی اپنی دلہن کے ساتھ محن میں داخل ہو کر بولے۔

”السلام علیکم“

”علیکم السلام! جتنے رہو میرے بچوں۔“ اماں پیار سے پکارتے ہوئے بولیں۔

”کیسی ہیں آپا؟ بیٹھیں نہ۔“ خاور بھائی آپا کی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے بولے۔

”ہاں آپا تو بیٹھ ہی جائے گی تم تو ہمیں بھول ہی گئے“

شادی کو ایک ماہ ہو گیا ہے بہن کے ہاں چکر نہ لگایا۔ اب کیا دعوت دوں گی تو دلہن کو لاؤ گے۔“ آپا ایسی بات نہیں۔“ خاور بھائی خلاف معمول مسکرا کر بولے۔

”اچھا اماں ہم چلتے ہیں۔“ خاور اپنی دلہن کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ رضیہ دونوں کو ہونٹ بنی دیکھ رہی تھی گلابی لباس میں دلہن کا رنگ روپ ہی انوکھا تھا۔

خاور بھائی کے اوپر بھی خوب روپ آیا تھا۔

”گلتا ہے دلہن راس آگئی۔“ رضیہ نے شرارتی لہجے میں آپا کے کان میں سرگوشی کی۔

”کہاں چل دیئے خاور! میری بات کا جواب تو تم نے دیا ہی نہیں۔“ وہ تلمٹائیں۔

”آپا آپ کی بھابی کو میکے لے کر جا رہا ہوں وہاں سے ہوتے ہوئے ایک دوست کی دعوت پر جانا ہے۔“

آپ کے ہاں ان شاء اللہ اگلے سال آؤں گا۔“

”کیا اگلے سال؟“ آپا چھٹیں تو خاور مسکرا دیئے۔

”آپا! آپ کو نیا سال مبارک ہو کل پہلی جنوری ہے نہ۔“ خاور آپا سے کہتے ہوئے مسکرا دیئے۔ سب ہی اچانک بولے جانے والے اس جیل پر ہنس دیئے آپا اور رضیہ پیار بھری نظروں سے دونوں کو جاتے دیکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

گھر کے اندر گھستے ہی اماں کی چیمکی آواز نے آپا اور رضیہ کا استقبال کیا تھا۔ محن میں چار پانی پر عفت خال کی کسی بات پر ٹھٹھکا کر ہنستی اماں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھیں۔ کبھی اماں کو انہوں نے ہنسنے نہ دیکھا وہ تو صرف مسکرا دینے پر ہی اکتفا کرتیں۔ آج ویران محن میں جیسے بہار آ گئی تھی۔ اماں کی چپکار کے ساتھ پرندے بھی فضا میں چپک رہے تھے۔ محن کی کیاریوں میں لگے پھول بھی خوش نما اور مکمل رہے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اماں کی ہنسی میں پورا سماں ہی شامل تھا۔ آپا جو محن میں بیٹھی اماں اور ان کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں اماں

”داؤمما بہت حرا آئے گا آپ کی کوئی گھڑی دھند
 ہمیشہ سے زیادہ انجوائی کریں گی۔“ مینا نے چپکتے ہوئے
 کہا۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
 ”ممانوفل بھائی نے آج تو آفس سے چھٹی کی تھی مگر
 صبح سے نہ جانے کہاں غائب ہیں۔“
 ”میں نے کہا بھی تھا کہ میں لُچ میں ان کے لیے
 کڑا ہی پکوا رہی ہوں چار بج رہے ہیں ابھی تک
 غائب ہیں۔“
 ”دو دن ہو گئے مجھے لندن سے آئے ہوئے یہی دیکھ
 رہی ہوں آفس میں ہوتے ہیں یا پھر باہر۔ آج آفس
 نہیں گئے تو پتا نہیں کہاں غائب ہیں۔“
 ”ہوسکتا ہے مینا وہ انوش کو لے کر جیولر کے پاس گیا
 ہو۔ میں نے ہی اس سے کہا تھا تم انوش کی پسند سے
 نکلن اور رونما میں دینے کے لیے اپنی پسند سے جو
 چاہو خرید لو۔ اب دیکھو مینا میں اکیلے کیا کیا کروں۔
 اسی لیے میں نے شاپنگ کی کچھ دسے داری نوفل پر
 ڈال دی ہے۔“
 ”بس تو پھر ممانوفل بھائی شام سے پہلے نہیں
 آئیں گے۔“
 ”ارے ہاں اب میں اپنی تیاری کر لوں آج شام چھ
 بجے مجھے ایک امدادی فنکشن میں شرکت بھی کرنی ہے جو
 دو دن سے جاری ہے آج فنکشن کا لاسٹ ڈے ہے۔
 میں تو آج کل اتنی مصروف رہتی ہوں کہ اپنے گھر کے
 لیے بھی میرے پاس وقت نہیں ہوتا۔ نوفل کو اکثر مجھ سے
 شکایت رہنے لگی ہے کہ ماما آپ نے تو اپنی ساری زندگی
 سوشل کاموں میں وقف کر دی ہے ہمارے لیے آپ کے
 پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ مینا اب میں اسے کیسے سمجھاؤں
 اس فیلڈ میں واقعی اپنے بچوں کو وقت نہیں دے پاتی۔ مگر
 ان کی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ پھر بھی اسے گلہ
 رہتا ہے۔“
 ”ممانوفل بھائی ہمیشہ سے بہت حساس ہیں وہ
 ہمیشہ آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہے

ساتھ؟“ بیگم سجاد نے بولتے بولتے اس کی طرف دیکھتے
 ہوئے پوچھا۔
 ”تو ممانوفل کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں۔“
 ”کہاں جانے کا پروگرام بن رہا ہے؟“ اسی
 وقت نوفل نے بیگم سجاد کے روم میں داخل ہوتے
 ہوئے پوچھا۔
 ”اب آئے ہیں آپ لُچ پر میں نے کتنا انتظار
 کیا۔“ مینا نے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھتے
 ہوئے کہا تو وہ بولا۔
 ”مگر ماما کو تو معلوم تھا مجھے انوش کو جیولر کے پاس لے
 کر جانا تھا یہ دیکھئے۔“ اس نے سرخ چٹکی ڈیبیہ ان کے
 سامنے رکھتے ہوئے کہا۔
 ”یہ ایک سیٹ لیا ہے اور یہ نکلن۔“
 ”ماشا اللہ بہت خوب صورت ہے مینا۔“
 ”بس انوش کو اس کے گھر کے گیٹ پر ڈراپ کر کے
 آ رہا ہوں۔ مجھے پتا تھا میری سسٹر میرا انتظار کر رہی
 ہوگی۔ مگر مینا میں نے اور انوش نے باہر بچ کر لیا۔“
 ”ہاں ہاں انوش بھائی ساتھ تھیں تا پورا پورا فائدہ اٹھایا
 آپ نے خوب گھوم بھر کر آ رہے ہیں۔“ مینا نے ہنستے
 ہوئے کہا تو وہ بولا۔
 ”کافی سمجھدار ہو گئی ہوا سجاد بھائی کی سنگت میں رہ کر
 مگر تم بتاؤ کہاں جا رہی ہو ماما کے ساتھ؟“
 ”نہیں نوفل بھائی میں تو کہیں نہیں جا رہی ماما کو جانا
 ہے چھ بجے تک۔ آپ چلے جائیں بڑے بڑے شعراء
 اور شوبز کے فنکار بھی شرکت کر رہے ہیں اس امدادی
 فنکشن میں۔“
 ”سامنے کراچی کے متاثرین کے سلسلے میں ہو رہا
 ہے نا۔“ نوفل نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”پھر کچھ سوچ کر بولا۔“ ابھی تو مجھے آدھے گھنٹے بعد
 کاشف کی طرف جانا ہے وقت ملا تو جیننے کی کوشش
 کروں گا۔ ماما کا ڈانٹے؟“ نوفل کی نظر سامنے رکھے
 کارڈ پر پڑی تو پوچھا۔

مغربی اور شرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

سے آفت

لفظ آفت کا معنی ہے مہلک حادثہ جس سے مہلک نقصان پہنچے
 اور مایہ ناز چیزیں برباد ہو جائیں

شائع ہو گئے

قلندر ذات احمد بخاری کی سلسلہ دارستانی
 ایک ایسی تحریر جس کا سرآپ کو خوں کی دیاں میں ہالے جائے گا
 مغربی ادب سے انتخاب ڈاکٹر اسرار علی نے قلم نشینی کے قلم سے
 جرم و سزا کے موضوع پر مہلک انتخاب ناول
 تخلیق ممالک میں ملنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
 معروف ادیب زریں قلم کے قلم سے ہر ماہ ممل ناول
 ہر ماہ خوب صورت تراجم دیں دیں کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
 خوشبوئے سخن اور ذوق انجمنی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آراء کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
 صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”ہاں بیٹا نیوایزر کے فنکشن کے کارڈ آئے ہیں۔ آج ہی شادی کے کارڈز اور مہندی کے خصوصی کارڈز جو میں نے بنوائے ہیں وہ بھی آجائیں گے میں نے بنائے ہیں۔ دیا ہے۔“ وہ کارڈز دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرایا۔

”میتا تمہیں پتا ہے یہ کارڈز بھی ممانے سلیکٹ کیے ہیں سب سے مہنگے اور قیمتی کارڈز۔ سب کچھ میری ماما کی چوائس سے ہو رہا ہے۔“

”مگر نونل بھائی اصل چوائس تو آپ کی اپنی ہے۔“
 ”اوائی سی تمہارا اشارہ انوشہ کی طرف ہے۔“ وہ کھل کر مسکرایا۔ ”مگر میں اختیار تو میں نے ماما کو دے دیا تھا۔“
 ”رہنے دیں بس یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ممانے آپ کی بات سمجھ نہیں پاتی۔“

”نہیں بیٹا یہ بات نہیں ہے انوشہ کو دیکھ کر مجھے نونل کے انتخاب کی داد دینا پڑی انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔“ بیگم سجاد نے فخر سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور وہ جانے کے لیے اٹھ گئیں۔

بیگم سجاد شوشل ورکر تھیں۔ شادی سے پہلے بھی وہ سوشل ورکر سے منسلک رہی تھیں۔ والدین کی اکلوتی اولاد تھیں اپنی ہر بات منوالیتی تھیں۔ یہ سلسلہ شادی کے بعد بھی جاری رہا۔ ساجی کاموں میں بڑی سرگرم رہتی تھیں۔ سجاد حسن نے بھی ان پر کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں لگائی تھی۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ آئے دن غیر ملکی دوروں پر رہتے۔ بچوں کی آمد نے بھی بیگم سجاد کو نہیں بلا تھا۔ اپنی سوشل سرگرمیوں سے انہیں جو شہرت مل رہی تھی وہ اس پر بہت نازاں تھیں۔ اپنے بچوں کو وہ نوکروں کی ذمہ داری پر چھوڑ کر اپنی سوشل لائف میں مصروف تھیں۔

گھر کی پرانی ملازمہ بوا حمیدہ پر انہیں بھرپور اعتماد تھا۔ وہ جانتی تھیں بوا حمیدہ بہت اچھی طرح چاروں بچوں کا خیال رکھتی ہیں۔ بیگم سجاد کو انہوں نے بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ وقت تیز رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔

تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ سب سے بڑا نونل تھا اس سے چھوٹی بیٹی جس کی شادی انہوں نے تین سال پہلے اسی طرح بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ گھر کی پہلی شادی تھی دل کے سب ارمان پورے کیے تھے۔ اس وقت سجاد حسن بھی حیات تھے۔

احمدان کے بزنس پارٹنر فواد جوندان میں مقیم تھے ان ہی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ڈاکٹر امجد جوندان میں اپنا کلینک بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر امجد جیسے قابل داماد کو پاکر وہ بہت خوش تھے اور مطمئن بھی۔ بیٹا شادی کے چھ ماہ بعد ہی لندن چلی گئی تھی۔ انہی دنوں سجاد حسن ایک ٹریفک حادثے میں اپنے خالق حقیق سے جا ملے۔ بیگم سجاد کو تو سکتہ ہو گیا۔ وہ سجاد حسن کی جدائی میں مایوسیوں کے اندھیرے میں گم ہو گئی تھیں ہونٹوں پر خاموشی کی مہر سی لگ گئی تھی۔ زندگی کی ہر خوشی سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ نونل ماں کی یہ حالت دیکھ کر کڑھتا رہتا۔

وقت خود بہت بڑا مرہم ہے نونل کی تو جاو رہے پناہ محبت بیگم سجاد کو ایک بار پھر زندگی کی خوشیوں کی طرف لے آئی تھی۔ وہ چاہتا تھا اس کی ماما پہلے کی طرح اپنی سوشل لائف میں مصروف ہو جائیں۔ اگر وہ یونہی گھر میں بند رہتی تو بیمار ہو جائیں گی۔ وہ اپنی ماما کو پہلے جیسا دیکھتا چاہتا تھا اس کی توجہ رنگ لائی اور بیگم سجاد نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا۔ اپنی عدت کے دن پورے ہونے کے کچھ عرصے بعد وہ ایک بار پھر سوشل کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

انوشہ ان کے خاندانی لحاظ سے ان کے ہم پلہ تھی۔ وہ ایک بڑے صنعت کار کی بیٹی تھی۔ دولت کے معاملے میں انوشہ کے والدین ان سے بھی آگے تھے۔ وہ اس بات پر بھی مسرور تھیں کہ بیٹے نے ان کے لیے ہم پلہ ہو پسند کی تھی شادی میں ابھی دس بارہ دن تھے تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ نونل کی شادی پردہ پیسہ پانی کی طرح بہا رہی تھیں اور نیوایزر کے جشن کا اہتمام بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا۔ باپ کے بعد سارا بزنس نونل نے بڑی خوش اسلوبی

سے سنبھالا تھا سجاد حسن نے بزنس کی سادہ بہت مضبوط بنائی تھی یہی وجہ تھی کہ نونل بڑی کامیابی سے بزنس کو ذیل کر رہا تھا۔

مگر راجیل کو گھونٹنے پھرنے سے فرصت نہیں تھی۔ نونل چاہتا تھا راجیل بھی آفس جوائن کرے اور بزنس میں دلچسپی لے کر بیگم سجاد نے اسے بہت آزادی دے رکھی تھی۔ ہر سال ایک بڑی رقم گھونٹنے پھرنے میں گنوا دیتا اور اس کے یہ سارے شوق بیگم سجاد پورے کرتی تو نونل کو ملال ہوتا۔

نونل محسوس کر رہا تھا کہ ممانے مہندی کی رسم کے لیے کافی بڑی رقم صرف کی تھی اور پھر نیوایزر کے سالانہ فنکشن کے اخراجات الگ نیوایزر کے کارڈز کی تعداد سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس بار ہمیشہ سے زیادہ مہمان مدعو کیے گئے ہیں۔ مگر وہ ماما کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کی منتی کہاں تھیں کچھ کہنا فضول تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی ماما کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

نونل امدادی فنکشن میں کافی لیٹ پہنچا تھا۔ تین دن سے جاری اس امدادی فنکشن کا آج آخری دن تھا۔ وہ پہنچا تو محفل مشاعرہ عروج پر تھا۔ ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ ہال کا بھر ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ ہال میں موجود ہر شخص کے دل میں ساجی کراچی کے متاثرین کے لیے درد اور احساس موجود تھا نونل نے دیکھا کچھ سیاسی شخصیات بھی موجود تھیں۔ امدادی فنکشن کے ٹکٹ بہت مہنگے تھے۔ ان ٹکٹوں کو فروخت کرنے میں بیگم سجاد نے بڑی بھاگ دوڑ کی تھی۔ وہ اپنے لیے جگہ بناتا ہوا اندر داخل ہوا بڑی مشکل سے اسے کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی تھی۔ اسٹیج پر مائیک تھا اسے ایک لڑکی اس کی ماما کا نام پکار رہی تھی۔

”اب میں محترمہ زبیدہ سجاد سے درخواست کروں گی کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔ سامعین آپ کو میں یہ بتانی چلوں آج کے اس امدادی فنکشن کا سارا کریڈٹ محترمہ

زبیدہ سجاد کو جاتا ہے ہماری ماما ناز شوشل ورکر محترمہ زبیدہ سجاد تشریف لائیں۔“ نونل نے دیکھا اس کی ماما کے نام پر ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ کتنی شہرت ہے ماما کی آج وہ وہاں بارہائی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ بڑے باوقار انداز سے چلتی ہوئی اسٹیج پر آئیں ایک مسکراتی نظر ہال میں موجود سامعین پر ڈالی مائیک سنبھالتے ہوئے کچھ دیر خاموش کھڑی رہیں پھر گویا ہوئیں۔

”سامعین آج میں بہت خوش ہوں آپ سب نے اس فنکشن میں آ کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے کہ آپ سب میرے ساتھ ہیں۔ ساجی کراچی کے ان تمام گھرانوں کو بھی میں نے بطور مہمان اس فنکشن میں شریک کیا ہے جن کے اپنے ان سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے۔ موت کے اس کھیل میں سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ ایک شعر جو میرے لبوں پر چل رہا ہے۔

یہ کیسی آگ بھی جس نے جلا ڈالا خواہوں کو
 یہ کیسا قہر تھا جس نے مسل ڈالا گلابوں کو
 یہ ایک سازش تھی ان لوگوں کی جو ہیں دشمن انسان
 سناؤں کون سا قصہ میں کھولوں کن کتابوں کو
 (شاعرہ: نازیہ کنول نازی)

ایک بار پھر ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ ”سامعین ہم سب اپنے ان دگی بھائی بہنوں کے ساتھ ساتھ ہیں جن کا سب کچھ اس آگ کی نظر ہو گیا“ ان کا غم ہمارا غم ہے ان کا دکھ ہمارا دکھ ہے اگر چہ ان دکھوں کا کوئی مداوا نہیں جب بھی ہم اس سانحہ کے بارے میں سوچتے ہیں تو آنکھیں نم ہونے لگتی ہیں۔ تو کوئی ان کے دل سے پوچھتے جن کے اپنے اس آگ میں راکھ کا ڈھیر بن گئے مہینوں گزر گئے اس حادثے کو مگر آج بھی کتنی ماؤں بہنوں کی اور کتنے بچوں کی آنکھیں منتظر ہیں کہ ان کے پیاروں کی لاش مل جائے تاکہ انہیں اپنے ہاتھوں سے دفن کر کے انہیں قرار اور صبر تو آجائے مگر وہ جو راکھ کا ڈھیر بن گئے انہیں کوئی کہاں سے لائے۔ اور جو اس

حادثے کے ذمے دار ہیں انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے۔ ہماری حکومت نے مرنے والوں کے لواحقین کو پانچ پانچ لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا ہے اللہ کرے یہ وعدہ وفا ہو جائے۔ مگر آج آپ سب کو یہاں اکٹھا کرنے کا جو مقصد ہے اب میں اس طرف آتی ہوں۔

میں اسے ملک کے شعراء اور فنکاروں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ سب نے اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر میرے ساتھ تعاون کیا میں آپ سب کی مشکور ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ سب کا تعاون مجھے حاصل رہے گا۔ آپ سب اس فنکشن سے تو واقف ہیں یہ فنکشن امدادی فنکشن ہے جو سانحہ کراچی ٹیکسٹری کے ملازمین کی یاد میں رکھا گیا ہے جو موت کے اس رقص میں لقمہ اجل بن گئے اور اپنے پیچھے اپنے پیاروں کو زندہ درگور کر گئے۔ جن کے دم سے ان کے گھروں کے چولہے جلے تھے جو اپنے گھر انوں کے خود کفیل تھے آئیے ہم سب مل کر اپنے ان دگی بہن بھائیوں کے دکھ اور بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے کچھ ایسا کریں ان کے لیے کہ ہم ان کے آنسو پونچھنے میں کامیاب ہو جائیں جو بالکل بے آسرا ہو گئے ہیں۔ تو آئیے ہم دل گھول کر ان کی مدد کریں ہم اس شہر کراچی کے عوام ہیں اور ہمارا بھی تو حق بنتا ہے۔ آپ یہ نہ سوچیں مدد گس انداز میں کرنی ہے آپ کے دس روپے سو روپے بھی بہت ہوں گے..... کیونکہ قطرہ قطرہ دریا بن جاتا ہے۔

آج کل ملک میں نیوایز متانے کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی ہیں اور نیوایز کے جشن پر لگتی رقم صرف کی جاتی ہے ہمارے ملک میں بسنت میلے میں لوگ دو در دو سے کچھ رہے ہوتے ہیں صرف ذرا سے شوق و تفریح کے لیے بڑی سے بڑی رقم صرف کر دیتے ہیں مگر کیا ہم ایک لمحے کے لیے یہ سوچ سکتے ہیں ہم بھی رقم جسے ہم اپنے شوق و تفریح کے لیے ضائع کر رہے ہیں۔ کیوں نہ اس سے سانحہ کراچی کے متاثرین کی مدد کی جائے؟ آپ کی

تھوڑی سی قربانی..... لفظ قربانی میں نے اس لیے استعمال کیا کہ آپ اپنی تفریح اپنے شوق اپنی فضول سی تقریب پر ہزاروں روپے جو خرچ کرنے جا رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان میں تھوڑی سی کی کر کے وہی رقم آپ سانحہ کے مرعومین کے ورثا کو پہنچادیں تو آپ محسوس کریں گے آپ نے کیسی خوشی و راحت حاصل کی ہے۔ یہ سمجھنے اور سوچنے پر غور کرنے کی بات ہے۔ ہم اپنے نفس کو مار کر اللہ کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں اور اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

شادیوں کی فضول سی رسم ہندی پر آپ جو رقم خرچ کر رہے ہیں یا کرنے کا ارادہ ہے تو میں آپ سب سے گزارش کروں گی کہ نیا سال چند دنوں بعد ہمیں ویکلیم کہنے آ رہا ہے تو آئیے ہم سب اس نئے سال کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اپنے آپ سے عہد کر لیں کہ ایک نئے عزم کے ساتھ نیوایز کا غیر مقدم کرتے ہوئے اپنے شوق پر خرچ کی جانے والی وہ تمام کی تمام رقم سانحہ متاثرین کو گفٹ کر دیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟ شاید نہیں بلکہ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ کیوں نہ ہم آج مل کر عہد کریں۔

آئیے ہم اس سال آنے والے نیوایز کا استقبال کرتے ہوئے اپنی تھوڑی سی خوشیاں تفریح شوق کی قربانی دے کر ان مجبور دگی لوگوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جن کے خواب لٹ گئے ہیں خواہشیں انگلیں دم توڑ گئی ہیں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ اور ہم ان کے لیے ایسے امدادی فنکشن کرتے رہیں گے اور ہمیں یقین ہے سائمنین آپ سب ایسے ہی جوش و خروش سے مجھ سے تعاون کرتے رہیں گے۔ تین روزہ امدادی فنکشن سے جو رقم حاصل کی گئی ہے وہ تمام کی تمام رقم متاثرین کو بھیج دی جائے گی۔“ نوفل نے دیکھا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا اس کی مہربانی شان سے کھڑی داد وصول کر رہی تھیں۔ اور ایئر کنڈیشنڈ ہال میں کھڑے نوفل کی پیشانی پسینے کے قطروں سے تر ہو رہی تھی۔

نوفل سے وہاں رکنا دو بھر ہو گیا۔ وہ اپنی مہربان نظروں سے

ڈالتا ہوا تیزی سے ہال سے باہر نکل آیا۔ ظاہر اور باطن میں اتنا تضاد..... اس کا ذہن اکٹھے لگا اس نے تیزی سے ہونٹ کاٹ ڈالے۔

ڈاننگ ٹیبل پر مینا، بیگم سجاد عبید اور نوفل موجود تھے۔ ”تم دو کتنا مینا، آج کے ہر اخبار میں اس فنکشن کی مکمل کوریج ہوگی۔“ نوفل تم کہاں تھے؟ مجھے تمہارے آنے کا انتظار ہی رہا۔“ بیگم سجاد نے اپنی پلیٹ میں فرانی فٹ ڈالتے ہوئے کہا۔ تو وہ ایک دم چونکا۔

”جی ہاں بس.....“

”کیا بات ہے تم بہت خاموش ہو؟“ بیگم سجاد نے فکر مند سی اس کو گور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”نہیں ماما! بس تو کوئی بات نہیں۔ کاشف کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ لاٹنگ ڈرائیو کر کے آ رہا ہوں شاید اسی لیے تھک گیا ہوں۔ واپسی پر اتنی دیر ہو گئی تھی فنکشن میں آ نہیں سکا۔“ وہ سمجھ گیا تھا اس کی ممانے اسے وہاں دیکھا نہیں تھا۔ وہ بھی صاف جھوٹ بول گیا۔

”بس نوفل یہ کاشف سے مجھے اسی لیے چڑ ہے تمہارے بغیر وہ کوئی کام کر نہیں سکتا۔ کہاں گئے تھے۔“ انہوں نے کرید۔

”تھا اس کا ایک کام۔“ نوفل نے کھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”بھلا بتاؤ صرف کاشف کی وجہ سے تم نے اتنا اچھا فنکشن کس کیا؟“ بیگم سجاد کو ملال تھا اس کے منہ کا۔ ”نوفل بھائی کاشف کو بھی آپ ساتھ لے جاتے ذرا وہ بھی تو دیکھتے ہماری ممانتی مشہور شوشل ورکر ہیں۔ اتنے بڑے فنکشن کی کامیابی کا سارا کریڈٹ ماما کو جاتا ہے۔ ماما کے لیے یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔“

”ہاں مینا یہ تو ہے شکر ہے میں اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب رہی۔“

”ماما راجیل کب تک آئے گا؟ اسے گئے ہوئے آج دن دن ہو رہے ہیں۔“ نوفل نے ننپکن سے ہاتھ صاف

”خیال“

میں جب بھی دُور اُفتی پر پھپھرتے دیکھتی ہوں تو نہ جانے کیوں؟

مجھے تمہارا خیال آ جاتا ہے!!

جیانیفتی..... تلہ سنگ

کرتے ہوئے پوچھا۔

”میرا خیال ہے مینا وہ کل تک آ جائے گا۔“

”مما ہمیشہ کی طرح اس بار بھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہی گیا ہے۔“

”ہاں مینا ظاہر ہے دوستوں کی گید رنگ میں ہی گھومنے پھرنے کا محو آتا ہے۔“

”مما اسے کہیں بزنس میں بھی دلچسپی لے زندگی کا مقصد صرف گھومنا پھرنا ہی تو نہیں ہے۔“ نوفل نے دبے

دبے لہجے میں کہا تو وہ بولیں۔

”تم فکر مت کرو میں ہوں نائز بس میں تمہاری ہیلپ کرنے کے لیے اور رہی بات راجیل کی اسے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ تو باہر سیٹل ہونا چاہتا ہے۔“ نوفل نے اپنی ماما کی طرف دیکھا اور ایک لمبا سانس کھینچتا ہوا اٹھ گیا۔

”نوفل آج تمہیں نیوایز اور شادی کے کارڈ پر نام لکھنے ہیں۔ وہیں تمہارے روم میں بوجا حیدہ سے رکھوا دیئے ہیں۔ کل تک یہ کام مکمل کر لیتا۔“

”جی بہتر.....“ وہ کہتا ہوا اپنے روم میں آ گیا۔ ابھی اس نے روم میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے موبائل کی ٹون نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”ہیلو.....“ دوسری طرف انوشہ تھی۔

”کیا کر رہے تھے؟“

”ابھی کھانے سے فارغ ہوا ہوں تم سناؤ کیا کر رہی تھیں؟“

”کزنز میں گھری ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے ان

سے فرار حاصل کر کے اپنے روم میں آئی ہوں۔ وہ سب لیونگ روم میں محفل جمائے ہوئے ہیں۔“
”تو کیا ابھی سے سب نے دھوا بول دیا؟“ نوفل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”نوفل! مانا تو سب کو ایک ماہ پہلے سے آنے کی دعوت دی تھی مگر بڑے ماموں جان تو انہی کچھ دیر پہلے لاہور سے اپنی فیملی کے ساتھ پہنچے ہیں اور پھوپھو تو اسلام آباد سے کل شام کو آئی ہیں۔ ماشاء اللہ ان کی چار بیٹیاں ہیں۔ ہو بیٹے کل تک آ جائیں گے۔“

”پھر تو تمہارے یہاں خوب رونق لگ گئی ہوگی۔“
”خانا تو آج سے ہی ڈھولک لے کر بیٹھ گئی ہے اصل میں نوفل ہمارے گھر کی یہ پہلی شادی ہے۔ بس گھر والوں کے ساتھ ساتھ سب رشتے دار بھی بہت پر جوش اور خوش ہیں۔ تم سناؤ تمہاری طرف تیاریاں کہاں تک پہنچیں اور کون کون آیا ہوا ہے۔“ انوشہ نے چپکتے ہوئے پوچھا۔

”انوشہ! تمہیں تو پتا ہے کہ میرا ادھیال تو لندن میں مقیم ہے۔ مینا اپنے بیٹے فیض کے ساتھ کل شام نکائی ہے لندن سے! سچہ جیسے تک آ جائیں گے وقار انگل اور انٹی کا فون آیا تھا وہ شادی سے ایک دن پہلے لندن سے یہاں پہنچیں گے۔“

”مینا کیا کر رہی ہے؟“ انوشہ نے پوچھا۔
”وہ فیض کو سلا رہی ہے۔ سارا دن مینا کو تنگ کرتا ہے جب سے چلنا شروع کیا ہے ادھر سے ادھر بھاگتا رہتا ہے۔“
”اچھا وہ ننگن اور سیٹ پسند آیا آئی کو؟“ انوشہ نے پوچھا۔

”پسند کیوں نہ آتے وہ ہیں ہی اتنے زبردست۔“
”ہاں یہی معلوم کرنے کے لیے میں تمہارے فون کا انتظار کر رہی تھی کہ تم فون کر کے مجھے بتاؤ گے۔۔۔۔۔ پھر سوچا خود ہی کہتی ہوں۔“
”نہیں میں تمہیں ابھی فون کرنے ہی والا تھا کہ تمہارا فون آ گیا۔ ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔“

”پلیز نوفل جلدی بناؤ کون سی بات کرنی ہے میرے پاس وقت کم ہے وہ ساری کزنز مجھے تلاش کرنی میرے روم تک پہنچنے والی ہوں گی۔“ انوشہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بولا۔

”پہلے وعدہ کرو میرا ساتھ دو گی؟“
”کیا بات ہے نوفل تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟ کیا وعدہ چاہتے ہو اور کس ساتھ کی بات کر رہے ہو؟ میں کبھی نہیں۔“ انوشہ نے ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔
”نہیں انوشہ پہلے وعدہ۔۔۔۔۔“

”اچھا بابا وعدہ۔۔۔۔۔ چلو اب بتا بھی دو۔“ وہ ایک دم بولی اور اس کی بات کے جواب میں جو کچھ نوفل نے کہا تھا اسے سن کر وہ ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔
”کچھ دیر تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔“
”کیا ہوا چپ کیوں ہو گئیں اتنی جلدی وعدہ بھول گئیں۔“

”نہیں نوفل یہ بات نہیں ہے مگر تم جو چاہ رہے ہو اب وہ ممکن نہیں ہے۔“
”ایسا نہیں ہے انوشہ تم جاہل ہو تو ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہو اپنی دلیل سے اپنے مامی ڈیڈی کو قائل کر سکتی ہو اور مجھے یقین ہے بالکل وجاہت تمہاری بات مان لیں گے۔“
”انوشہ اگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا تو میں سمجھوں گا میں اکیلا ہوں۔“

”ٹھیک ہے نوفل میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں پوری کوشش کروں گی سب گھر والے مان جائیں۔ ویسے ذاتی طور پر مجھے تمہارے فیصلے پر فخر ہے۔ تم نے جو کہا ہے اسے منوانا آسان تو نہیں ہے ڈیڈی اگر مان گئے تو وہ سب کو سمجھائیں گے۔ اچھا اؤکے۔“ اتنا کہتے ہوئے انوشہ نے ختم کر دی۔

نوفل کا ذہن ہلکا ہو گیا تھا۔ بغیر انوشہ کے تعاون کے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا اور اب وہ مطمئن تھا اس کی بننے والی لائف پارٹنر اس کے ساتھ اور اس کی ہم خیال تھی۔ وہ تیزی سے کارڈز لکھنے میں مصروف ہو گیا مگر دوسری

طرف ڈسٹ بن پھٹے ہوئے کارڈز سے بھرتا جا رہا تھا۔ اسی وقت مینا اور بیگم سجاد اس کے روم میں داخل ہوئیں۔
”مینا نوفل رات کا ایک بج رہا ہے اب سو جاؤ باقی کارڈز کل لکھ لیتا۔“ کہتے ہوئے ان کی نظر اچانک ڈسٹ بن پر پڑی۔ ڈھیر سارے پھٹے ہوئے کارڈز ڈسٹ بن میں پڑے تھے۔ نوفل یہ کارڈز تم نے ڈسٹ بن میں کیوں ڈال دیئے۔ مہندی اور نیوایز کے اتنے خوب صورت اور قیمتی کارڈز کیا پرنٹنگ میں کوئی غلطی ہو گئی ہے؟“

”جی ماما واقعی غلطی ہو گئی ہے۔ ان کارڈز کی ضرورت نہیں تھی۔ مہندی اور نیوایز کے کارڈز ڈسٹ بن میں اس لیے ڈال دیئے ہیں کہ مہندی کا بیروگرام کینسل کر دیا ہے اور نیوایز کا فضول فنکشن بھی اب نہیں ہوگا۔“
”کیا ایک رہے ہو تمہارا دامغ تو ٹھیک ہے کہ نہیں؟ میری اتنی زبردست تیاری کا تم متبنا اس کرنا چاہتے ہو؟ تم اتنے با اختیار کب سے ہو گئے تم نے میری اجازت کے بغیر یہ سوچا بھی کیسے۔“ بیگم سجاد اس پر بری طرح گرج رہی تھیں۔ غصے سے ان کی بری حالت ہو رہی تھی۔

”اف میں نے فضول ہی میں تمہیں یہ کام سونپا۔ راجیل آ جاتا تو اس سے کروالیتی۔ تم نے تو حد کر دی نوفل۔“
”نوفل بھائی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ کو پتا ہے ممانے مہندی کی تیاری کتنے شوق اور لگن سے کی گئی اور نیوایز کا سالانہ فنکشن۔۔۔۔۔ اب کیا ہوگا آپ نے اتنا ہوا فیصلہ ماما کی اجازت کے بغیر کیسے کر لیا۔“
”بیگم سجاد کی غصے سے بری حالت ہو رہی تھی وہ نوفل کو گھورتے ہوئے ایک بار پھر گرجیں۔۔۔۔۔!

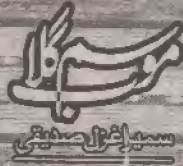
”ہاں بولو! تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم میری اجازت کے بغیر کسی بھی پروگرام کو کینسل کرو۔“
”مما حیرت ہے آپ میرے اس اقدام سے اتنا خفا ہو رہی ہیں آج ہی شام تو اس امدادی فنکشن میں آپ اسی موضوع پر شاندار تقریر پر خوب داد وصول کر رہی تھیں۔“

نیا سال یہ سال بھی آخر بیت گیا کچھ ٹیسٹیں یادیں خواب لیے چند کھلاں چند گلاب لیے کچھ پکھڑیاں مہتاب لیے کچھ جلے دن کالی راتیں کچھ بے دکھ کچھ بھونکی باتیں کچھ جتنی رشتیں کچھ برساتیں کسی یا عزیز کا دکھ پیارا کسی چھت پر امیدوں کا تارا جس پر بستا تھا جگ سارا اس شاعر نے جو حرف لکھے اس میں تیری یاد کے سائے تھے وہ لوگ بھی آ خروٹ گئے ان ہستے ہستے لوگوں نے میرے سارے دکھ اپنائے تھے پھر میں نے یاد کی مٹی میں زخمی لمحے دفنائے تھے

بخت آور تھیں۔۔۔۔۔ شہنشاہ پورہ

مینا وہ تقریر میں ابھی سمجھیں سنا تھا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے نوفل نے اپنے سیل فون پر ریکارڈ آن کر دی۔ بیگم سجاد کی پر جوش تقریر کے الفاظ کمرے میں گونجنے لگے اور پھر تالیوں کی گونج مینا دم و خود خاموش کھڑی کھی اپنی مامی پر نظر ڈالتی اور کبھی چلتے ہوئی ریکارڈنگ پر نوفل نے ریکارڈنگ آف کی اور پھر بولا۔

”مما اتفاق سے آج شام میں اس وقت وہاں پہنچا جب آپ ڈانس پرائس اور آپ کی وہ پر جوش تقریر سن کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اتنا تضاد میں نے پہلی بار دیکھا اور محسوس کیا۔ میں نے بڑی خوشی سے ریکارڈنگ آن کی تھی کہ ماما کی تقریر ریکارڈ کر کے رکھوں گا۔ مگر مجھے بڑا شاک لگا۔ ماما مہندی کی رسم کے وہ مقام تیار کر دہ سونے کی انگوٹھیاں جو میری سالیوں کو دینی تھیں اور وہ چاندی کی



توجہ دے اپنی تعلیم پر
نہ پڑ عشق کے عذابوں میں

اکثر وہ لوگ برباد ہوتے ہیں
جو رکھتے ہیں پھول کتابوں میں

کرتے آج کل ویسے بھی ہر جھٹل پر ہی روزِ منج و منج ٹوٹے
اور دیت لوڑ کے طریقے بتائے جاتے تھے اور گھر بھر کی
فارغ خواتین خود پر وہ ٹوٹے آ زمانے کے کاموں میں
جست جاتی تھیں۔
”یہ اچھا فخل لگایا ہے تم نے گھر کی صفائی سترائی
برتن سب کام ایسے ہی پڑے ہیں اور محترمہ یہاں ٹی وی
دیکھ رہی ہیں۔“ اماں نے اچانک کسی سیاستدان کی طرح
انٹری دیے ہوئے ٹی وی بند کیا۔

”افوہ اماں! آپ بھی نہ آج لائٹ نہیں لگی تو آپ
نے بند کر دیا۔ میری پیاری اماں کام کر لوں گی نہ سارا
دیکھنے تو دو۔“ وہ اماں کو کھنکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔
”نہ پریزے نہ یہ تو گیارہ بجے تک آ تارے گا گھر
گندا پڑا رہے گا کیا تیرے ابا نو بجے جاتے ہیں تو تو یہ
لگائے بیٹھ جاتی ہے تجاے کیا دبا ہونے کی دھن سوار
کر لی ہے ٹوٹے۔ ارے ایک ہمارا زمانہ تھا سب کھاتے
تھے اور فٹ رہتے تھے اور ایک آج کل کا زمانہ ہے یہ مت
کھاؤ وہ مت کھاؤ پھر بھی کمزوری۔“ اماں ذرا پرانے

”برادوں بریلہ..... ایک انڈا ابلتا ہوا آدھا گریپ
فروت اور کیا بولا تھا آگے یا نہیں آ رہا۔“ چن سر پر تقریباً
مارتے ہوئے اُمّی حسین یادداشت کو خراجِ تحسین پیش کیا
تھا وہ تقریباً ایک گھنٹے سے معروف ڈیڑھ گھنٹے سے آتے
مارنیک شوکت کے اپنا سر کھپا رہی تھی۔ ایک نسخہ جلدی کا پی
کرئی تو دوسرا رہ جاتا دس بجتے والے تھے اور وہ ٹو بجے
سے لیٹ ریڈ اور پین پکڑے نہایت انتہاک سے ٹی وی
دیکھنے میں مگن تھی۔

وقفہ ختم ہونے والا تھا ایک بار پھر وہ لکھنے کے لیے
ارٹ ہوئی۔ آج کل اس پر ڈانٹنگ کا بھوت سوار تھا
کیوں سوار تھا ایک لمبی کہانی تھی۔
”گرین ٹی آرغ..... یہ نہیں پی جائے گی مجھ سے ایسا
کرتی ہوں بغیر چینی کی جائے پی لوں گی۔“ میزبان نے
دودھ شکر والی چائے کے بجائے گرین ٹی کا استعمال
بڑھانے کا مشورہ دیا تو اسے سخت کوفت ہوئی۔
”افوہ یارا کہاں پھنس گئی میں یہ ڈانٹنگ ڈانٹنگ
میرے بس کی نہیں۔“ اب وہ چڑی۔ نئے ٹوٹ کرتے

والے تھے وہ سب سانحہ کراچی کے متاثرین کو بھیج دیں
گئے جن کا ب کوئی کمانے والا نہیں ہے جو بے سارا ہو گئے
ہیں پلیز مہما صرف ایک بار اپنا اقتساب کر کے دیکھیں
آپ کے ظاہر اور باطن میں کتنا تضاد ہے۔“
”نفل پلیز اسٹاپ اٹ۔“ انہوں نے بے حد الجھ کر
نفل کوٹکا۔

”نہیں مہما آج ہی تو میری آنکھیں کھلی ہیں اور ان
آنکھوں کو کھولنے والی بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کی تقریر کا
اگر کچھ لوگوں پر اثر ہوگا تو ان میں سر فہرست میں ہوں گا
اور مہما میں یہ ہرگز نہیں جاؤں گا کہ لوگ میری مہما کے
بارے میں یہ کہیں کہ ان کی باتیں محض دکھاوا اور لفاظی
ہیں۔ ان کے ظاہر اور باطن قول و فعل میں زمین آسمان
کا فرق ہے۔“ نفل کا آخری جملہ تیر بن کر جیسے بیگم سجاد
کے دل میں اتر اٹھا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھیں
لیکن اپنی ساکھ اپنی ریپویشن پر ذرا بھی دھبہ انہیں
برداشت نہیں تھا۔ چاہے اس کے لیے انہیں اپنے
ایمانوں کا گلہ ہی کیوں نہ کھوٹنا پڑتا۔ انہوں نے بڑی
شکستگی سے ڈسٹ بن میں پڑے کارڈز کی طرف دیکھا
اور ہولے سے بولیں۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا ہم وہ ساری رقم سانحہ
کراچی فیکٹری کے متاثرین کو بھجوا دیں گے۔“

”اوہ مہما یو آر گرینٹ۔“ نفل نے ساختہ ان سے لپٹ
گیا اس وقت اسے اپنی ماں دنیا کی عظیم عورت دکھائی
دے رہی تھیں اور نفل کے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے
بیگم سجاد سوچ رہی تھیں کہ کل جب اخباروں میں یہ خبر چھپے
گی کہ بیگم سجاد نے اپنے بیٹے نفل کی مہندی اور نیوایز
کے فنکشن پر خرچ ہونے والی ساری رقم سانحہ کراچی کے
متاثرین کو بھجوا دی ہے تو ان کی شہرت اور نیک نامی میں
کتنا اضافہ ہوگا۔



تھالیاں اور مہندی کی رسم پر خرچ کی جانے والی وہ بڑی رقم
اور نیوایز کے وہ گفٹ جوا آپ نیوایز کے ہر مہما کو گفٹ
کرنے والی تھیں نیوایز کے فنکشن پر خرچ کرنے والی
تمام رقم سانحہ کراچی کے متاثرین کو گفٹ کے طور پر بھیج
دیجیے گا۔ آپ کو تو میرے اس اقدام سے خوش ہونا
چاہیے۔ مہما آپ صرف ایک بار سوچیں جو کچھ آپ نے
وہاں ڈاس پر کھڑے ہو کر اپنی تقریر میں کہا۔ جو آپ
لوگوں سے منوانا چاہ رہی تھیں۔ کیا آپ عملی طور پر خود ایسا
کر رہی تھیں؟ مہما صرف ایک بار اپنی خوشی اپنے شوق کی
قربانی سانحہ متاثرین کے لئے دے کر دیکھیں کسی
راحت ملے گی آپ کو اس قربانی سے۔“ نفل اپنی مہما کے
کچھ الفاظ انہی پر دہرا رہا تھا۔

”مہما آپ کو لفظوں سے کھینا ہی نہیں لفظوں کا جادو
چلانا بھی آتا ہے آپ کے لفظوں کا جادو مجھ پر چل گیا ہے
آج میں آپ کے وہی الفاظ یاد کر کے آپ کے سونے
ہوئے ذہن کو جگانا چاہتا ہوں۔ ہم کسی کوئی مشورہ دیتے
ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہم خود عملی طور پر کیا کر رہے
ہیں؟ مہما میرا مطلب یہ ہے کہ اس اقدام کے لیے پہلا
قدم ہم اپنے گھر سے کیوں نہ اٹھائیں؟ آپ کو حیرت
ہوگی میرے اس پہلے قدم کے ساتھ انوشہ کا قدم بھی
میرے ساتھ شامل ہے۔“

”بس خاموش ہو جاؤ نفل تم گستاخ ہوتے جا رہے
ہو تم جو چاہا رہے ہو وہ اب ممکن نہیں.....“ بیگم سجاد نے
حیزی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم ان کے
سامنے کھڑا ہوا۔

”مہما پلیز آج پہلی بار میں نے آپ سے کچھ مانگا
ہے۔ اگر آپ خود عمل نہیں کر سکتی تھیں تو اسٹیج پر کھڑے
ہو کر گئی آپ کی تقریر کیا معنی رکھتی تھی؟ گستاخی کی معافی
چاہتا ہوں مگر مہما انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہونا
چاہیے۔ پلیز مہما ایک بار سوچیں اور غور کریں اب بھی نہ
سوچا تو کب سوچیں گی۔ پلیز مہما ہم وہ تمام رقم جو اس
فضول سی رسم مہندی اور نیوایز کے جشن پر خرچ کرنے

زمانے کی تھیں ان کو آج کل کے زمانے سے خدا کے واسطے کا بیڑ تھا۔
 ”اماں پلیز بس آج دیکھنے دے۔“ وہ اب رو دینے لگی۔

”پہلے کام کرو پھر یہ فالتو کام کرتی رہنا۔“ اماں اب باقاعدہ بیوی کا پلنگ نکال کر بیورٹ بھی اٹھا کے لے گئی تھیں مبادا کہیں وہ ان کے جاتے ہی پھر بیوی نہ آن کر لے۔ اماں بھی بڑی ہی موڈی تھیں موڈ ہوتا تو خوب لاڈ کرتیں جو موڈ نہ ہوتا تو کسی شیر سے کہ نہ تھیں۔ اب وہ بے چاری شیم آرائی طرح اپنی بے بسی پتا نہ بھائی بڑی ہی بے دلی سے جھاڑو لگا رہی تھی اور اماں مزے سے کمرے میں لیٹی آرام فرما رہی تھیں۔



”پر یزے یا تم تو دو دن میں اتنی دلی دلی لگنے لگی ہو کیا کر رہی ہو آج کل؟“ اس کی خالہ زاد بہن ہانے آتے ہی اس کی کمر پر ایک مکار سید کیا۔

”ہائے ماری ڈالا خالہ اور کیا کہا تم نے دلی لگنے لگی ہو تو کیا پہلے موٹی تھی؟“ وہ نہایت انہماک سے اپنا من پسند ناول ”شہر چارہ گراں“ کوئی دسویں بار پڑھ رہی تھی اس اچانک افتاد پر اپنی کمر پکڑ کے ہما کے پیچھے پیچھے بھاگی اسے تو ابھی تک یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ڈانٹنگ والی بات خالہ کے گھر تک کیسے پہنچی۔

”ہمت ہے تو پکڑ کے دکھاؤ۔“ ہما اسے چیلنج کرتی ہوئی اس کی اماں کے کمرے میں گھس گئی اور وہ بے چاری اندھا دھند بھاگتی ہوئی ایک بھاری بھر کم دھو سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

”آؤج..... میرا سر بھاڑ دیا دیکھ کے نہیں چل سکتے تم کیا بہت شوق ہے راہ چلتی لڑکیوں سے ٹکرانے کا۔“ ابھی اس کی کمر نہ سمجھائی تھی کہ وہ بے چاری اپنا سر ایک ہاتھ سے پکڑی اپنی اکلوتی خالہ کی اکلوتی اولاد دیرینہ زلیان آفتاب کے اوپر پڑی گری تھی۔

”محترمہ پر یزے صاحبہ! آپ کی اطلاع کے لیے

عرض ہے کہ بھاگ آپ رہی تھیں میں نہیں اور دوسری بات آپ کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں میری اکلوتی خالہ کی اکلوتی لڑکی ہیں۔“ وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا مجال ہے جو کبھی اپنی غلطی مان لے۔

”ہونہ..... تم سے تو بات ہی کرنا فضول ہے۔“ پر یزے پھر سختی ہوئی اماں کے کمرے کی جانب بڑھ کر۔ ”مجھے بھی تم سے بات کرنے میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے پر یزے عرف موٹی۔“ اس نے لفظ موٹی باقاعدہ اوپچی آواز میں اسے سنانے کے لیے کہا۔

”کیا کہا تم نے اپنی آنکھیں چپک کرالو یا پھر جا کے اپنا علاج کراؤ آئی سمجھ۔ ہر کوئی تمہاری طرح مایوس کی تیلی کی طرح نہیں ہوتا۔“ وہ واپس پٹی اور اس نے بھی تیر ٹھیک نشانے پر پھینکا۔

”تمہاری تو.....“ زلیان نے اسے گھورا۔

”بس بس..... یہاں نشی مت شروع کر دینا آپ لوگ۔ امی بلارہی ہیں تمہیں پر یزے جلدی چلو۔“ اس سے پہلے کے پر یزے کوئی اور وار کرتی ہما اسے صبح کے اندر لے گئی۔

”آئی بڑی بھائی کی چچی۔“ پر یزے نے ہما کے ہاتھ پر بڑی ہی زور سے چٹکی کالی اپنی دانست میں اس نے اپنا بدلا لے لیا تھا ہما تھلا کہہ رہی تھی۔ پر یزے کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ محسن میں کھڑے زلیان نے بڑی ہی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی اثر آئی تھی یوں کہ جیسے اسے کامقصد پورا ہو گیا ہو۔



ڈبل اسٹوری پر مشتمل چار کمروں کے اس چھوٹے سے گھر میں آمنہ وحیدہ صدیقی اور ان کی اکلوتی بیٹی پر یزے وحیدہ بڑی ہی پیار سے رہتے تھے یوں بھی اماں کی مین روڈ پر کپڑوں کی چلتی ہوئی دکان تھی۔ اولاد بھی ایک ہی تھی سو گھر کا خرچ بڑی ہی آسانی سے چلتا تھا بہت امیر نہ سہی لیکن ان کا تعلق اچھے خاصے خوش حال گھرانے سے تھا۔ وحیدہ صدیقی کے دو بی بھائی تھے جو

ان سے چھوٹے تھے۔

اماں اب کے انتقال کے بعد تینوں بھائی الگ الگ اپنے گھر کے مکین ہو گئے تھے ملنا جلنا بھی بس تہوار کے تہوار ہی تھا۔ وحیدہ زرا سادہ سی طبیعت کے مالک تھے سوا با کی ساری جائیداد دونوں بھائیوں کے حوالے کر کے سکون میں آ گئے ورنہ دونوں بھائیوں نے اماں کے مرتے ہی فساد برپا کیا ہوا تھا جبکہ آمنہ کی ایک ہی بہن تھی فریدہ جن کے دو بچے تھے زلیان اور ہما دونوں بہنیں ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں۔ ملنا جلنا بھی کافی تھا یوں پر یزے ہما اور زلیان تینوں کا بچپن ساتھ ہی گزرا تھا۔ پر یزے اور ہما ہم عمر تھیں جبکہ زلیان ان دونوں سے دو سال بڑا تھا۔ ہما اور پر یزے کو پڑھائی سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی سو کامرس سے گریجویشن کر کے فارغ تھیں۔ ہما گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تو پر یزے پر آج کل ڈانٹنگ کا بھوت سوار تھا نجائے کیوں آج کل اسے یہ خط لاحق ہو گیا تھا کہ وہ بہت موٹی ہے جبکہ نہ تو وہ زیادہ موٹی تھی نہ زیادہ دلی ہلکی تھی بھاری جسامت اور گندی رنگت تھیکے نقوش کی حامل پر یزے کسی کی بھی پسند ہو سکتی تھی۔

زلیان انیم کی اسے ایونٹنگ کے ساتھ ساتھ ایک پرائیویٹ فرم میں بھی جاب کر رہا تھا۔ فریدہ پر آج کل زلیان اور ہما کی شادی کا بھوت سوار تھا ان کی دیکھا دیکھی اب آمنہ کو بھی پر یزے کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔



وہ آٹا گوندھ کے کام سے اپنی جان چھڑا کے بڑے ہی مزے سے ڈانٹسٹ لے کے بیٹھ گئی اب اماں کی باری روٹی پکانے کی تھی فی الحال اس کے تاوان کندھوں پر صفائی ستھرائی آٹا گوندھنے اور چائے وغیرہ بنانے کی ذمہ داری عائد تھی اور اسے یہ بھی بھاری لگتا تھا۔

”پر یزے ادھر آؤ۔“ اماں کی پاٹ دار آواز نے سیرا شریف طور کے ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ کا سارا مزا کر کر کر ڈالا تھا۔

”آتی ہوں۔“ اس نے بڑی ہی بے دلی سے

لظم

ہر ایک سے پوچھتا ہے
 کہ..... کیا
 کسی موت پر
 مسجدوں میں اعلان ضروری ہے؟
 اگر.....

یہ ضروری ہے تو
 جب کوئی غریب
 غربت کی چکی کے پھیروں
 میں روز روز
 مرتا ہے.....

تب.....
 ہر روز
 ہر میل
 اور.....
 ہر گھڑی

اس کی خاموش موت کا
 اعلان کیوں نہیں کیا جاتا
 جنازہ کیوں نہیں پڑھایا جاتا

حراسعدیہ..... جہلم

ڈانٹسٹ رکھا اور کچن کی راہ لی۔

”جی اماں۔“ اس نے مہذب و تابعدار بننے کی بڑی ہی ناکام کوشش کی تھی۔

”نیا ٹا گوندھا ہے تم نے یا لٹی بنائی ہے اب اس سے روٹیاں پکاؤں یا چودہ اگست کی جھنڈیاں چپکاؤں دھیان لگتا کہاں ہے تمہارا کام میں۔“ چٹسے کے پیچھے سے اماں نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں غصے سے گھمائی۔ آج کل اماں کو بھی اس کی شادی کی فکر لاحق ہو چلی تھی سو گھر واری سکھانا اور اسے سدھارنا ان کا مشن تھا ورنہ اس کی پیاری اماں اتنی بھڑکھٹی نہ تھیں۔

”اللہ پوچھے گا تجھے ہما! تیری وجہ سے پڑھائی چھوڑ دی اچھا ہوتا جو آگے پڑھ لیتی اس کام سے تو جان

چھوٹی۔“ من ہی من میں اس نے ہما کو کوسا اگر وہ اس کے سامنے آ جاتی تو وہ اس کے بال ہی بوج لیتی۔
”اب منہ سے کچھ بولو گی بھی یا پونی ٹکر ٹکر دیکھتی من ہی من بڑبڑاتی رہو گی۔“ اماں نے پھر گھبرا۔

”سوری نہ پیاری اماں۔“ اس نے اماں کو مکھن لگانے کی مصنوعی کوشش کی۔

”سوری وغیرہ مجھے نہیں پتا ڈرم سے آٹا نکالو اور اس میں اور آٹا ملا کے میرے سامنے سج کرو۔“ اماں کہاں اس کے جال میں پھنسنے والی تھیں۔

”جی امی۔“ وہ روٹی صورت بنا کے مرنے لگا کہ مرنے کے مصداق آٹا نکالنے لگی تھی۔

”اور سنا آج میرے سامنے روٹی بھی تم ہی بناؤ گی۔ ابا آنے والے ہیں تمہارے جلدی کرو۔“ اماں نے ایک اور ظلم اس پر کیا۔

”مگر اماں روٹی تو آپ.....“
”کہانا اگر نہیں جو کہا ہے وہ کرو کل کو دوسرے گھر بھی جانا ہے میری ناک نہ کٹوا دینا۔“ اب کے کیا اس کی بات کاٹ کے بڑے ہی سخت لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”جی اچھا۔“ بیگی بلی کی طرح ہلکی سی آواز نکال کے وہ بری طرح ہما کو کوسنے میں مصروف تھی اس وقت اسے اپنی اماں بھڑ سے کم نلگ رہی تھیں۔

.....
اس روز ہما کلاڑ کے والے دیکھتے تھے سفریدہ نے کام کاج میں مدد کے لیے پرینے کو صبح سے ہی بلالیا تھا۔ پرینے اور جانے اپنی مومن مستیوں سے سارا گھر سر پر اٹھار کھا تھا۔

”توبہ ہے تم لڑکیوں سے بھی کام کاج کے لیے بلایا ہے نہ پرینے بیٹا نہیں بھی شام میں جلدی ہی آ جائیں گے مہمان اور تم لوگوں کی مستیاں ہی ختم نہیں ہو رہی۔ ہما تم جلدی صفائی وغیرہ کرو پھر میرے ساتھ بچن میں آ کے کباب بناؤ بھی لڑکے والوں کو کم از کم اتنا اندازہ تو ہونا چاہیے نہ کہ لڑکی کو زیادہ نہیں تو کم از کم تھوڑا بہت تو کام

کاج آتا ہے۔“ دونوں نے فوراً اپنی ہنسی کو بریک لگائے اور کام میں بخت گئی۔ ایک گھنٹے کے اندر انہوں نے سارا گھر چمکا ڈالا تھا۔

”میری بنو کی آئے گی بارات میں ڈھول بجائوں گی۔“ وہ ترنگ میں گاتی مسلسل ہما کو چھیڑ رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں ڈرامی دیر سستانے کی غرض سے کمرے میں آئی تھیں۔

”تمہارا بھی وقت آئے گا میری جان! پھر دیکھنا میں بھی یہی کروں گی۔“ ہما نے اسے بڑی ہی زور سے چنگی کالی اور وہ تھلا کر رہ گئی۔

”ہاہا..... دیکھ لیں گے بھی ابھی تو گانے دو۔ میری بنو کی آئے گی بارات میں ڈھول بجائوں گی۔“ وہ ایک بار پھر گانے لگی۔

”بنو کی سہیلی ریشم کی ڈوری چھپ چھپ کے شرمائے دیکھے چوری چوری۔“ زوایان نے اچانک انٹری دی۔
”آہم آہم.....“ ہما نے مصنوعی کھانسنے کر اسے چھیڑا۔

”آج آفس والوں نے بھگا دیا کیا؟“ پرینے نے اپنی دھڑکتی دھڑکتوں کو قابو میں کرتے ہوئے کہا۔
”تمہاری طرح نہیں کہ جہاں جانی ہو لوگ بھگا دیتے ہیں۔ امی کا آڈر تھا سوا نا پڑا ویسے تم دونوں کی آج کی کارکردگی دیکھتے ہوئے ہماری پڑوس والی راشدہ

خالہ نہیں اپنے گھر میں ماسی کی نوکری ضرور دے دیں گی۔“ زوایان نے چپکتے دھلے دھلائے گھر کو دیکھتے ہوئے دونوں کو چھیڑا۔

”زوایان تم.....“ پرینے نے سمجھنے کے کشن مارا وہ شروع سے ہی اسے بھائی نہیں کہتی تھی۔ اس نے ایک بار اماں ابا کی بات سنی تھی کہ ان کا رادہ اسے خالہ کے گھر بیٹھنے کا ہے سو وہ جب سے ہی اپنی حسین آنکھوں میں زوایان کا خواب سجائے بیٹھی ہی بنا جانے کے زوایان کیا سوچتا ہے دونوں کی ہمہ وقت ہوتی نوک جھونک سے اب تو ہما بھی بھائی کو چھیڑنے لگی تھی۔

”بھائی لگی تو نہیں نہ۔“ ہما کو فوراً جھکے ہارے گھر لوٹے بھائی کی فکر لاحق ہوئی اس کے منہ سے نکلتی مصنوعی آہ و کراہ دیکھ کر کوئی بھی دیکھتا تو یہی یقین کرتا کہ بے چارے کے بڑی زور سے لگی ہے۔

”آپ بیٹھیں میں کھانا لگاتی ہوں۔“ ہما زوایان کو کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔ پرینے مسکراتی ہوئی لیٹ گئی وہ کافی تھک گئی تھی اور اب اسے نیند آنے لگی تھی وہ وہیں بیڈ سے ٹپک لگائے آنکھیں موندے سو گئی تھی۔

شام میں اس کی آنکھ تقریباً چار بجے کھلی وہ سو کے اٹھی تو ہما کمرے میں موجود نہ تھی اس نے لائٹ آن کی اور اپنے بال حج کرتے ہوئے دوپٹہ سنبھالتی وہ باہر نکل آئی۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ہما سے کہیں نظر نہ آئی تھی۔

”ہوسکتا ہے خالہ کے کمرے میں ہو۔“ وہ خود ہی سے سوال و جواب کرتی خالہ کے کمرے کی جانب چلی آئی اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھلتی اندر سے آئی آواز پر اپنا نام سن کے وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔

”زوایان! تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے پہلے کی بات اور کئی طرباب میں تمہارے بچاؤ وغیرہ کو کیا جواب دوں گی۔ پرینے سے اب تمہارا جواز نہیں بننا کہاں تم اتنے دبلے سٹلے اور کہاں وہ بھاری جسامت کی حامل۔“ خالہ زوایان کو نجانے کیا کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں پرینے کو پوری بات سمجھ میں آئی تو مارے شرمندگی کے اس سے اپنا آپ نہ سنبھال جا رہا تھا آگے خالہ اور زوایان نے کیا بات کی وہ سن نہ پائی تھی اسے تو اپنے پارے میں خالہ کی یہ رائے جان کے ہی اتنی تکلیف ہوئی تھی کہ اس سے مزید وہاں کھڑا نہ رہ گیا اس نے فوراً ابا کو کال کر کے بلایا اور بھانہ کر کے چلی گئی۔

اگلے دن سے اس پر ڈائٹنگ کا بھوت سوار تھا یہ تھی اصل کہانی جو نہ زوایان کو پتا تھی نہ ہما کو کافی دن لگے تھے اسے خود کو نابل کرنے میں وہ اچھی صحت مند تھی مونی بالکل بھی اب زوایان اتنا دہلایا تھا تو اس میں اس کے دل کا کیا قصور جس میں بچپن سے ہی زوایان کی محبت پہرہ

آنچل کی جانب سے ایک اصلاح

حجاب کرکچی

شائع ہو گئی

ملک کی مشہور معروف خاتونوں کے سلسلے دار بول، ناولٹ اور افسانوں سے راستہ ایک مکمل جریہ و گہر بھری دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی باکرے کے کراچی کانی یکہ کرائیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مختصر سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com

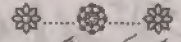
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

دے بیٹھی تھی۔ اس دن کے بعد وہ خالہ کے گھر نہیں گئی تھی خالہ کو بھی لڑکے والے پسند نہ آئے تھے۔ اس دن کے بعد جب بھی خالہ اس کے ہاں آئی تھیں تو اس نے صرف زاویان اور ہما سے ہی بات کی تھی خالہ کو وہ بیکسر نظر انداز کر گئی تھی اس کی یہ تبدیلی کسی نے نوٹ کی ہو کہ نہ کی ہو زاویان نے بڑی شدت سے نوٹ کی تھی۔



دن یونہی روکھے پیکھے سے گزر رہے تھے مارنک شو کی کمرات میں یا یہ اس کی سچی لگن کہ اب وہ کافی کمزور ہو چکی تھی۔ اب تو بے چارے جب اسے دیکھتے ہی کہتے۔ ”ہائے میری بچی اتنی کمزور ہو گئی۔“ جبکہ اماں نہال ہوتیں۔

”پر بڑے چل شکر ہے ٹوٹے کچھ کیا نہ کیا مگر یہ کام صحیح کیا اب لگ رہی ہے نہ بالکل ہیر ورن شام کی طرح۔“ اماں اسے فلم اشار شام میں ملا تیں تو وہ ہنس پڑتی دھیمی سی پھکی سی ہنسی۔ نگاہ ہر وقت دروازے پر لگی رہتی۔

ایک ہفتہ ہو چلا تھا زاویان نے آکے جھانکا تک نہ تھا آتا تو دیکھتا کہ لگتی بدل گئی تھی وہ محض اس کی خاطر۔

”پیارو تو نہیں کہ انسان خود کو ہی تبدیل کرے بلکہ پیارو وہ ہے جو جیسا ہے کی بنیاد پر قبول کیا جائے۔“ اس کا دل الگ دہائی دیتا مگر وہ اسے پھکی دے کے سلا دیتی۔ کہاں وہ ہر وقت شرارتیں کرنے والی اور کہاں اب ایک دم چپ چاپ اب تو وہ اماں سے بھی بحث نہ کرتی۔ وہ جو کام نہیں چپ چاپ کر دیتی، اماں الگ حیران تھیں اس کا پلاٹ پر۔

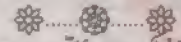
”بات سنیں آپا نے تو اب تک پر بڑے کے رشتے کی بات نہیں کی ہے جبکہ وہ ہما کے لیے تو خوب رشتے دھونڈتی پھر رہی ہیں۔ خیر سے میری بچی بھی جوان ہو رہی ہے ماشاء اللہ خوب صورت ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ اماں کی اندر سے آتی آواز پر اس نے ٹی وی کی آواز دھیمی کر دی تھی اس کے کان اماں اب کی آواز کی

جانب ہی لگے تھے۔

”ابھی کچھ دن دیکھتے ہیں اگر انہوں نے پر بڑے کے متعلق خود سے بات نہیں کی تو ہم بھی پر بڑے کے رشتے دیکھنا شروع کر دیں گے پھلے وہ آپ کی بہن ہوں مگر ہم اپنی بیٹی کے متعلق خود سے تو بات نہیں کر سکتے نہ۔“ وحید صاحب نے اماں کو سمجھایا۔

”جیسے آپ کی مرضی۔“ آمنہ وحیدان کی رضا میں خوش تھیں۔

”تو کیا اماں اب میری شادی کہیں اور کر دیں گے۔“ پر بڑے کا دل ڈوب کے ابھرا تھا کیا ایک اس کا دل ہر چیز سے بے زار ہو گیا تھا اس نے شدت سے زاویان کے وصل کی دعا مانگی تھی۔



فضا میں کافی خلگی سی درآئی تھی موسم ہلکا ہلکا سرد ہو چلا تھا۔ بیٹھی دھوپ میں بیٹھتی ہوئی ایک پرکشش سا تاثر پیش کر رہی تھی۔ وہ کام وغیرہ سے فارغ ہو کر ابھی ٹی وی کے آگے بیٹھی تھی۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے وہ ادھر سے ادھر چنل بدھا رہی تھی مگر کہیں سے کچھ نہیں آرہا تھا۔ ایک نیوز چینل سے آتی اس اچانک خبر سے ریورٹ اس کے ہاتھ سے پھسل کے گرا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں 8.1 شدت کا شدید ترین زلزلہ آیا تھا۔ پر بڑے کو اچھی طرح یاد تھا کہ دس سال پہلے اکتوبر میں اسی نوعیت کا خوف ناک ترین زلزلہ آیا تھا اور اپنے ساتھ تباہی و بربادی کی کئی داستانیں رقم کر کے لے گیا تھا اور اب تو اس سے بھی شدید زلزلہ آیا تھا کیا ایک اسے سردی بڑی لگنے لگی تھی۔

”اگر سردی اور بڑھ گئی تو زلزلہ متاثرین کیسے اپنی راتیں دن گزاریں گے۔ پتا نہیں کتنی تباہی ہوئی ہوگی۔“ وہ دل ہی دل میں استغفار کا ورد کرتی اب کونوں ملانے لگی۔ کراچی میں بھی کچھ علاقوں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے تھے اور آفر شاکس کا بھی شدید خطرہ تھا وہ تو صد شکر تھا کہ کراچی مغرب سے باہر تھا اب کو کال

کرنے کے بعد اس نے خالہ کونوں کیا اماں سو رہی تھیں ان کو جاکے اٹھایا اور پھر سارا دن وہ اس ناگہانی آفت و تباہی کے بارے میں ہی سوچتی رہی وہ جان گئی تھی کہ زندگی کا ایک منٹ کا جھروسہ نہیں لو لگانی ہے تو اللہ سے لگاؤ آنے والے کچھ دنوں میں اب اس کا وقت ٹی وی سے زیادہ عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ من ہلکا ہوا تو اب وہ زاویان کے بارے میں بھی کم سوچنے لگی تھی۔

اس نے اپنے سارے پرانے کپڑے نکالے تھے اماں نے بھی نکال کے دے دیئے تھے کچھ فالٹو رضائیاں اور بستر وغیرہ وہ ابا کے ساتھ جاکے زلزلہ متاثرین کے لیے لگائے گئے کیمپ میں امداد کرتی تھی۔ دل نے ایک عجیب سی بچی خوش پائی تھی آج اسے ابا کی کھٹار سی ایف ایکس بھی بڑی نہیں لگ رہی تھی ورنہ تو وہ جب بھی ایف ایکس میں بیٹھتی ابا کو اسے نکالنے کا ہی کہتی مگر اب اس نے رب کی رضا میں صبر کرنا جان لیا تھا۔



”آپ کی بہن سے یہ امید نہیں تھی مجھے حد ہوتی ہے خود غرضی کی۔“ فریدہ شکیل صاحب سے بڑی طرح الجھ رہی تھیں۔

”خیریت تو ہے اب کیا کر دیا میری معصوم بہن نے۔“ شکیل صاحب ہمیشہ سے ہی اپنے بہن بھائیوں پر جان چھڑکتے تھے ان کا جھکاؤ ہمیشہ ان کی طرف ہی ہوتا اور فریدہ اسی بات سے ہی چڑھتی تھیں۔

”زیادہ مت بولیں اب آپ نے ہی کہا تھا نہ کہ آپا سے بات کروں ہمارا زاویان کی میں زاویان کے لیے آپا کی بیٹی ہی لاؤں اور ہما کے لیے بھی ان کے بیٹے سے اچھا کوئی نہیں۔ میں نے کہا تھا نا یہ مناسب نہیں مگر آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔“ فریدہ بیڈ کی چادر جمع کر تی مسلسل غصے میں تھیں اب کہ شکیل صاحب نے بھی ٹی وی بند کر کے ان کی طرف چونک کے دیکھا تھا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ شکیل کا دل ایک دم دھڑکا تھا۔

”بہت چالاک ہیں آپ کی بہن صرف آپ کی وجہ

یقین

رات کو تارے ہم سے
اکثر یہ سوال کرتے ہیں
کیا تجھے اب بھی انتظار ہے اس کے آنے کا
اور میں کہتی ہوں
مجھے ابھی تک یقین نہیں ہوا اس کے جانے کا

صدف سلیمان..... شورو کوٹ شہر

سے میں نے اپنی بھانجی کے بجائے ان کی بیٹی کا سوچا۔ جب ہم نے بچپن میں زاویان اور پر بڑے کی بات کی تھی آپ کو جب ہی منع کر دینا چاہیے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ بدل جائیں گے وہ تو شکر ہے کہ اللہ نے میری بہن کے سامنے مجھے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔ آپ کی وہی معصوم بہن صرف اپنی بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتی ہیں زاویان کے لیے ہما کے لیے انہوں نے صاف منع کر دیا ہے۔ آج کل سب صرف اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچتے ہیں میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں پھر بھی آپ کی وجہ سے میں نے بات کی وہ کیا سوچتی ہوں گی کہ ان کی بیٹی کے رشتے نہیں آ رہے۔ اس دن اتنا اچھا رشتہ آیا تھا مگر آپ کی وجہ سے منع کر دیا۔“ وہ غصے میں بھری بیٹھی تھیں آج انہیں آئینہ دکھانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا صرف ان کی وجہ سے انہوں نے اپنے معصوم بیٹے کا دل توڑا تھا کیا وہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ پر بڑے کو چاہتا ہے۔

”میں خود بات کروں گا آپا سے۔“ شکیل تو فوراً ہی آپا سے لڑنے کو تیار بیٹھے تھے۔

”رہے دیں اب ہماری بچی کو رشتوں کی کمی نہیں جو بار بار اپنی بے عزتی کرواؤں۔ میں زاویان کے لیے منع کرتی ہوں۔“ فریدہ نے ان کو دونوں منع کر دیا تھا بات ان کی بھی سمجھ میں آئی تھی سوچ چپ بیٹھے زندگی میں پہلی بار ان کی لاڈلی بہن نے انہیں یوں مایوس کیا تھا۔



بہت سارے دن یونہی گزر گئے تھے ہما کا رشتہ وہیں



مشتی و محبت

میرے لفظوں پہ حاوی ہے تمہارے ہجر کا موسم
میری غزلیں، میری نظمیں میرے اشعار روتے ہیں
دسمبر کی حسین شامیں زمین پر جب اترتی ہیں
میرے چھوٹے سے کمرے میں تیرے اقرار روتے ہیں

”ٹوس“ جوزفینا نے خدا کو لہجے میں اُسے پکارا۔
”میں سوئے ہارت۔“ ٹوس نے اُس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے کہا تو اُس نے اُس کے نزدیک ہوتے ہوئے اپنا
سر اُس کے سینے پہ رکھ دیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جب
اُسے ٹوس پہ زیادہ پیارا آتا تھا وہ ایسے ہی کرتی تھی یہ اس کے
اظہار کا ایک طریقہ تھا۔ ٹوس نے مسکراتے ہوئے اپنے
دونوں بازو اُس کے گرد لپیٹ کے اُسے خود میں سمولیا۔

☆☆☆

وہ بارہ سال کا تھا جب اُس کی خالہ عزرا ایلا اور خالو رسکارڈو
اپنی چار سالہ بیٹی کے ہمراہ ڈنمارک سے میکسیکو آئے تھے وہ
مراٹلان کے سمندر کی سر کر چاہتے تھے جس کے لیے انہیں
ال لہسپنا زوڈیل ڈیلا پو پٹا جسے شیطان کی ریڑھ کی ہڈی بھی
کہا جاتا ہے جو میکسیکو میں ڈورنگو کے پاس ہے وہ کہ اس
کر کے جانا پڑتا تھا یہ ایک پانچ گھنٹے کا کراس ہے جو ڈورنگو اور
مراٹلان کو منسلک کرنے کی سڑک ہے، جب وہ جانے لگے تو
اُس کے دل میں نہانے کیا آیا کیا اس نے اپنی خالہ کا ہاتھ پکڑ لیا
اور ان کی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
”بیاری خالہ! آپ اور خالو مراٹلان سے ہو آئیں لیکن

نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیر زور، سیر بخت، سیر کار ہولیاں میں
آج جوزفینا رسکارڈو کی ایشادویں سال گرہ تھی، جوزفینا
رسکارڈو بہت خوش تھی ایک تو ٹوس دو روٹو آج سارا دن اُس
کے ساتھ تھا اور اب وہ اُس کی رات خوب صورت بنانے کے
لیے اُس کی پسندیدہ جگہ منڈالاچ کلب لے آیا تھا یہ کلب
میکسیکو کے خوب صورت کھرمیں سے ایک تھا دنیا بھر سے لوگ
یہاں وزٹ کے لیے آتے تھے، اس نے ٹوس کے ساتھ کچھ
دیر سوئنگ کی اور پھر دونوں سمندر سے نکل آئے اور لیاریت
پہنچے ہوئے چچ چیرز کے قریب آئے اور دونوں چیرز پہ نیم
دراز ہو گئے۔ منڈالاچ کلب رنگ برنگی روشیوں میں نہایا ہوا
تھا کلب میں موجود سارے لوگ اس مدھوش کردینے والے
ماحول میں مدھوش ہو رہے تھے دیگر ٹرے میں رنگ برنگے
مشروب گلاس میں لیے اُن کے قریب آیا۔

”کیا آپ واٹن لیما پسند کریں گے؟“ دونوں نے اپنے
اپنے پسندیدہ مشروب کے گلاس اٹھا لیے اور کھونٹ کھونٹ
اپنے اندر اتارنے لگے، کچھ دیر بعد اُس نے دیگر کو اشارہ کیا
جس نے اُن سے خالی گلاس لے لیے۔

تھیں جب ہی تم وہاں سے اچانک چلی آئی تھیں جس دن
سے تم نے ڈانٹنگ شروع کی اُنک تو مجھے اسی دن ہو گیا
تھا۔ میری بیٹی میں مجبور تھی تمہارے خالو کی وجہ سے میں
نے وہ سب جھوٹ صرف زادیان کو اس رشتے سے منع
کرنے کے لیے کہا تھا خدا گواہ ہے تم میں اور ہا میں میں
نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔ تم کل بھی اچھی تھیں تمہیں
بدلنے کی ضرورت نہیں تھی مجھے معاف کر دو۔“ وہ بنا ج
جانے خالہ سے بدظن ہو گئی تھی جبکہ خالہ مجبور تھیں وہ
ندامت سے سر جھکا گئی تھی کہ اس نے اپنی بیاری ہی خالہ
کو غلط سمجھا۔

اماں فریدہ کی زبانی پہلے ہی سب جان گئی تھیں وہ شرما
کے کمرے میں چلی گئی تھی سب خوش تھے اور شاید وہ بھی۔
”میں تو سمجھا تھا تم میرے پیار میں پاگل ہو گئی
ہیں جب ہی خوب دبلا ہونے کی کوششیں کی جارہی
ہیں۔ سنو تم سے میں نے کب کہا کہ تم سوئی ہو۔“ زادیان
اس کے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا۔

”آپ..... وہ اسکی کوئی بات نہیں۔“ رشتہ کی نوعیت
کیا بدلی وہ نورانو د ب بن گئی تھی۔
”آہم آہم..... ابھی سے آپ جناب شروع بھی
اس کا مطلب ادھر سے بھی ہاں ہے۔“ زادیان ہلکھلا
کے ہنسا تو وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

سال کا یہ آخر دن اس کے لیے یادگار ہو چلا تھا۔
سانچوں سے گھرے اس ملک کے پاسیوں میں کم از کم
پرینے کی زندگی میں سال کا یہ آخری دن اسے موسم
گلاب سوچ گیا تھا جس کی تازگی کو اسے اپنی محبت و صبر
سے تا عمر برقرار رکھنا تھا۔



طے پا گیا تھا جو لوگ اس دن اسے دیکھتے آئے تھے۔ خالہ
رسم بھی کرتی تھیں اماں اور ابابگے تھے وہ خالہ کے گھر ہی
رک گئی تھی۔ آج ہی لوٹی تھی وہ روٹی پکارتی تھی جب ہی
اچانک سے ہمارے آکے اس کی کمر پر جمو کا جڑا۔

”او میڈم آج سال کا آخری دن ہے یونی ماسی
بنی گھومتی رہو گی کیا؟“ وہ بیلن اٹھا کے اس کی طرف
گھومی تھی اسے افسوس تھا کہ اس زلزلے کے بعد بھی
لوگ نئے سال کی خوشیاں منانے کو تیار تھے وہ بھی اس
کی اپنی عزیز کزن۔

”پاگل ہو گئی ہو کیا ابھی ملک اتنے بڑے سامنے سے
گزر رہے ابھی تو ملک زلزلے کے صدمے سے نہیں
نکلا۔ متاثرین بحال نہیں ہوئے اور تم کو نیا تیر کی پڑی
ہے۔“ پرینے کو غصہ آ گیا تھا۔

”بالکل صحیح کہہ رہی ہے پرین! تم بھی سدھرنا مت۔
پرین کو دیکھو کتنی اچھی ہو گئی ہے بھی دوسروں کا بھی سوچ
لیا کرو۔“ زادیان اچانک نمودار ہوا تھا پرینے نے بڑی
مشکل سے اس کی لودتی نظروں سے نظریں چرائی تھیں۔
”اچھا بابا سوری!“ ہمارے بھی ہار مان لی تھی۔

”اچھا روٹی ایک گئی تو چلاوی بلاری ہی ہیں تمہیں۔“ ہما
کو اچانک دیا آیا تو واپس مڑی تھی پرینے جلدی سے
روٹی پکا کے ہاٹ پاٹ میں رکھ کے باہر آ گئی۔ اس نے
خالہ کو سلام کیا۔

”ولیکم السلام میری بیٹی! جیتی رہو۔“ خالہ نے اسے
والہانہ پیار کر کے خود سے لپٹا لیا وہ حیران تھی ہمارے
شرارتی نظروں سے اسے دیکھا۔ خالہ نے اپنے پر سے
آنکھوں کی نکال کے اس کے نازک ہاتھوں میں پہنائی تھی وہ
منہ کھولے چکا بکٹیشی رہ گئی تھی اس اچانک کا پالٹ پر۔

”منہ تو بند کر لو بھالی صاحبہ!“ ہمارے آگے بڑھ کے
اسے گلے لگا لیا زادیان کھڑا اثری نظروں سے اسے گھور رہا
تھا اماں الگ بیٹی کے صدمے واری تھیں۔

”میں جانتی ہوں تم حیران ہو بیٹا اور میں یہ بھی جانتی
ہوں کہ اس دن تم نے میری اور زادیان کی باتیں سن لی

یہ ڈول میرے پاس رہنے دیں میں اس کے ساتھ کھیلوں گا اور اسے روکنے نہیں دیں گے۔ تو عزیمت کو بھی اس کی بات پسند آئی تھی کہ اس طرح وہ زیادہ بہتر انجوائے کر سکیں گے سو وہ اپنی بیٹی کو ان کے پاس چھوڑ کے روانہ ہو گئے اور سفر کے دوران ان کی کار حادثے کا شکار ہو گئی الی لیسٹنا ڈویل ڈیابلو کے پھاڑنے ان کو لنگل بنا تھا لیکن وہ اپنی بیٹی کی بات پوری کر رہا تھا، اُس کے ماں باپ نے اُسے بھی اُس کے اسکول داخل کروا دیا وہ اُس کے ساتھ کھیلتا اور اُس کا ایسے خیال رکھتا جیسے ایک ماں اپنے بچے کا رکھتی ہے وہ اُس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کرتا چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اس کی غلط باتیں بھی مانتے پر وہ اپنے ماں باپ سے بہت دفعہ ڈانٹ کھا چکا تھا لیکن وہ سنا تھا۔

”سوری کام اینڈ ڈیل! اس میں میری جان ہے میں اسے کبھی ناراض نہیں کر سکتا میں اس کی ہر خواہش پوری کروں گا چاہے اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے مجھے اپنی جان ہی کیوں نا دینی پڑے۔“ وہ بچے تو اُس کے ماں باپ اور دونوں بہنیں و نوریہ اور خالہ بھی اُس سے بہت پیار کرتی تھیں لیکن ان کا پیار نو مسلم رو برو کے پیار کے آگے کچھ بھی نہیں تھا، اور جوزفینا رسکارڈو کو اُس کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ وہ اُس کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتی تھی وہ اُس سے دس سال بڑا تھا لیکن وہ اُس کا بہترین دوست تھا جو اس کی ہر بات فوراً مان لیتا تھا۔ اُس کی آنکھ میں ایک آنسو تک نہیں آنے دیتا تھا، سال گزرتے گئے اور ان کا پیار بھی دن بدن بڑھتا گیا۔ وہ اٹھائیس سال کا ہو گیا تھا اور اُسے اپنی پرنسپل لائف شروع کیے چار سال ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

بنت حوا نے کھول رکھے ہیں بازار گناہ
ابن آدم ہے خریدار خُدا خیر کرے
دو پہر کے تین بجے کا وقت تھا کہ ایک لڑکی بلیک عبایا پہنے ایک ہاتھ سے اسکارف کے پلو کو پکڑ کے چہرے کو ڈھانپنے دوسرے ہاتھ میں ہینڈ بیگ تھامے یونیورسٹی کے گیٹ سے باہر نکلی تو ایک بلیو کمر کی کار اُس کے پاس آؤکی اور وہ فرنٹ ڈور اوپن کر کے بیٹھ گئی تو کار داروہارہ مرکز پہ فرار نے بھرنے لگی اس نے چہرے سے نقاب ہٹایا اُس نے کچھ بھر کے لیے اُس کی طرف دیکھا اور داروہارہ نظریں مرکز پر مرکوز کر دیں اور بولا۔

”تم واقعی ہی خوب صورت ہو یا میری نظر کا قصور ہے؟“
”جناب! آپ کی نظر کا قصور نہیں میں ہوں ہی خوب صورت۔“ ایک ادا سے کہا تھا تو وہ مسکرا کے بولا۔

”اچھا جی۔“ اور کار کا رخ دائیں سائڈ پہ نظر آتی سٹیشن گلی کی طرف موڑ دیا اور کچھ آگے جا کے اُس نے بیک لگائی اور کار کا انجن بند کر کے اُس کی طرف متوجہ ہوا، اُس نے اُس کی گود میں رکھے ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاوا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”اب ادھر تو کوئی نہیں دیکھ رہا یا میری جان۔“ وہ اُس کی بات کا مطلب سمجھ کے اپنے آپ میں کھنکھی۔
”اچھا! مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا۔“

”یار! اس میں غلطی کیا ہے نہیں ایک کسی ہی تو کرنی ہے ویسے تم جتنی ہو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور یہ کسی محبت ہے کہ تم میری ایک چھوٹی سی خواہش نہیں پوری کر سکتی؟“ وہ اُسے نظروں کے جال میں لپیٹ رہا تھا اور وہ لپٹ رہی تھی۔

”میری محبت یہ ٹھیک نہ کر دے محبت ہے تو تمہاری بات مان کے تمہارے ساتھ آئی ہوں نا۔“

”اگر آئی ہو تو پھر میری بات ماننے میں کیا حرج ہے میری جان؟“ اُس نے اُس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے گلوں سے چھوا اور دھیرے سے اُسے اپنے قریب کر لیا، وہ شیطان کے بہکا دے میں آ گئے تھے اور شیطان اپنی کامیابی پر خوشی سے جھوم رہا تھا یا گلوں کی طرح تھپتھپ رہا تھا، ہمارے ہی گلوں نے پہلے ہی نہیں بتا دیا تھا کہ کوئی ناخبر مرد عورت آپس میں تہائی میں نالہ کر رہی کیونکہ اُن کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے لیکن وہ اپنے ہی گلوں کی بات نہ مان کے اپنے لیے دنیا اور آخرت کی تباہی خرید رہے تھے۔

☆☆☆☆

تو تم اس دن کے مختصر رحو
جب آسمان ایک ظاہر ڈھواں لائے گا
جوزفینا رسکارڈو اپنی دوست مریم کے ساتھ کوکو شوٹا پنک کے لیے آئی تھی، شوٹا پنک کرنے کے بعد وہ میکسیکو کے سہانے موسم کو بجوائے کرنے کے لیے پیدل مارچ کرنے لگیں کہ اُس کی نظریں سامنے ایسا اینڈر مین کے جسم کے پاس کھڑے تین مشرقی لڑکوں پہ پڑی تو اُس کے اُٹھتے قدم یک دم ہی ڈک گئے وہ بس درمیان والے کو دیکھتی رہ گئی اور ایک عجیب سے

احساس نے اُسے گھیرنا شروع کر دیا اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اُس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے وہ اُن دونوں لڑکوں سے منفرد تھا بلکہ اس وقت کوکو پنک میں موجود سب لوگوں سے۔ وہ بیک شلوار قمیص میں لمبوس دائیں کندھے پہ کالی چادر ڈالے ہوئے اور کالی ہی مونچھوں کے نیچے مسکراتے لب بلاشبہ وہ دوسروں کا پس منظر کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا تھا وہ سب لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا لیکن اُسے پس منظر نہ تو اُس کی خوب صورت کر رہی تھی نہ ہی خالص مشرقی اسٹائل۔ یہ کچھ اور تھا ایسے جیسے وہ اُس کے جسم کا حصہ ہو اور وہ ایک جادوئی شش کی طرح اُسے اپنے پاس کھینچ رہا ہو جیسے ایک مقناطیس دوسرے مقناطیس کو کھینچتا ہے اُس کے قدم اُس کی طرف اُٹھنے لگے اُسے نہ تو مریم کی آواز سنائی دے رہی تھی اور نہ ہی اُس کے علاوہ کوئی دکھائی دے رہا تھا جب وہ اُس کے بالکل سامنے جا کر ٹھہری ہوئی تب اُس نے اُس کی طرف دیکھا تھا ڈارک براؤن آنکھوں کا وہ اُس کی طرف دیکھتا اُس کے دل و دماغ میں پھل چلا گیا تھا اور اُس کے دماغ میں ایک جھماکا ہوا تھا اُسے یاد آ گیا تھا۔

”آپ وہ ہی ہوتا؟“ اُس نے گم سم انداز میں کنفرم کرنے کے لیے پوچھا تھا اپنے سوال کے جواب میں اُسے اُس کے ساتھ کھڑے دونوں لڑکوں کا تھپتھپ سنا دیا تھا جبکہ اُس لڑکے نے اپنے تھپتھپ کو کنٹرول کر لیا تھا لیکن وہ اپنی مسکراہٹ کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔

”وہ کون میڈم؟“ اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔
”وہ ہی جو پچھلے ہفتے مجھ سے ملا تھا۔“
”لیکن کہاں میڈم؟“ اُس نے حیرانی سے پوچھا۔
”خواب میں۔“ اُس کے جواب نے اُسے بھی تھپتھپ لگا نے یہ مجبور کر دیا تھا۔

”جوزفینا! تم بالکل ہو گئی ہو کیا بیوقوفوں والی ترستیں کر رہی ہو؟“ مریم نے اُسے بازو سے پکڑ کے اپنی طرف گھماتے ہوئے کہا تو اُس نے بازو چھڑواتے ہوئے کہا۔

”مریم! میں غداق نہیں کر رہی میں نے خواب میں دیکھا تھا میں راستہ بھول جاتی ہوں تب میں گلیوں میں بھٹک رہی ہوں میں پکارتی ہوں کوئی ہے کوئی ہے تب مجھے اپنے پیچھے سے آواز سنائی دیتی ہے میں دیکھتی ہوں تو آپ کھڑے ہوتے ہو آپ کہتے ہو اس سے پہلے آسمان سے زخاں آئے اور تمہیں

تجاہ و برباد کر دے تم سیدھے راستے کو ڈھونڈ لو میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ زخاں کیا ہے؟ اور مجھے کیوں تجاہ و برباد کرے گا اور سیدھا راستہ کون سا ہے لیکن آپ ادھر سے چلے جاتے ہو میں آوازیں بھی دیتی ہوں میں آپ کے پیچھے پہنچی جاتی ہوں لیکن آپ میری آواز ہی نہیں سنتے۔ میں بھاگ بھاگ کے تھک کے گر جاتی ہوں۔“ اُس نے جلدی سے اُسے بتایا اور اُن تینوں کے تھپتھپ بیک وقت تھے تھے اور وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆☆

میرا بھیا میری جان ہے
میری بہنا میرا جان ہے
”امی! ریاچ سے میرا ایک تیار کروا دیجیے گا میں کل چندہ دونوں کے لیے دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے میکسیکو جا رہا ہوں بابا جان سے میں نے اجازت لے لی ہے۔“ اُس نے صحن میں صوفہ پر بیٹھی عائشہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا جو عصر کی نماز کے بعد قہقہہ ہنسنے میں مصروف تھیں۔

”اچھا نماز پڑھ کے آئی ہے تو کبھی ہوں تم مجھے یہ بتاؤ میکسیکو کہاں ہے؟“
”امی یہ شمال امریکا کا ایک شہر ہے۔“ اُس نے عائشہ کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔

”تو بیٹا! پھر دفع کر بے حیاؤں میں جا کر کیا کرتا ہے۔“
”امی جان! اب بے حیاؤں کے لیے ہم قدرت کے نظارے دیکھنا چھوڑ دیں؟ یقین مانیں کیا شہر ہے میں نے انٹرنیٹ پر تصویریں دیکھیں تھیں چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھر اہوا اور بہت خوب صورت ہے۔“ ریاچ اس کے میکسیکو جانے کی بات سن کر اداس ہو جاتی ہے۔

”جب تمہاری بھائی آئے گی نا تو پھر سب چلیں گے چہرتم اپنی بھائی کے ساتھ خوب انجوائے کرنا۔“ اُس نے اُس کی ناک دباتے ہوئے کہا۔
”مطلب آپ شادی کے لیے مان گئے؟“ وہ سب بھول بھال کے خوشی سے چبکی تھی۔

”ہاں نا اسی لیے تو بابا جان نے اجازت دی ہے جانے کی۔“ وہ اُس کے ساتھ لپٹ گئی۔
”بھیا! آپ بہت اچھے ہو آج آپ کی ہر بات مان لوں گی وہ بھی بنا رشوت کے۔“ اُس نے اُٹھتے ہوئے شرارتی

مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی وہ بھی مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیا۔
☆☆☆☆

نقد نے ہمیں آپ سے ملوایا
خوش نصیب تھے ہم؟
یادہ مل تھا حسین؟

وہ تینوں دوست ہوٹل کا کون کنوٹرا میں ٹھہرے تھے جو کوکو بگو سے تین سو میٹر کے فاصلے پر تھا وہ رات کے دس بجے پہنچے تھے سو وہ اگلا دن سوتے رہے اور پھر چار بجے وہ کھانا کھانے کے بعد ہوٹل سے نکلے اور کینٹی لے کے کوکو بگو پہنچے انہوں نے منڈالا لالچ کلب کی رات کی فٹس بک کر دینی تھیں جس کی ٹائمنگ شام چوبیس بجے سے صبح چھ بجے تک تھی۔
”لگتا ہے چوہدری صاحب کی پرسنٹی نے اس لڑکی کو پہچاننا نہ کر دیا ہے نہ دیکھو کیسے دیکھے جارہی ہے۔“ عمیر نے کہا تو علی بھی اس کی نظروں کی سمت دیکھنے لگا۔
”تو دیکھنے دو مجھے کیا۔“ اس نے کہا لیکن جب وہ ان کی جانب آنے لگی تو علی بولا۔

”یارادہ ایسے نہیں دیکھ کے تمہاری طرف آ رہی ہے جیسے پچھلے غم میں تم اس سے مل چکے ہو۔“ وہ تینوں ہنسنے لگے لیکن اس کا خواب سن کے اسے لگا کہ وہ جگ کبہ رہی ہے کیونکہ اس کا اپنا نام ڈخان تھا۔

”کل میں چار بجے آپ کا انتظار کروں گا اور پھر مطلب بتا دوں گا ابھی میں گلب جا رہا ہوں۔“ اور جوزفینا رسکارڈو تب تک اسے مزے دے رہی تھی جب تک وہ منڈالا لالچ کلب میں داخل نہیں ہو گئے۔

☆☆☆☆

ٹومس روہو آفس کے کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے دوسرے شہر گیا ہوا تھا جب واپس آیا تو اسٹروگری کو پریشان پایا۔
”کیا ہوا ہے مام آپ پریشان کیوں ہیں؟“

”آج کل جوزفینا بہت عجیب برتاؤ کر رہی ہے۔ تمہارے جانے کے اگلے دن رات کو میں نے اس کے کمرے سے جج کی آواز سنی تھی تو میں اور روہو اس کے کمرے کی طرف بھاگے تھے جب اسے دیکھا تو وہ بیسنے میں شرابور تھی اور کانپ رہی تھی اور یہی بولی جارہی تھی مجھے بتاؤ

ڈخان کیا ہے؟ یہ مجھے کیوں تباہ و برباد کرے گا؟ ہم سے تو سنبھالی ہی نہیں جارہی تھی پھر میں نے اسے فینڈی کوئی دس کے سٹلا دیا اور پھر اگلے دن بھی اس نے اٹھتے ہی پوچھا تھا کہ کوئی اس سے ملنے کو نہیں آیا تھا میں نے پوچھا جس نے آنا تھا تو کہتی وہی جورات کو آیا تھا میں نے اسے سمجھایا بھی کہ وہ خواب تھا لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہیں اٹھتے ہی اس کا پوچھتی ہے، اب تم آگئے ہو تو تم اسے سنبھال لو گے، ناشہ کرلو اور آج جوزفینا کے ساتھ وقت گزاری دو میں اس کے لیے نکلتی ہوں۔“ اسٹروگری نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے آپ جائیں میں دیکھتا ہوں اس کو۔“ اس نے بھی اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔
”کیسی ہے میری باری ڈول؟“ اس نے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا اور اسے لیے کمرے میں آ گیا۔

”میں ٹھیک ہوں، ٹومس میں نے تمہیں بہت زیادہ مس کیا۔“
”میں نے بھی بہت مس کیا اپنی جان کہ۔“ اس نے اس کے ساتھ بیٹھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اس لیے میں نے سوچا ہے کہ آج کا دن ہم دونوں بار میں گزاریں گے اپنے دوستوں کے ساتھ ڈانس پارٹی انجوائے کریں گے۔“
”نہیں آج نہیں۔“ اس نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

”کیوں آج کہیں جانا ہے تم نے؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔
”ہاں آج مجھے اس سے ملنے جانا ہے جو اس دن مجھے خواب میں ملا تھا۔“

”میں نہیں جانتا کہ تم مسلمان لوگوں سے ملو، وہ چادور ہیں دوسروں پہ چادور کے اپنے مذہب میں داخل کر لیتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچے ہیں برداشت نہیں کر سکتا۔“

”لیکن ٹومس میں صرف اس سے پوچھنا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کہا تھا۔“ اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”میں نے کہہ دیا تھا کہ تم اس سے ملنے نہیں جاؤ گی اگر تم گئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا تم نے ابھی تک میرا پیار رکھا ہے نہ نہیں اور وہ خواب تھا خواب کو حقیقت کا رنگ نہ دو۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا اور وہ بے یقینی سے اس

کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ ابھی اس نے باہر جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ جوزفینا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اٹھ کے اس کے سامنے کھڑی ہوئی۔

”پلیز ٹومس مجھے نہ روکو مجھے جانے دو میں مان لیتی ہوں کہ وہ خواب تھا لیکن اس خواب نے مجھے اپنے عمر میں لے رکھا ہے میں رات کو سوئیں پاتی مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا اور کل میں نے اس کو روک دیا اور مجھے ایسا لگا میں اس کے وجود کا ایک حصہ ہوں میں ایک اجنبی کشش کے باعث اس کی جانب پھٹی چلی گئی۔

”تم نے آج تک میری ہر چھوٹی سے چھوٹی بات مانی ہے ٹومس تو پھر آج جب میری زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے تو آج کیوں اتنی سی پھیر رہے ہو؟“ اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹومس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے وہ نرم پڑ گیا۔

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ اگر میں نے آج تمہیں جانے دیا تو تمہیں کھودوں گا چودہ سال سے اپنی سانسوں کی طرح تمہیں جی رہا ہوں میں، بتاؤ تمہیں کھونے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں؟“ بے بسی کی آخری حد پہ پہنچتے ہوئے وہ بولا۔ اس نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ ”جاؤ تم چلی جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گا تمہاری زندگی سے زیادہ مجھے کچھ عزیز نہیں۔“ اس نے بے چارگی سے کہا اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک کے جوزفینا کے سنہری بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

بے قول خدا قول محمد ﷺ، فرمان نہ بدلا جائے گا بدلے گا زمانہ لاگہ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا سامنے ساحل سمندر تھا جس کے ساتھ ریسٹورنٹ بنا ہوا تھا وہ دونوں بھی ریسٹورنٹ میں ایک ٹیبل کے گرد آئے سامنے بیٹھ گئے۔

”میڈم! آپ کا مذہب کیا ہے؟“ اس نے بات کا آغاز کیا۔
”عیسائیت۔“ اس نے جواب دیا۔
”تو آپ اس خواب کو اتنا خود بہ سواریوں کر رہی ہیں آخر آپ کیوں مطلب جاننا چاہتی ہیں؟“

”مجھے نہیں پتہ کیوں اس خواب نے مجھے اپنے سحر میں

لے رکھا ہے اور مجھے یقین تھا کہ آپ آؤ گے اور آپ مجھے بتاؤ گے کہ آخر ڈخان کیا ہے اور یہ کیوں مجھے تباہ و برباد کرے گا اور کون سا سیدھا راستہ ہے جس کو ڈھونڈنے کے لیے آپ نے مجھے کہا۔“ اس نے تقصیر پوچھا۔ جب ہی ویٹر جوں اور کافی لے آیا تھا اس نے کافی کا گمگناہا اور وہ جوں میں پاپ ہلاتے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی اس نے کافی کا سپ لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”ڈخان کا مطلب ہے دھواں (سوسک) یہ ہماری مقدس کتاب قرآن پاک کی ایک سورہ کا نام ہے لہذا ڈخان اور یہ لفظ اس کی دوسری آیت میں آیا ہے جس کا ترجمہ ہے تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک واضح دھواں لائے گا، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور یہ دھواں سوسک کے لیے صرف ایک طرح کا زکام پیدا کر دے گا اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر ماسم سے نکلے لگے گا اور آپ کو اس لیے تباہ و برباد کرے گا کیوں کہ آپ یہ غلط راستے پہ چل رہی ہو سیدھا راستہ اسلام ہے۔“ وہ زکا اور کافی پینے لگا۔ وہ جو اس کا ایک ایک لفظ بہت دھیان سے سن رہی تھی اور اس کا ایک ایک لفظ اس کے اندر سکون پیدا کر رہا تھا۔ اس کے چپ ہو جانے سے ایک دم چوکی۔

”یہ آپ کے خواب کا مطلب تھا جو میں نے بتا دیا قارمور انفرامشن آپ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ سکتی ہیں خاص طور پہ اس سورہ کا۔“

”آپ کے خیال میں مجھے یہ خواب کیوں آیا؟“
”میرے خیال میں اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک موقع دے رہے ہیں کہ آپ صحیح راستے کو تلاش کر لو اس سے پہلے کہ قیامت آئے اور کافر لوگ پچھتائیں۔“

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام سیدھا راستہ ہے؟ ہر انسان اپنے مذہب کو ہی سچا بولے گا۔“

”میڈم! میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور رہی بات اسلام کی تو صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے آپ جہاں سے بھی قرآن پاک جب پڑھو گی انٹرنیٹ سے پڑھو گی یا دنیا کے کسی بھی کونے سے تو اسے لفظ بہ لفظ سچا پاؤ گی اس کے علاوہ تو رات، زبور یا انجیل کسی بھی کتاب کو لے لو یہ ہر انسان کے پاس مختلف ہوگی۔ آپ خود اس سچ کر جو ٹھیک لگے اس راستہ کو اپنائیں اب مجھے اجازت دیجیے میڈم۔“

”شکر ہے آپ میرے لیے آئے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ چلنے لگی وہ بس مسکرا دیا۔ ”آپ وزٹ کے لیے آئے ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”جی ہاں میں پہاڑوں اور مندروں کا دیوانہ ہوں۔“

”کب تک ہیں یہاں؟“

”دس دن تک۔“ اس نے کار کے پاس پہنچ کے کہا۔

”آئیے میں آپ کو کچھ ڈروں۔“

”نہیں میڈم! میں چلا جاؤں گا۔“ اس نے انکار کرتے ہوئے ایک سیڑھی کو روکا تو اس نے بھی گھر کی راہ لی۔

☆☆☆☆

وہ گھر آتے ہی ٹیوس کے کمرے میں گئی وہ آنکھوں پہ بازو رکھ لے لیٹا ہوا تھا۔

”آجاؤ جوزفینا کیا تم اس سے مل آئی ہو؟“ اس کی آواز سن کے وہ آگے بڑھ آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی وہ بھی اٹھ بیٹھا تھا۔

”تھک چکی ہو ٹیوس! تم بہت اچھے ہو، اگر میں گھر میں کسی اور سے کہتی تو وہ مجھے بھی جانے نہ دیتے، اس کے لفظوں میں ایک سر تھا جب تک وہ بولتا رہا میں اس کے سر میں کھولی رہی تھی مجھے یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی اور مذہب کو ماننے والا ہے بس مجھے ایسا لگا کہ وہ میرا آخر خواہ ہے اسے گاؤں میرے لیے بھیجا ہے۔“ وہ ابھی بھی اس کے سر سے نہیں نکل پائی تھی ٹیوس نے بغور اسے دیکھا تھا اس کے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تھے اُن دونوں کے درمیان ایک تیسرا انسان آ گیا تھا، جس محبت کی ڈوری میں وہ چودہ سالوں سے بندھے ہوئے تھے آج وہ ڈوری ٹوٹ گئی تھی۔

”اب تو میری گڑبا خوش ہے نا؟“ اس نے اپنی تکلیف چھپاتے ہوئے مسکرا کے پوچھا۔

”بہت زیادہ ٹیوس! میں فرآن کو پڑھنا چاہتی ہوں۔“

”اب یہ کیا ڈرامہ ہے؟“

”پیئر ٹیوس! میں اٹھارہ سال کی ہو چکی ہوں۔ میں اپنی چوڑاں سے کوئی بھی مذہب چوڑ کر سکتی ہوں۔ میں کسی کے داؤ میں آ کے نہیں کھڑی رہی نا ہی ایسا ہے کہ مجھے اس شخص سے محبت ہو گئی ہے یہ کچھ اور ہے جو مجھے اپنے سر میں جکڑ رہا ہے اس لیے میں تفصیل سے جانتا چاہتی ہوں کہ آخر یہ کیا ہے جو مجھے سکون نہیں لینے دے رہا، ذرا خان کیا ہے یہ تو پہچان گیا ہے

اب اس نام کا ٹاپک میں پورا پڑھنا چاہتی ہوں، ٹیوس اگر کسی نے مجھ پہ حتیٰ کی تو میں خود کو نقصان پہنچاؤں گی اس لیے بہتر ہے کہ میں جو کرنا چاہتی ہوں مجھے کرنے دیا جائے اور مجھے یہ ہے تم گھر والوں کو سنجال لو گے۔“ اس نے آنکھوں میں یقین لیے اسے کہا تھا۔ تو ٹیوس کا سر خود بہ خود اٹھتا تھا اس نے ہل گیا تھا۔ وہ چاہتے کہ باوجود بھی اسے کچھ دیا پانچ پاس نہ کر کے کا نہ کہہ سکا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆

کس کی ہدایت سے صنم سبے ہوئے رہتے تھے؟ منہ کے بل گر کر حوالہ حوالہ کہتے تھے اس نے پاپ کارن کا باؤل اور مشروب کا گلاس بیڈ کے سائڈ ٹیبل پہ رکھا اور لیپ ٹاپ اپنے سامنے بیڈ پہ رکھ کے بیٹھ گئی اس نے لیپ ٹاپ آن کر کے سورۃ دُخان ان انگلش ٹرانسلیشن سرج کیا اور پڑھنے لگی۔

”اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا، رحم قسم اس روشن کتاب کی“ اس کا مشروب کو منہ تک لے جاتا تھا ادھر ہی ٹوک گیا تھا اس نے واپس ٹیبل پہ رکھ دیا۔ ”بے شک ہم نے اسے برکت والی رات میں اُتارا، بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں، اس میں باغش دیا جاتا ہے ہر حرکت والا کام، ہمارے پاس کے حکم سے بے شک ہم بھیجے والے ہیں، تمہارے رب کی طرف سے رحمت بے شک وہی سننا جانتا ہے، وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تمہیں یقین ہو، اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ جلائے اور مارے تمہارا رب اور تمہارے انگلی پاپ دادا کا رب۔“ ایک خوف اور کچکی اس پہ طاری ہو چکی تھی اس کے باوجود ایک سحر نے اسے لپیٹ میں لے لیا تھا اس نے پڑھنا جاری رکھا۔ ”بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر ڈھواں لائے گا اور لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ ہے درد ناک عذاب۔“ اس پہ وحشت سی طاری ہونے لگی ایسے جیسے ابھی آسمان سے ڈھواں آئے گا اور اسے محسوس کر دے گا اس نے جلدی سے اٹھ کے اپنے کمرے کی کھڑکیاں بند کی اور بیڈ پہ بیٹھ کے لمبے لمبے سانس لینے لگی اور مشروب کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا اور ایسے پیچھے کھینچا جیسے گلاس میں مشروب کی جگہ کوئی زہریلی چیز ہو وہ اُٹھی اور دم فرج سے پانی کی بوتل نکالی اور منہ سے

رنگی اس نے خود کو ریلیکس کیا اور پھر پڑھنے لگی۔

”اس دن کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب کھول دے ہم ایمان لاتے ہیں۔“ وہ پڑھتی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے گئے۔ ”تو تم انتظار کرو وہ بھی کسی انتظار میں ہیں۔“ آخری لائن پڑھ کے اس نے اپنے آنسو صاف کیے تھے اسے سیدھا راستہ مل گیا تھا اس نے بہ خودی کے عالم میں اللہ کو نکارا تھا ایک عجیب سا سکون اُسے ملا تھا۔ ”اے اللہ مجھے سمجھا دے کہ میں اس لڑکے کو دکھانا اور پھر اس کا مجھے یہ اتفاق دکھانا اور پھر اس کا پاکستان سے نیکو کیا نا اور مجھ سے ملنا، آپ نے مجھے جن لیا ہے ہدایت کے لیے آپ نے مجھے اُن لوگوں سے نکال لیا ہے جن پہ تیرا عذاب نازل ہوگا اے میرے اللہ میں تجھ پہ ایمان لاتی ہوں میں تیری اس کتاب پہ ایمان لاتی ہوں، تو ایسا ہے تیرا کوئی شریک نہیں، بے شک میں گھر اسی کے راستے پہ چل رہی تھی میں گناہوں میں تھری ہوئی ہوں میرے سارے سنگھار معاف کرو۔“ وہ سسکتے ہوئے اللہ کو نکار رہی تھی اس نے اٹھ کے کھڑکیاں کھولیں اب اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا وہ مسکراتے ہوئے اندھیرے میں ڈوبے آسمان کو دیکھنے لگی جیسے اُسے یقین ہو کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

☆☆☆☆

وہ یونیورسٹی کے لیے تیاری اور آجینڈ میں بغور اپنے نظر آتے عکس کو دیکھنے لگی وائٹ پیٹت پہ قل فینیک کے ساتھ ڈارک بلیو لائٹ شرٹ پہنے سفید جالی دار ڈوپٹہ گلے میں ڈالے کانوں میں بلیو کلر کے ٹاپس اور ہاتھ پہ بلیو ہی برنسلسٹ (جو احمر نے اس دن کار میں اسے گفٹ کیا تھا) آنکھوں میں کامل پکوں پہ مسکارا اور ہونٹوں پہ گلابی لپ اسٹک لگائے بلاغ یہ وہ بہت حسین لگ رہی تھی اس کے ذہن میں لاشعوری طور پہ اپنی چار سال پہلے کی لگ آئی تھی بڑی سی چادر میں لپٹی سادہ سی ایک لڑکی کی، اس نے نفرت سے سر جھٹکا جالی دار ڈوپٹہ بھی کوئی زندگی تھی اُسے اپنی اس زندگی سے یہ دہائی زندگی پسند تھی جو وہ انہوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کے گزار رہی تھی آج اس کا یونیورسٹی میں آخری دن تھا کاش یہ لمحے ادھر ہی ختم جائیں، اس نے دل سے دعا کی تھی۔

”بہت خوب صورت لگ رہی ہو میٹھی کی طرح اس لیے اب آجاؤ احمر انتظار کر رہا ہوگا تمہارا۔“ زینب نے اُسے آئینے

کے سامنے کھڑا ہوا دیکھ کے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل دی۔ وہ یونیورسٹی میں ابھی فرسٹ لان کے آگے سے گزری تھی کہ اس کی کلاس فیلوز وہیہ نے اُسے پکارا تھا وہ اپنی فرینڈز سے بولی۔

”آپ لوگ جاؤ میں زوبیہ کی بات سن کے کیفے میں آ جاؤں گی۔“ وہ لان میں رکھے پیچ پہ زوبیہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”ہیلو کیسی ہو؟“

”میں ٹھیک ہوں، آج ہمارا لاسٹ ڈے ہے تو سوچا تم سے بات ہی کر لی جائے۔“ زوبیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں یار پہیہ ہی نہیں چلا کیسے چار سال گزر رہی گئے۔“ اس نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا۔

”یاد ہے جب تم نے بلیک ڈریس پہ بلیک بڑی سی چادر لی ہوئی تھی تب تمہارے چہرے پہ نمازیوں کا سناؤ تھا ایک کشش تھی لیکن جب کلاسز کے لیے تم فرسٹ ڈے آئی تو میں یقین ہی نہ کر پائی کہ یہ تم ہو تم نے غلط ٹریکیوں کی روش اختیار کر لی تھی اور آج تک تم اُسی روش پہ چل رہی ہو۔ تم اپنے والدین کو دھوکا دے رہی ہو۔ احمر ایک کرپٹ انسان ہے وہ اور بھی بہت سی ٹریکیوں کو دھوکا دے چکا ہے وہ تم سے جھوٹے شادی کے وعدے کر رہا ہے وہ بھی تمہاری ماں باپ کو تمہارے گھر رشتہ لینے نہیں بھیجے گا ابھی بھی وقت نہیں گزرا تم اللہ سے توبہ کر لو اور تم بھی اپنے والدین کی پسند پہ سر جھٹکا دینا احمر کا انتظار نہ کرنا ایسا کر کے تم اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکی۔“

”بکواس بند کرو پانی میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں مانگا اور احمر ایسا نہیں ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ تم سے ہمارا پیار برداشت نہیں ہو اس لیے مجھے احمر کے خلاف کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔“ وہ غصے سے کہتی چلی گئی اور زوبیہ بس خسوس سے سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆☆

آدھی رات تک وہ سیکسی کی سڑکوں پہ آوارہ گردی کرتے رہے تھے اور اب پڑے سو رہے تھے سسٹل ہوئی دستک سے آخر غلی نے اٹھ کے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کے وہ حیران ہوا۔

”کیا میں آپ کے دوست سے مل سکتی ہوں؟“ ”یارا وہ تم سے ملنے آئی ہے باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔“

”کون؟“

”وہ بی جس سے تم خواب میں ملے تھے۔“ علی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ بیٹھا۔ ہوٹل کے سامنے ایک لڑکی گھٹنوں تک آبی دانت شرت ساتھ بیوقوف لڑاؤ زربینے اور گلے میں بلیو مفلر لینے کار کے ساتھ فیک لگائے کھڑی نجانے کن خیالوں میں گھوٹی تھی وہ اُسے اس طرح فکس ڈریس میں دیکھ کے حیران ہوا تھا۔ جب ہی اس نے فرنٹ ڈور اوپن کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پہ جا بیٹھی اور کار اشارت کی کچھ پر بعد وہ بولی گئی۔

”میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔“ اُس نے چونک کے اُس کی طرف دیکھا۔ تو وہ اُس کے اس طرح دیکھنے پہ بولی۔ ”ہاں میں اللہ پی ایم ان لانی ہوں اس سے پہلے کے آسمان سے ڈخان آئے اور مجھے اپنی اپنی لپسٹ میں لے لے۔“

”تم بہت خوش قسمت ہو۔“ وہ دھیرے سے بولا تو اُس نے سڑک کے ایک طرف گاڑی روکی اور اُس کی طرف دیکھ کے بولی۔

”ہاں میں خوش قسمت ہی تو ہوں کہ اللہ نے اتنے سارے لوگوں میں سے مجھے ہدایت کے لیے چنا ہے جب وہ مجھے اپنی طرف بلا رہا ہے تو میں کیوں نہ اُس کی طرف اپنے قدم بڑھاؤں؟ آپ کا خواب میں مجھے نظر آنا اور پھر آپ کا میکسیکو آنا اور مجھ سے ملنا اور مجھے میرے خواب کا مطلب بتانا، یہ سب ایک معجزہ ہی تو ہے۔“ پھر اُس نے آنکھوں میں آنسو لیے ڈخان کے ساتھ ساتھ کلمہ کے الفاظ دہرائے اور ایک گھنٹہ ڈخان کے ساتھ باتیں کی تھیں جس سے وہ اسلام کی بہت سی باتیں جان گئی تھیں۔ اُس نے ہوٹل کے گیٹ کے آگے کار روکی تو اُس کی طرف دیکھ کے بولی۔

”سوری سر! میں آپ کا نام ہی نہیں پوچھا ابھی تک۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام آپ جانتی ہیں میڈم! اس لیے میں نے آپ کو نہیں بتایا تھا۔“ اُس کو سوالیہ انداز میں اپنی طرف دیکھتے ہائے بولا۔

”ڈخان یہ لفظ مجھے بھی نہیں بھولے گا۔“

”اور میرا اسلامی نام؟“ آپ مجھے بتاؤ اللہ کی کتاب میں سے کوئی نام۔“ اُس نے کچھ پالنے کی سرشاری سے کہا تھا۔

”نامہ۔“ اُس نے اپنا پسندیدہ نام بتایا۔ ”یہ قرآن پاک کے پانچویں پارے کی سورۃ کا نام ہے اس کا مطلب ہے دی

نیل اسپرڈ۔“

”بہت اچھا نام ہے۔“ اُس نے کہا اور وہ اُس کی طرف دیکھ کے بولا۔

”اُو کے نامہ میڈم! اب مجھے اجازت دیجیے۔“ تو اُس نے الوداعی مسکراہٹ اُس کی طرف اٹھائی اور اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی اور پھر روزانہ وہ دیکھنے ساتھ گزرتے لگے وہ اپنا اسلام کے بارے میں نالج اُس سے شیئر کرتا اور وہ نیٹ سے سرچ کیا گیا ڈیٹا اُس سے شیئر کرتی۔ ٹومس کے علاوہ ابھی گھر میں کسی کو اس کے اسلام قبول کرنے کا نہیں یہ تھا البتہ وہ حیران ضرور ہوئے تھے اُسے فل ڈریس پر پہننے دیکھ کے لیکن ٹومس نے یہ کہہ کے انہیں چپ کر دیا اُس کا دل کڑا ہوا ہے تو پہننے دیں نا اور پھر اُس کے جانے کا دن بھی آپہنچا۔ وہ ساحل سمندر پہنچا تھا اُسے ملنے وہ دیکھنے پہ ہاتھ رکھے پانی کی لہروں کو ہولے کے ساتھ مستیاں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی وہ بھی اُس کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اُس نے بھی اپنے ہاتھ دھوئے۔

”تم چارے ہو؟“

”ہاں۔“ اُس کا ہاں سُن کے نجانے کیوں آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

”نہ جاؤ نا۔۔۔۔۔“ نامہ نے کہا تو اُس نے اُس کی طرف دیکھا اور دیکھا ہی رہ گیا جمیل سی نیلی آنکھوں سے برسات ہو رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے نیلے آسمان سے پانی برس رہا ہو۔

”آپ روتے ہوئے اتنی حسین لگتی ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔“ اُس نے آنکھوں میں شرارت لیے اُسے کہا تو وہ مسکرا دی اُسے لگا جیسے بارش میں پھول کھلے ہوں وہ ان نیلی آنکھوں میں ڈوب رہا تھا وہ بس اس لیے اُس سے ملتا رہا تھا کیوں کہ اُسے اُس کا خواب سُن کے لگا تھا کہ اللہ اُسے ہدایت دینا چاہتا ہے اور اس کے لیے اُسے منتخب کیا ہے اس لیے اُس نے اُسے اسلام کے بارے میں جتنا ہو گا گائیڈ کیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ آخری لمحے میں وہ اُس کی جمیل سی نیلی آنکھوں میں ڈوب جائے گا، اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔

”مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم بہتے ہوئے قیامت لگتی ہو۔“ وہ ایک لمحے میں آپ سے تم پہ آیا تو اور کھل کے کھنسی گئی۔

”ایک مہینے تک شادی ہے میری آؤ کی میری شادی پہ“

نجانے کیوں اُس نے پوچھا تھا تو اُس نے بے یقینی سے اُسے

دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ ”بچپن سے میری کزن کے ساتھ میری بات ملے ہے ابھی وہ بھی بڑھائی میں مصروف تھی اور میں بھی کچھ مصروف تھا خود کو سنبھالنے کرنے میں اس لیے انکار کرتا رہا تھا لیکن اب بابا جان نے اس شرط پہ میکسیکو آنے کی اجازت دی تھی کہ میں شادی کے لیے مان جاؤں۔“ اُس نے وضاحت کی تو اُس کی آنکھوں سے دوبارہ برسات شروع ہو گئی۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے اللہ نے آپ کو صرف میرے لیے بنایا ہے پھر اللہ کیسے آپ کو کسی اور کو سنبھال سکتے ہیں بتائیں کیسے؟“ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی اُس نے اپنی نظریں پڑائیں کھیں کہیں وہ اُس کی آنکھوں سے اُس کے دل کا حال نہ جان لے۔

”میرے بس میں ہوتا تو میں ابھی تمہیں اپنا بتا لیتا لیکن میں وعدہ خلافی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اپنے بابا جان سے کیا وعدہ نہیں توڑ سکتا۔“

☆☆☆☆

میرے خالق میں حیرے کن کی طلب میں زندہ ہر گھڑی ایک قیامت سے گزر جاتی ہوں ٹومس رو برو کو جب یہ چلا کہ جوزفینا رسکارڈو نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ دو دن گھر بند کی پڑا رہا اور تیسرے دن اُس نے بھی قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے لیے لیپ ٹاپ آن کیا تھا وہ جانتا چاہتا تھا کہ آخر اس کتاب میں ہے کیا؟ اُس نے چھ دن لگا کے قرآن کا ترجمہ پڑھا اور ساتویں دن وہ اس کتاب پہ ایمان لے آیا تھا اسلام ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی قرآن پڑھے اور اس کی سچائی سے انکار کر سکے۔ وہ بہت دنوں بعد جوزفینا کے کمرے میں آیا تھا۔ اُس کی آنکھیں سو جھکی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں آنسو تھے وہ دوبارہ بیڈ پہ جا کے بیٹھتی تو ٹومس نے اندازتے ہوئے بے یقینی سے اُسے پکارا۔

”جوزفینا!“

”میں جوزفینا نہیں ہوں میرا نام نامہ ہے۔“

”سوری میں بھول گیا تھا لیکن تمہیں کیا ہو ساری رات تم روتی رہی ہو؟“

”وہ پاکستان چلا گیا۔“ اُس نے چہرہ اٹھا کے اُس کی طرف دیکھ کے کہتے ہوئے کہا۔

لفظ لفظ مونی

☆ خدا کے بعد تمہارا بہترین ساتھی تمہارا اعتماد ہے۔

☆ کچھ شکست ایسی بھی ہوتی ہے جس کے دامن میں سچ سے زیادہ کامیابیاں ہوتی ہیں۔

☆ بیٹے فحش کی باتیں ان کے ساتھ بیت نہیں جاتیں بلکہ ہمارے اندر وہ زندہ رہتی ہیں۔

☆ جن کے پاس مقصد نہیں ہوتا ان کے پاس منزل بھی نہیں ہوتی۔

☆ دوست کبڑے پر لگے پیوند کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر وہ رنگ نہ ہوں تو بہت میوہ بکھے جاتے ہیں۔

☆ ملنے کے دو معیار ہوتے ہیں خیالات ملتے ہوں یا معیار۔

جویریہ ضیاء..... ملیر کراچی

”کیا تم پاکستان جانا چاہتی ہو؟“ ٹومس نے کہا تو وہ بولی۔

”اُس کی اگلے مہینے شادی ہے۔“

”اگلے مہینے تک ہے نا ابھی ہوئی تو نہیں نا تو پھر تم اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس ہو رہی ہو؟ اللہ کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے بس کن کہنے کی دیر ہے تو فیکو نہ ہو جاتا ہے۔“ اُسے منہ کھولے اپنی طرف دیکھتا ہائے اُس نے کہا۔ ”ایسے نا دیکھو

میں اللہ ہے اور اس کی کتاب قرآن پاک بہ ایمان لے آیا ہوں اور اس بات پر بھی کہ حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا گیا تھا اللہ نے اُن کی جگہ کسی اور کی شکل اُن جیسی بنادی تھی اور انہیں اسی طرح

آسمان پہ اٹھالیا گیا تھا اور اب وہ قیامت کے قریب دنیا میں دوبارہ شریف لائیں گے۔ میں اس لیے ہی تمہارے پاس آیا

تھا میں پر اپر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں اور پھر ہم دونوں پاکستان شفٹ ہو جائیں گے اس کے لیے بس مجھے چندہ دن

دواھر سے پرنس وائٹ اپ کرنے لیے اور باقی ضروری کام کے لیے اور جلیز روڈنا بند کر دو ہم چندہ دن بعد پاکستان میں

ہوں گے تمہارے پاس اُس کا ایڈریس تو ہے نا؟“

”ہاں! لیکن خالو اور خالہ۔۔۔۔۔“ وہ اُس کی بات کاٹ کے بولی۔

”اُن کی فکر نہ کرو میں اُن کو سنبھال لوں گا۔“ تو اُس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور نامہ نے کلمہ کے

الفاظ دہرائے اور اس کے پیچھے ٹومس نے بھی ٹکڑے کے الفاظ ادا کیے اور ایک سچے دین کو پالنے کی خوشی میں دونوں نے مسکرا کے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆☆

ریاح، عاشر اور حامد کے ساتھ شادی کی تاریخ لینے جانے لگی تو دُخان کو کہا۔

”بھائی! بھائی کے لیے کوئی پیغام ہے تو بتا دیں۔“

”نہیں جی مجھے کوئی پیغام نہیں پہنچا۔“

”آپ کو کیا ہوا آپ کو تو خوش ہونا چاہئے۔“ اور اُسے وہ جھیل سی مٹی آنکھیں یاد آئی تھیں۔

”اے اللہ تو جانتا ہے موت اور محبت یہ تیرے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے تو ہی دلوں میں محبتوں کا بیج بوتا ہے تو اے میرے پیارے اللہ کوئی مجھ کو دے۔“ اُس نے سچے دل سے اللہ کو پکارا تھا۔

☆☆☆☆

اللہ سب کی سنتا ہے..... اُس نے پاکستان جانے کا سارا انتظام کر لیا تھا اُس کی توقع کے مطابق اُس کے ماں باپ اور دونوں بہنوں نے بیک اپ کر دیا تھا آج میکسیکو میں ان کی آخری رات تھی۔

”اے میرے اللہ تو نے اُسے میرے لیے نہیں بنایا اس لیے اُس کی محبت بھی میرے دل سے نکال دے جو تیری چاہت ہے اُسے میری چاہت بنالے مجھے در در بھٹکنے سے بچالے۔ مجھے ہدایت دے اے میرے اللہ جو میرے لیے نہیں ہے اُس کی خواہش بھی میرے دل سے نکال دے، میرے مالک مجھے مانگتا نہیں آتا میں مانگے عطا فرما مجھے یقین ہے تو میری دعا ضرور قبول فرمائے گا آمین۔“ دوسرے کہتا تھا اللہ سے مانگنا بھاتا اور اللہ نے اُس کی سن لی تھی یہی ایسا بھی ہوا ہے کہ جب اللہ سے اس یقین کے ساتھ مانگا جائے کہ وہ ہماری دعا ضرور پوری کرے گا اور اللہ دعا قبول نہ کرے؟

☆☆☆☆

یوں اچانک میں نے تجھے پایا

جیسے تافیر و عاشر آئے

آج اُس کی مہندی بھی سب گاؤں والے حویلی میں اکٹھے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی تو حامد صاحب نے فون اٹھایا۔ دوسری جانب سے نجانے کیا کہا گیا تھا کہ ریسورٹ ان کے ہاتھ سے

چھوٹ کے نیچے جا گرے دُخان جو کسی کام سے اندر آیا تھا اُس نے آگے بڑھ کے اُن کو ہاتھ اور صوفے پر بٹھایا۔

”بابا جان! آپ ٹھیک تو ہیں؟“ اُس نے پریشانی سے پوچھا۔

”افشائ اپنے کلاس فیلو جرج کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔“ اُس نے غصے سے اپنی مٹھیاں پٹی تھیں اُس نے اس خاندان کی عزت مٹی میں ملا دی تھی اور اُس نے دعا کی تھی کہ اب وہ کبھی اُس کے سامنے نہ آئے ورنہ وہ کچھ کر بیٹھے گا حویلی میں یہ بات پھیل گئی تھی اور سب ہی افسردہ سے بیٹھے تھے۔

”دُخان میکسیکو سے تمہارے مہمان آئے ہیں۔“ اُس کے بھوپڑا سرفیس نے برآمدے میں داخل ہو کر کہا تو سب نے ہی نظریں اٹھا کر اُس کے پیچھے آتے لڑکے اور لڑکی کو دیکھا اور دُخان نے یقینی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اُن کی طرف بڑھا اور نرم جوشی سے لڑکے کو گلے لگایا تو مادہ اُس کے کان میں بولی۔

”یہ میرا کزن اور بہترین دوست عبدالمہد ہے۔“ دُخان نے اُن کا سب سے تعارف کر لیا۔

”یہ میرا دوست ہے عبدالمہد اور یہ اس کی کزن مادہ ہیں۔“ عاشر اور حامد نے دونوں کو پرایا۔

”کسی کا برتھ ڈے ہے آج؟“ اُس نے سچے ہوئے گھر اور اتنے لوگوں کی موجودگی کو دیکھ کے اندازہ لگایا اور ریاچ سے پوچھا تو دُخان اُس کے اردو بولنے سے حیران ہوا تھا۔

”تمہارے لیے یہ اردو کیا کسی بھی پہاڑ کو سر کر سکتی ہے۔“ عبدالمہد نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ریاچ کی بجائے عاشر نے اُسے مختصر سا پس یہ بتا دیا کہ لڑکی نے شادی سے انکار کر دیا ہے اس لیے اب دُخان کی شادی نہیں ہو رہی تو مادہ کے چہرے پہ دھک سے رنگ کھلے تھے۔

”کیا آپ دُخان کی شادی میری کزن مادہ سے کریں گے؟“ عبدالمہد نے عاشر اور حامد کی طرف دیکھ کر پوچھا اور پھر ساری بات اسلام قبول کرنے سے پاکستان شفٹ ہونے تک بتا دی تو سب نے انہیں اسلام قبول کرنے کی مبارک دی اور پھر حامد نے دُخان سے پوچھا اور اس نے فرماں بردار بیٹوں کی طرح کہا۔

”بابا جان! جیسے آپ سب کی مرضی۔“ اور پھر سب کی رضامندی سے پرپزل قبول کر لیا گیا۔

☆☆☆☆

وہ صبح سے مادہ سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا اور وہ بات کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا وہ اُس کی ہونے والی ڈھن بھی اُس سے نکاح تک پردہ کر دیا گیا تھا دوپہر کا وقت تھا سب کمرہ میں آرام کر رہے تھے اور عاشر کچھ خواتین کے ساتھ بازار گئی تھیں مادہ کے شادی کے کپڑے اور زینور خریدنے کے لیے۔ اس کی نظر ریاچ پہ پڑی تو اُس نے اُسے چالیا۔

”میری بلی میرا ایک کام کرو گی؟ اپنی بھابی سے ملو اور دراصل میں ایک دفعہ اُسے دیکھنا چاہتا ہوں یہ بات شادی کے بعد سمجھنا پڑے۔“ اُس نے چہرے پہ مصیبت طاری کرتے ہوئے کہا اور حویلی کے پچھلی طرف جا کے جاسن کے درخت سے ٹیک لگا کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

”دُخان۔“ اپنا نام پکارے جانے پہ اُس نے مسکراتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا تھا۔

”جی جان دُخان!“ اُس نے آنکھوں میں بے غبار محبت لیے کہا تو وہ ہنس ہوئی تھی تو وہ اُس کے چہرے پہ بکھرے دھک رنگ دیکھنے لگا اور مادہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کنفیوژ کیوں ہو رہی ہے اور وہ اُسے کنفیوژ ہوتے دیکھ کے ہنسنے لگا اور اُس کی پہلی اور برتر چوڑیوں سے جی نکالی تمام کے بولا۔ ”سب کچھ تو نے لیا تم نے اب ان قاتل اداؤں سے جان لو کی کیا؟“ اُس نے ٹی میں گردن ہلاتی تھی اور کھٹکتے لہجے میں بولی۔

”میں نے کہا تھا نا اللہ نے آپ کو صرف میرے لیے بنایا ہے تو اللہ آپ کو کسی اور کو کیسے سوچ سکتے تھے؟ اللہ نے اپنی طرف لوٹنے پر مجھے آپ کی صورت میں انعام سے نوازا ہے آپ اللہ کی طرف سے میرا انعام ہیں۔“ وہ محبت سے اُسے دیکھنے لگا بے شک اللہ نے اُسے ایک پاکیزہ عورت سے نوازا تھا اُسے اُس کے گلے سے کوئی سروکار نہیں تھا اُس نے اُس کے ساتھ اپنا آج گوارنا تھا اور آنے والا کل۔

”آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟“ ”یاد.....؟ تمہاری ان مٹی آنکھوں نے مجھے راتوں کو سونے نہیں دیا اور تم یاد کی بات کر رہی ہو؟“ اُس کی آنکھوں میں نظر آتی سچائی کو دیکھتے ہوئے اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا یہ احساس ہی بہت فرحت بخش ہوتا ہے جس سے ہم محبت کرتے ہوں وہ بھی ہم سے اُس سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اُس کو یوں

اپنی طرف دیکھتا پکارتے دُخان نے شرارت سے پوچھا تھا۔

”کیا ہے؟“

”عشق ہے صاحب۔“ وہ بھی ہلکھلائی ہنسی ہنستے ہوئے بولی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی گستاخی کرتا اپنا بازو پھیرا دے بھاگی تھی۔

”بھاگ لو بھاگ لو مگن مگن کے بدلے لوں گا۔“ دُخان نے اُسے بھاگنے دیکھ کے کہا اور آواز ہی سے مسکرایا۔

ریاح، مادہ کو بچن کے دروازے سے حویلی کی پچھلی طرف چھوڑ کے اپنے دھان میں ٹھکن چہرے پہ ہلکی سی مسکان لیے برآمدے سے گزرنے لگی کے اُس کا سر کسی دیوار سے ٹکرایا تھا اور پھر اُس کی دھڑکیں سے ترتیب ہوتی تھیں تو اُس نے آہ کی آواز کے ساتھ اوپر دیکھا تو ہیزل گرین آنکھوں کو اپنی طرف دیکھتے پائے کہ وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور گڑبڑاتے ہوئے بولی۔

”سوری میں کبھی کہ کوئی دیوار ہے۔“ اُس کی بات پہ پہلے تو وہ حیران ہوا اور پھر مطلب سمجھ کے ہنسا اور اُسے ہنسنے دیکھ کے اُسے احساس ہوا کہ اُس نے کیا بولا ہے تو منہ پہ ہاتھ رکھ کے اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف چلنے لگی تو وہ بولا۔

”دھان سے اب نہیں سچ میں نہ دیوار سے ٹکرا جانا۔“ اُس نے شرارت سے کہا تو وہ اُس کے اس طرح دیکھنے پہ شرمائے رخ پھیر کے بھاگ گئی۔ عبدالمہد کو یہ چل گیا تھا کہ اللہ کیا چاہتا ہے اور اُس نے اللہ کا فیصلہ دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔

☆☆☆☆

احمد شادی کا جھانسا دے کے افشائ کو گھر سے بھاگ کے لے گیا تھا۔ وہ صبح کو رت میں جا کے میرج کر لیں گے لیکن اس کی نو بہنیں آئی تھیں اب اُسے احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں جگ گئیں کھیت۔ اب وہ اس حالت میں نہ تو گھر جاسکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُس کے گھر والے اُسے قتل کریں گے اس لیے اُس نے خودکشی کر لی تھی ایسی لڑکیوں کا یہی حال ہوتا ہے جو اللہ کو بھول جاتی ہیں اور اپنے ماں باپ کی عزتوں کو روند ڈالتی ہیں۔



نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں

دیا روشن کہ مدہم ہو گیا ہے

ہمیں معلوم ہے اتنا کہ ایک سال

ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

جب بھی رات کا وقت ہوتا ہے تو قوی ہیکل سینے میں ایک توانائی سی بھر جاتی ہے۔ جسم کراہتا بھی تو داغ بھر سے اس "ایک شے" کی جستجو میں سرگرداں ضدی بچے کی مانند سرچنے لگتا خالی دیواروں پر قہقہے لگاتے سائے سڑک پر آتی جاتی ٹریفک کی روشنی کی بدولت دکھائی دیتے لیکن وہ "ایک شے" وہ "ایک شے" کہیں دکھائی نہ دیتی۔ ہوا کے تیز چھڑے درختوں کی شاخوں پر دم مرگ آخری سانس لیتے میری ہمت توڑنے لگتے لیکن میں.....؟

میں تو اس "ایک شے" کے ملنے کی خوشی میں صعبیتوں کو جھیلنے کا عادی ہو چکا تھا کیسے شکست تسلیم کر لیتا؟ اس "ایک شے" کے ملنے کی لمحہ بھر کی خوشی دن بھر کی اداسی، ملال، دکھ کو بل میں چھوڑ لیتی ہے۔

مجھے محبت کے فسون کا کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہوتا ہے؟ دوست کبھی کوئی بنا ہی نہیں تھا تو بے اعتنائی کے کسی دھم سے آشنا بھی نہیں تھا انہوں نے بھی سینے سے لگایا ہی نہیں تو بیگانگی کے چرکوں اور ضرب سے بھی ناواقف ہی رہا۔ بس واقف تھا تو "ایک شے" سے اجنبی نہیں تھی تو بس وہ "ایک شے" جدائی کا کرب تھا تو بس اس "ایک شے" کا۔

پیدا ہوا تو ایک کپڑے بوڑھے کے ہاں..... نہیں

نہ ملتی۔ کبھی کبھی قسمت یاوری پر ہوتی تو دن میں چار بار بھی مل جاتی لیکن مکمل نہ ملتی، ہمیشہ ٹکڑوں میں یا نصف مقدار میں، اس ایک شے کی یوں طلب رہتی کہ نہ گرم دھوپ میں گرمی چھیتی نہ سرد موسم میں جسم ٹھنڈا محسوس ہوتا بس اس کا دل فریب ذائقہ، دل تو کبھی اس ایک شے سے ناراض رہ ہی نہ سکتا تھا۔ سو بس چلتا رہتا کبھی آہستہ کبھی سست رفتاری سے تو کبھی چابک دستی سے دوڑنے لگتا بس اس ایک شے کی بنیاد پر نچو پاتا رہا، اس بچ کی طرح بڑھتا رہا مزید سے مزید پروان کی سیڑھیاں عبور کرتا رہا، جس کے سرے کھوکھلے رہے لیکن وہ ظاہر نہ ہونے دے اور ڈھیت بنا کھڑا رہے۔ میں نے چاہا کہ اس ایک شے کا متبادل مجھے کوئی ملے لیکن.....؟ نہ ملا، نہ پتھروں میں، نہ مٹی میں، نہ لکڑیوں میں، نہ آگ میں اور پھر آگ تو جھلسا کر رکھ دیتی ہے ناں..... لیکن..... میں..... مجھے تو بس اس ایک شے کی خواہش تھی۔

بھوکا ہو تو کتنا بھونکتا ہے بلی کر بناک صدائیں خارج کرتی ہے لیکن میں تو بس اس ایک شے کا دھیان کیے پتیل کے سوکھے چوں کے شہر تلے ناگسں پہاڑ کر بیٹھ جاتا آسمان کو تکتا، گویا اوپر سے وہ ایک شے میری جھولی میں آگرے گی۔ خاموشی سے پیلے پیلے چوں کو چباتا مگر پھرتے کر دیتا کہ یہ اس شے کا نعم البدل نہیں جتنا وہ شے مجھ سے گریزاں رہتی اتنا ہی میں اس کی جانب لپکتا اس ایک شے کی طلب نے مجھے عمر سے پہلے ہی کئی سال کا بوڑھا بنا دیا ہے۔ میرا دایاں ہاتھ بائیں سے نہیں ملتا۔ لڑتا جھگڑتا رہتا ہے کہ جب بمشکل پانچ برس کا تھا تو اس کپڑے کی غفلت کے باعث میری چاروں انگلیاں جدا ہو گئیں پھر جو بھی کرتا لائے ہاتھ سے ہی کرتا سیدھے کو بس سہارا دینے کے لیے مختص کر لیا۔

جس دن جس شب جس دوپہر اور جس شام وہ ایک شے مل جاتی میرے لیے وہ وقت مبارک شادی کا ہوتا،

میں کسی دلہے کی مانند اپنے بچے مسرت سے پرہرے کے اندر اسے سارے جہاں سے چھپا کر رکھتا۔ وہ میری رفیقہ حیات بن جاتی، میرے دل کی دھڑکن کو مزید بڑھا دیتی میری بے نور آنکھوں میں سرسری کشش پیدا کر دیتی میرے خشک ہونٹوں کو اپنے لپس سے تر کر دیتی اور میں اسے اپنی دلہن سمجھتا لذت و عشرت کے مزے لوٹنے لگتا۔ وہ دونٹیں، تین، تین بھی نہیں، چار، چار بھی نہیں، پورے آٹھ دن ہونے کو آئے ہیں لیکن وہ ایک شے لمبے عرصے تک خزاں کی مانند مجھ سے روکھ گئی ہے۔ قحط پڑ گیا ہے اس ایک شے کا جو تا حیات مجھے کبھی پوری نصیب نہ ہوئی کسی مزدور نے دی تو حقارت سے اور دی بھی آدمی، کسی کے بوٹ پالش کے تو لی آدمی، کسی کے کپڑے رنگے تو لی آدمی، کسی کی چمپلیں سین تو لی آدمی، سارا دن اینٹیں اٹھائیں تو لی آدمی۔ میں آدھا پیدا نہیں ہوا تھا، لیکن یہ مجھے ہمیشہ آدمی ہی ملتی رہی اور میں اس آدمی کے نشے میں سرور کئی کئی دنوں کا نغمہ بھی جھیلتا رہا۔ کبھی خدا سے طلب نہ کی جو بن مانگے نوازتا ہے جو باغشاہی رہتا ہے دینا ہی رہتا ہے بندوں کے آگے ہاتھ جوڑا، سر جھکایا، مساجد کے در پر کھڑا رہا کبھی مسجد میں جا کر اس سے ملاقات نہ کی جو آدمی روٹی دیتا تھا کبھی اس کا شکر ادا نہ کیا جس نے آدمی روٹی کی مسرت میں کئی گنا کمزور و لاغر بدن میں برقی توانائی سی بھر دی تھی اور پھر کیا ہوا بالآخر خرابی چھٹی لی گئی۔

میں اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ وہ ایک شے مجھے دکھائی دی ایک کتے کے منہ میں..... اور میں اس کے اوپر کتے کی طرح ہی جھپٹ پڑا اور وہ آدمی روٹی مجھے پورا کھا گئی..... وہ آدمی..... نہ ہر ملی روٹی.....!



حاجی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

نازش کنول..... سرگودھا

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74
70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ نیت یہ کریں کہ اگر یہ رشتہ میرے لیے بہتر ہے تو یہاں ہو جائے ورنہ جو بہتر ہو وہاں سے پیغام آ جائے۔
بعد نماز عشاء سورۃ فلق، سورۃ الناس ایک تسبیح روزانہ۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم کریں اور نیت بھی رکھیں کہ گھر والے مخالفت کرنا چھوڑ دیں۔

مصباح شریف..... پاکپتن

جواب:- صحت کے لیے: سورۃ الفاتحہ، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس چاروں آیات کو 7 مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد۔
رشتہ کے لیے:- بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

ن۔ کس..... فیصل آباد

جواب:- بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس یقین کے ساتھ مریض سرور کی گولی کھاتا ہے اس ہی یقین کے ساتھ آپ پڑھیں۔ اللہ آپ کے حال پر رحم فرمائے، آمین۔

سمیرا الیاس..... کراچی

جواب:- سر پرکھا کرتے وقت ”یاشانی“ پڑھتی رہا کریں۔

س۔ ل..... منڈی بہاؤ الدین

جواب:- یا اللہ، یا رحمن، یا رحیم 111 مرتبہ

پانی پر دم کر کے پلایا کریں روزانہ۔

رشتے کے لیے استخارہ کر لیں۔

سعید عرفان..... فیصل آباد

جواب:- مسئلہ نمبر 1:- سورۃ حشر کی آخری آیات صبح و شام 7,7 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں۔ تیل پر 7 مرتبہ پڑھ کر دم کریں۔ رات کو روزانہ سر کی مالش کیا کریں۔

مسئلہ نمبر 2:- بھائی کو پانی پر 11 مرتبہ سورۃ العصر دم کر کے پلایا کریں۔

ثمینہ..... چیچہ وطنی

جواب:- شبانہ اثرا تازہ ہے۔ سورۃ الفلق، سورۃ الناس 21,21 مرتبہ مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد پڑھ کر دم کیا کریں۔

اولاد کے لیے آپ دونوں ہمیشہ فجر کی نماز کے بعد سورۃ آل عمران آیت نمبر 38، 111 مرتبہ پڑھا کریں۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

مسز عفت..... گولڑہ شریف

جواب:- ہر بل دوائیاں استعمال کریں۔
بعد نماز فجر سورۃ آل عمران آیت نمبر 38، 121 مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف روزانہ۔ دعا بھی کریں۔

زاهدہ شیخ..... گجرات

جواب:- مسئلہ 2:- سورۃ العصر 41 مرتبہ روزانہ پانی پر دم کر کے پلایا کریں۔ اول و آخر 3,3 مرتبہ درود شریف۔

مسئلہ نمبر 3:- سورۃ القریش 111 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ بعد نماز عشاء۔ بھائی خود پڑھے اپنے کام کے لیے۔

شہناز کنول..... ملیر، کراچی

جواب:- جا دو ہے۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 1,1 تسبیح بعد نماز عشاء۔ اول و آخر 11,11

مرتبہ درود شریف۔ نیت جو عمل ہے وہ ختم ہو جائے۔

(مدت 3 ماہ تک) صدقہ بھی دیں ہر ماہ۔

سورۃ العصر 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پچوں اور شوہر کو پلایا کریں روزانہ۔

ظن ہما..... لیہ

جواب:- ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ آیتہ الکرسی، 3,3 مرتبہ سورۃ الفلق، سورۃ الناس اول و آخر ایک ایک مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ تیل پر 3 مرتبہ سورۃ عبس دم کر لیں روزانہ رات کو سر پر لگایا کریں۔

فائزہ سومرو..... سکھر

جواب:- والدہ صدقہ دیں۔ سورۃ قریش صبح و شام ایک ایک تسبیح کیا کریں۔
رشتوں کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

زیب النساء..... چکوال

جواب:- روزانہ ایک مرتبہ سورۃ مزمل پانی پر دم کر کے پلایا کریں۔
ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ سورۃ قریش پڑھا کریں۔ کام ٹھیک ہو جائے گا۔

سمیمہ پروین..... کراچی

جواب:- وظیفہ جاری رکھیں۔
مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس 11,11 مرتبہ۔

رکاوٹ/ بندش کا تصور رکھ کر پڑھیں کہ ختم ہو جائے۔

صدقہ بھی دیں۔

عائشہ خان..... شور کوٹ

جواب:- نوکری کے لیے سورۃ قریش 111 مرتبہ۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔

آپ کی بہن جلد اور اچھا رشتہ آنے کے لیے پڑھیں۔ آپ دونوں اس نیت سے پڑھیں کہ جہاں بہتر ہو ہو جائے۔



<http://facebook.com/elajbilquran>
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔
rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن

برائے فردری ۲۰۱۶ء

نام.....

والدہ کا نام.....

نام.....

گھر کا مکمل پتا.....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں.....

میں

میمونہ رومان

اقصی زرگزینا زرگر..... جوڑہ

تم سے محبت تیری اوقات سے زیادہ کی تھی
اب بات نفرت کی ہے سوچ تیرا کیا ہوگا!!

کنول چوہدری..... شادیوال گجرات
منزلوں پہ پہنچنا ہے تو کانٹوں سے نہ گھبراتا

کانٹے ہی تو بڑھادیے ہیں رفتار قدموں کی
مشاعلی مسکان..... قمر مشانی

مجھ کو تہذیب کے برزخ کانیا وارث
یہ الزام بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

نیلیم شہزادی..... کوٹ مومن
بہت اندر تک جلا دیتی ہیں

وہ شکایتیں جو کبھی بیان نہیں ہوتیں
حیرانوشین..... منڈی بہاؤ الدین

تم کسی راستے سے آجانا
میرے چاروں طرف محبت ہے

طیبہ سعدیہ..... سیالکوٹ
فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری تحقیر ہوتی ہے وہی

میں مجھ کو ملائک ہوں مجھے انسان رہنے دو
پردین افضل شاہین..... بہاولنگر

جانے کب مجھ کو بھی آجائے بلادا آذر
جانے کب میں بھی چلا جاؤں جہاں سے چپ چاپ

خوشی..... برٹالی
جو آتا ہے خوشی کی انتہا پر

بہت روئے اس ایک آنسو کی خاطر
نگین افضل ڈرائیج..... گجرات

آہ کو چاہیے اک عمر اڑ ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تقافل نہ کرو گے لیکن
ہم نے مانا کہ تقافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
شائستہ جٹ..... چیچھوٹی

یوں ہی سمجھ لو کہ ہارمان لی تم سے اے عشق
دل تو مردہ کر دیا اور اسی سے جنگ کا مزہ آتا ہے

دھنک عرفان..... عارف والا
خود کو میں پائنت نہ ڈالوں کہیں دامن دامن

کر دیا تو نے گر میرے حوالے مجھ کو
مجھ سے تو پوچھنے آیا ہے وفا کے معنی

یہ تیری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو
ایم فاطمہ سیال..... محمود پور

تو میرا ہے تیرا نام کوئی اور نہ لے
ان بھیگی آنکھوں کا جام کوئی اور نہ لے

کچھ اس لیے بھی میں نے تیرا ہاتھ نہ چھوڑا
تو گر گیا تو تجھے تمام کوئی اور نہ لے

فیاض اسحاق..... سلووالی
پرانے رالپوں کو پھر نئے وعدوں کی تکمیل ہے

ذرا اک بار تو کہنا کہ محبت مر نہیں سکتی
اگر ہم حسرتوں کی قبر میں دفن ہو جائیں

تو یہ کہیں پہ لکھ دینا کہ محبت مر نہیں سکتی
مبشری خان..... منڈی بہاؤ الدین

ٹوٹ کر بھی یہ سینے میں دھرتا رہتا ہے بے وفا
ہم نے اس دنیا میں دل جیسا کوئی وفا دائیں دیکھا

فریح شیر..... شاہ کڈر
اداسی جس کے دل میں ہو اسی کی نیند اڑتی ہے

کسی کو اپنی آنکھوں سے کوئی پہنا نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ٹوٹا بدن اپنا

کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کندھا نہیں دیتا
مدیحہ نورین مہک..... برٹالی

یاد تو ہوں گی وہ باتیں تجھے اب بھی لیکن
خیلیات میں رہی ہوئی بند کتابوں کی طرح

دقیقہ زمرہ..... سمندری
پکارو اس رب کو جو عرش عظیم ہے

میت پکارو اس کو جو خود زیرے زمین ہے
کیوں مانگتے ہو غیروں کے دربار سے

وہ کونسا کام ہے جو ہوتا نہیں پروردگار سے
ارم ڈرائیج..... گجرات

اس کی یادوں سے بچ نکلوں کوئی ترکیب بتاؤ مجھے
میری جانب سے ہر راستہ اس کی جانب نکلتا ہے

جب دیکھ چکا میرے روح و بدن پر اپنے زخموں کا نشان
پھر بھی جان بوجھ کر کانٹوں بھری شال دی اس نے

نورین انجم عثمان..... کورنگی کراچی
براہوں بھلا ہوں تیرا ہی بندہ ہوں یارب!

پیدا ہوتے ہی کلر سنا تھا مرتے وقت بھی نصیب کرنا
حمیرا قریشی..... لاہور

طلب مجھ سے نہ کر چھاؤں کی اے منزل مغفوم
تپتے ہوئے صحرا میں بے سائبان سحر ہوں

جاذبہ عباسی..... مری
سنا ہے بہت سستا ہے خون وہاں کا

اک بستی جسے لوگ پاکستان کہتے ہیں
دعا ہاشمی..... فیصل آباد

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہاں میں تیری بلا عیبت

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حلیف کہ ایماں گیا عیبت

طیبہ سعدیہ عطار پور..... کشمیر
نہیں مجھ میں اتنی طاقت کہ

شہر مدینہ جاؤں یارب
آج کوئی ایسی نیند سلاوے کہ

تیرے محبوب کے روضے کا دیدار ہو جائے
نورین مسکان..... سیالکوٹ

محبت چھوڑ دینے پر دلوں کو توڑ دینے پر
عجب دستور ہے صاحب کوئی فتویٰ نہیں لگتا

😊

بیازدیل@aanah.com.pk

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سنوں
کہ تو نے بھی غم دنیا سے پار مانی ہے

زمیں پہ رہ کر ستارے شکار کرتے ہیں
مزاج اہل محبت کا آسانی ہے

لاریب انشال..... اوکاڑہ
محبت کی عجب مثال دی اس نے

اداس رہنے کی عادت سی ڈال دی اس نے

دش مقالبہ

طلعت آغاز

”مچلی کے کٹس“

اشیاء:-

بکٹ یا ڈبل روٹی کا چورا	رہو مچلی
سرکہ	ایک کلو
گرم مسالہ	دو کھانے کے چمچے
انڈے	آدھی پیالی
کونگ آئل	ایک کھانے کا چمچ
	دو عدد
	حسب ضرورت

ترکیب:-

مچلی کو بال کر اس کے چھلکے اور کانٹے وغیرہ نکال دیں خوب صاف کرنے کے بعد پانچ منٹ پانی میں رہنے دیں اب گرم مسالہ نمک ہلدی بکٹ کا چورا اور سرکہ ملا کر مچلی میں ملا دیں اور اس کے ٹکس بنائیں ٹکس انڈے میں ڈبو کر کونگ آئل میں تیل لیں۔

(نوٹین اقبال..... گاؤں بدرمرجان)

”میوے کی مٹھی پوریاں“

اشیاء:-

میوہ	سوا کلو
مٹی	ایک کلو
پستہ	آدھ پاؤ
بادام	آدھ پاؤ
مجمور	آدھ پاؤ
مصری	ڈیڑھ پاؤ
عرق اورک	دو تولے
الاجچی	ایک ماشہ
لونگ	ایک ماشہ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:-

پاؤ بھر میدہ آدھ چھٹا تک مٹی میں شامل کر کے پال سے گوندھ لیں اور نکلیں بنا کر تیل لیں اس کے بعد مٹی ہوئی نکلیں کو خوب مل کر پھا ہوا مصالحہ اور باریک کتر ہوا میوہ اور عرق اورک مصری شامل کر کے رکھ دیں باقی میدے میں ایک تولہ نمک اور آدھ پاؤ مٹی ملا کر گوندھ لیں اور پوریاں بنا کر میدہ اور مسالہ لگا کر تیل لیں۔

(طلعت نظامی..... کراچی)

شاهی ملائی کباب

اشیاء:-

قیمہ (گائے یا بکری کا)	آدھا کلو
سلاکس	چھ عدد
دودھ	ایک کپ
پیاز	دو عدد (باریک کٹی ہوئی)
ہری مرچ	چار عدد
ہرا دھنیا	ایک مٹھی
بالائی یا فریش کریم	دو کھانے کے چمچے
پودینہ	آدھی مٹھی
لال مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا کھانے کا چمچ
انڈا	ایک عدد
گرم مسالہ (پسپا ہوا)	حسب ذائقہ
نمک	حسب ضرورت
کونگ آئل	آدھا کپ

ترکیب:-

سب سے پہلے سلاکس کو دودھ میں بھگو دیں۔ پھر ایک بڑے برتن میں قیمہ اور دوسرے اجزاء پیاز ہری مرچ سرخ مرچ ہرا دھنیا بالائی پودینہ انڈا مسالہ اور نمک کو اچھی طرح ڈال کر مکس کر لیں۔ پیچھے ہوئے تیل نکال کر اچھی طرح دیا دیا کر دودھ نکال دیں اور قیمہ میں ملا کر گوندھ لیں۔ تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں۔ اب ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور مٹی آج میں کباب بنا کر تیل لیں۔ جب کباب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال کر کسی اخبار پر رکھ دیں تاکہ چکنائی جذب ہو جائے

مزید ارشادی ملائی کباب تیار ہیں۔ انہیں گرم گرم روٹی نان کے ساتھ پیش کریں۔

(نزہت جبین ضیاء..... کراچی)

بکمرے کے پائے

اجزاء:

ہرا دھنیا (ایک مٹھی)	کٹا ہوا
دہی	ایک پیالی
چھوٹی پیاز	دو عدد
لیموں کارس	تین چائے کے چمچے
ہری مرچ چار عدد	باریک کٹی ہوئی
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسپا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
زیرہ (بھنا پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
آورک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (پسپا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت
اورک (باریک کٹی ہوئی)	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

پائے جوئے کے لیے

آٹا یا آٹے کی بھوسی

پائے گلانے کے لیے

ثابت لہسن	دو عدد
پانی	چار سے پانچ گلاس
سوف	ایک چائے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:-

بکمرے کے پائے بغیر آٹا پر آٹا یا آٹے کی بھوسی لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے چھلنی میں رہیں۔ پھر گرم پانی سے جو لیں۔ اب دھلے ہوئے پائے ایک دھننی میں چار سے پانچ گلاس پانی، سوف، ثابت دھنیا، ثابت لہسن اور

نمک کے ساتھ پکھنے دیں۔ جب دھل جائیں تو بڑی ہڈیاں نکالیں اور بچنی چھان لیں۔ ایک دھننی میں تیل گرم کر کے اس میں چھوٹی پیاز گولڈن براؤن کر کے نکالیں اور شور پر پھیلا دیں، تاکہ وہ دھست ہو جائے۔ پھر خشک پیاز کو ہاتھ سے چل کر دہی میں ملا لیں۔ ساتھ ہی ہلدی، اورک لہسن کا پیسٹ، دھنیا، بھنا اور پسپا زیرہ اور پسپا لال مرچ شامل کر کے واپس دھننی میں ڈالیں اور ہلکا سا بھون کر پائے ڈال دیں۔ اب انہیں پانچ سے آٹھ منٹ بھون کر چھانی ہوئی بچنی اور پھر پسپا گرم مصالحہ شامل کر کے مٹی آج پر پکائیں۔ جب چکنائی اوپر آجائے تو دوبارہ گرم مصالحہ، لیموں کارس، باریک کٹی ہری مرچ، باریک کٹا ہرا دھنیا اور اورک ڈال کر دم پر رکھیں۔ آخر میں گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

(ہالہ سلیم..... اورنگی کراچی)

بھیر شاٹلک

اجزاء:

چاول	200 گرام
کاج پنیر	200 گرام
شملہ مرچ (چوکور ٹکڑے)	100 گرام
ٹماٹر (چوکور ٹکڑے)	100 گرام
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	100 گرام
لیموں کا عرق	ایک چائے کا چمچ
سرخ مرچ	1/2 چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک چائے کا چمچ
کری پاؤڈر	1/2 چمچ
کالی مرچ	1/4 چمچ
دہی	100 گرام
کونگ	ایک چھوٹا کلو

ترکیب:

چاول کو بال کر چھان لیں۔ اب ایک برتن میں لیموں کا عرق نمک اور سرخ مرچ مکس کر لیں۔ اب تمام سبزیوں کو اس میں ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ دہی میں کری

پاؤڈر اور کالی مرچ ملائیں۔ تیل گرم کر کے یہ دہی اس میں
دس منٹ تک پکا لیں پھر بنزیوں کو اس میں شامل کر کے
پکائیں۔ یہاں تک کہ دہی کا پانی بنزیوں میں جذب ہو
جائے۔ اب اس کو کولے سے دم دے کر آدھے گھنٹے کے
لیے رکھ دیں۔ اب بنزیوں کو 180 سینٹی گریڈ اوون میں دم
دیں۔ یہاں تک کہ وہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔ اب ایک
ڈش میں چاول کو درمیان میں رکھیں۔ اس کے اوپر سے تیار
کیا گیا دہی کا آمیزہ ڈالیں اور سائیڈ میں شملہ مرچ اور نمٹار
سجا کر پیش کریں۔

(جوریہ ریاضہ..... بلیر کراچی)

تھائی چکن قہیہ

اجزاء۔

مرچی کا قہیہ	500 گرام
کھنے ہوئے لسی کے پتے	2 کھانے کے چمچے
کٹی ہوئی کالی مرچیں	1 کھانے کا چمچ
لال ثابت مرچ	6 سے 8 عدد
لہسن کے جوے	5 سے 6 عدد
فٹن سوس	2 کھانے کے چمچے
چینی	1 کھانے کا چمچ
تیل	4 کھانے کے چمچے
کٹی ہوئی ہری مرچیں	2 سے 3 عدد

ترکیب۔

ثابت مرچ اور لہسن کے دو سے تین جوے ملا کر پیس
لیں۔ زیادہ پانی شامل نہ کریں۔ فرائی پین میں تیل گرم
کریں اور لہسی ہونی چٹنی ڈال کر چھی آج پرتیں جب پانی
خشک ہونے لگے تو قہیہ ڈال کر بھونیں باقی بچا ہوا لہسن چھی
کاٹ کر ملائیں اور ڈھکن رکھ کر پانچ سے سات منٹ تک
بہت ہلکی آج پرتیں دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو فٹن
سوس لسی کے پتے اور چینی ملا کر صرف ایک منٹ پکانے
کے بعد اتار لیں۔ ابلے ہوئے چاولوں پار پڑے کے ساتھ کسی کو
پیش کرنے کی ضرورت نہیں خود کھائیں اور میرے لیے
بارسل کریں۔

(رخسانہ اقبال..... خوشاب)

چائے خزاں پڑاؤں

اجزاء۔

چاول	ڈیزھ کپ
(صاف کر کے پانی میں بھگو دیں)	
سفید مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
سرکہ	چوتھائی کپ
لال شملہ مرچ	ایک عدد
(بج نکال کر چھوٹے کیوڑ کاٹ لیں)	
ہری مرچیں (چوپ کر لیں)	دو عدد
جھینگے	150 گرام
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
مٹر (اٹال لیں)	چوتھائی کپ
چکن کیوب	ایک عدد
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب۔

جھینگوں کو دھو کر صاف کر لیں۔ اس پر نمک سفید مرچ
پاؤڈر اور ہلدی پاؤڈر چھڑک کر پانچ منٹ کے لیے چھلنی
میں رکھ دیں اس کے بعد دوبارہ دھو کر خشک کر کے ایک
پیالے میں ڈالیں۔ اس میں سرکہ نمک اور سفید مرچ پاؤڈر
چھڑک کر مزید پین منٹ کے لیے رکھ دیں۔ نمک طے پانی
میں چاول ڈال کر ایک مرتبہ اٹال لیں۔ چکن کیوڑ ڈالیں اور
چاولوں کو ایک کٹی رہ جانے تک پکائیں۔ اس کے بعد نمٹار
کر چالوں کو الگ رکھ لیں۔ ایک پتیلی میں تیل گرم کریں۔
اس میں ہری مرچیں اور لہسن پیسٹ ڈال کر پانچ چلائیں۔
جھینگوں کو سرکہ کے کچھرے سے نکال کر اس میں ڈالیں اور
گولڈن ہونے تک فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں
ابلے ہوئے مٹر لال شملہ مرچ اور ہری شملہ مرچ پاؤڈر کر دو
منٹ تک فرائی کریں۔ چاول ڈال کر پانچ چلائیں اور ہلکی آج
15-20 منٹ دم پر رکھ دیں۔ مزے دار چائے خزاں پڑاؤں

دو پراؤں تیار ہیں۔ گرما گرم سرو کریں۔

(مسدہ شاہین..... حیدرآباد)

تھائی خزاں پڑاؤں

ضروری اشیاء چاولوں کے لیے۔

چاول (اٹال میں)	آدھا کلو
مرچی کا گوشت (بون لیں)	250 گرام
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
پیاز (سائیں کاٹ لیں)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
چائے نمک	ایک چائے کا چمچ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ

ضروری اشیاء فٹنش کے لیے۔

مچھلی	آدھا کلو
(صاف کر کے دھو کر خشک کر لیں)	
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
زیرہ ثابت (دھنیا) بھون کر	آدھا آدھا چائے کا چمچ
کوٹ لیں)	

ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
اجوائن (کوٹ لیں)	ایک چائے کا چمچ
لیموں (دس نکال لیں)	دو عدد
سویا سوس	دو کھانے کے چمچ
گرم مسالا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کارن فلور	پانچ کھانے کے چمچ
ہری پیاز (کاٹ لیں)	پانچ عدد
اٹلے (پھیٹ لیں)	دو عدد

ترکیب۔

مرچی کے گوشت کو لہسانی میں کاٹ لیں۔ تیل گرم کریں
اور اس میں گوشت ڈال کر فرائی کر لیں اور نکال کر ٹیٹ میں

رکھ لیں۔ باقی تیل گرم کر کے اس میں پیاز فرائی کریں اور
آدھی پیاز نکال لیں۔ باقی پچی ہوئی پیاز میں لہسن پیسٹ
ڈال کر ہلکا سا بھونیں اس میں چاول ڈال دیں۔ چائے نمک
سیاہ مرچ پاؤڈر نمک لال مرچ ہری پیاز ڈال کر پانچ چلائیں۔
اٹلے میں نمک سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر پھیٹیں۔ فرائنگ
پین میں تیل ڈال کر فرائی کر لیں اور کولے سے فرائی کیے
ہوئے چاولوں میں تیار کیا ہوا آٹھ اور فرائی کیا ہوا گوشت
ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور ایک باؤل میں نکال لیں۔
مچھلی کے لہسانی میں آدھا آج چوڑے کٹڑے کاٹ
لیں۔ نمک لال مرچ کٹا ہوا زیرہ اور ثابت و دھنیا ہلدی
پاؤڈر اجوائن لیموں کارن سویا سوس گرم مصالحا لال پاؤڈر اور
سیاہ مرچ پاؤڈر مکس کر کے مچھلی پر لگا دیں۔ آدھا گھنٹے کے
لیے رکھ دیں۔ تیل گرم کریں اور مچھلی کے ہر ٹکڑے پر کارن
فلور لگا کر اٹلے میں ڈپ کر کے فرائی کر لیں اور ٹشو پیپر پر
رکھ کر چکنائی جذب کر لیں۔ فٹنش تیار ہے۔ سرونگ ڈش
میں تیار تھائی خزاں پڑاؤں نکال اس پر تیار کی ہوئی فٹنش
رکھیں مزے دار تھائی خزاں پڑاؤں دو فٹنش کو مسالا اور چلی
گارلک سوس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

(ضوباریہ..... پشین)

اچار پریاٹھے

اشیاء:	ایک کپ
میدہ	ایک کپ
آٹا	ایک ٹمبل اسپون (حسب ضرورت)
اچار کا مسالہ	ایک ٹمبل اسپون
سویا پتی	ہاف ٹی اسپون
اجیو تھو	تھوڑا سا
نمک	دو ٹمبل اسپون
کھی	فرائی کے لئے کھی

ترکیب:

میدہ اوناٹا یا ہم مکس کر لیں۔ اس میں تمام مصالحے